شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

# فتاویٰ حقانیہ مشاہیر علماء اور رسائل و جرائد کی نظر میں

## شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ صدر وفاق المدارس پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی کا فتاویٰ حقانیہ پر عالمانہ تاثرات و تبصرہ

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب و دیگر مفتیان کرام جامعہ حقانیہ

نگرانی: مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ — ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ممتاز صفات سے نوازا تھا، وہ علم و عمل، اخلاص و للّٰہیت، تواضع و انکساری میں اسلاف کا نمونہ تھے، اللہ جل شانہ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ان سے دین اسلام کی بڑی شہری خدمات لیں، ان کی خدمات و مآثر میں سے عظیم الشان کارنامہ دارالعلوم حقانیہ کا قیام ہے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاذ تھے، سنہ ۱۹۴۷ء میں اپنے آبائی علاقے اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور جب تقسیم ہند کے ہنگاموں اور بدامنی کے سبب واپس نہیں جاسکے تو اپنے علاقے کی مسجد میں درس شروع فرمایا، طلباء کا کثرت سے رجوع ہوا، مسجد چھوٹی پڑ گئی تو دارالعلوم حقانیہ کی موجودہ جگہ منتقل ہوئے، اس طرح بغیر کسی سابقہ منصوبے اور ارادے کے پاکستان کی اس عظیم دینی ادارے کی بنیاد پڑی اور اللہ تعالیٰ نے اس ادارے سے دین کے متنوع شعبوں میں جو رجال دین پیدا فرمائے شاید کوئی دوسرا ادارہ اس پہلو سے اس کی ہمسری کرسکے۔ دارالعلوم حقانیہ نے جہاں دینی علوم کے دوسرے شعبوں میں قابل قدر امور انجام دیئے ہیں وہاں شعبہ نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف میں بھی وسائل طباعت سے دوری کے باوجود بڑا مفید کام انجام دیا ہے "الحق" کے نام سے ایک موقر اور علمی ماہنامہ تقریباً ۳۷ سال سے نکل رہا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم

حقانیہ کے اشاعتی ادارے موتمر المصنفین سے بیسیوں علمی تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اب سالہا سال کی محنت کے بعد دار العلوم نے فتاویٰ کا ذخیرہ مجموعہ چھ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

دار العلوم حقانیہ نے شعبہ افتاء کی طرف ملک و بیرون ملک سے لوگ بکثرت شرعی مسائل کے متعلق سوالات بھیجتے ہیں صوبہ سرحد کے مسائل خاص طور سے یہاں آتے رہتے ہیں اور دار العلوم کے مفتی حضرات باقاعدگی سے مستفتیوں کو ان کا جواب لکھتے رہتے ہیں۔ ان فتاویٰ کی نقول کو محفوظ رکھنے اور ان کو الگ رجسٹروں میں نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ دار العلوم کے منتظمین نے ان فتاویٰ کی اشاعت کا ارادہ کیا اور شعبہ تخصص کے سرپرست مفتی حضرات کی نگرانی میں درجہ تخصص کے طلبہ کو مختلف سالوں میں جاری شدہ فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق کے لیے مختلف حصے حوالے کئے جاتے رہے۔ چنانچہ ترتیب و تحقیق کے مراحل سے گزرنے کے بعد یہ علمی ذخیرہ مرتب ہو کر اب پیش کیا گیا ہے۔

اس کی جلد اول ۵۹۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ابتداء میں مولانا سمیع الحق صاحب کا مرتب کردہ مقدمہ "فقہ اور آداب افتاء" سے متعلق ایک پر مغز مقدمہ شامل ہے۔ اس کے بعد جن مفتی حضرات نے یہ فتاویٰ تحریر کئے ہیں ان کا تعارف ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مولانا عبدالحلیم زروبی صاحب، مولانا محمد علی سواتی، مولانا عبدالحلیم ہزاروی صاحب، مولانا مفتی غلام الرحمان صاحب اور اس فتاویٰ کے مرتب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کے وغیرہ کے سوانح ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد صفحہ ۱۳۵ سے اصل فتاویٰ کی ابتداء ہوتی ہے۔ سب سے پہلے کتاب العقائد والفرق ہے۔ عقائد اور فرقوں سے متعلق دوسرے سوالات کے علاوہ اس میں قادیانیت، آغا خانی، پاکستان میں اسلامی تکفیر کی روایت، منکرین حدیث وغیرہ جدید فرقوں سے متعلق سوالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔

جلد دوم ۹۴۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں کتاب الاجتہاد والتقلید، کتاب البدعۃ والرسوم، کتاب العلم، کتاب التفسیر، کتاب متعلق بالحدیث، کتاب السلوک، کتاب السیاسۃ، کتاب الطہارت اور

الاباحۃ اور کتاب الطہارت شامل ہے۔

جلد سوم ۶۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز اور کتاب الزکوٰۃ ان تینوں کتابوں سے متعلق فتاوی آگئے ہیں۔

جلد چہارم ۶۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں کتاب الزکوٰۃ کا بقیہ حصہ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح اور کتاب الطلاق کے مسائل شامل ہیں۔

جلد پنجم ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں ان گیارہ کتابوں کے فتاوی جمع کئے گئے ہیں کتاب الطلاق، کتاب الایمان والنذور، کتاب الوقف، کتاب الحدود والتعزیرات، کتاب الاشربۃ، کتاب القصاص والدیۃ، کتاب الجہاد، کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، کتاب القسمۃ اور کتاب الاکراہ۔

جلد ششم ۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں مندرجہ ذیل کتب کے فتاوی جمع ہیں۔
کتاب البیوع، کتاب الربا، کتاب الرہن، کتاب الاجارۃ، کتاب الشفعہ۔ کتاب الشرکۃ، کتاب المضاربۃ، کتاب الوکالۃ، کتاب الحوالۃ، کتاب الہبۃ، کتاب الغصب، کتاب الودیعۃ، کتاب احیاء الموات، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ، کتاب الوصیۃ اور کتاب الفرائض اس طرح تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ان چھ جلدوں میں ہزاروں سوالات کے عام فہم اسلوب میں جوابات آگئے ہیں۔ ان جوابات کی ترتیب و تحقیق میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہر جواب کا مراجع و مصادر اور فقہ کے معتبر کتابوں سے حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر کتاب میں ذیلی ابواب قائم کئے گئے ہیں اور ہر سوال کیساتھ مسئلہ کا عنوان ذکر کیا گیا ہے ہر جلد کی پشت پر اس جلد میں درج کتابوں کی فہرست بھی لکھ دی گئی ہے۔

۳۔ عصر حاضر کے پیدا کردہ جدید فقہی مسائل کا بھی ایک معتد بہ حصہ اس میں آگیا ہے اس ضمن میں جامعہ حقانیہ کے دارالافتاء سے لکھے گئے جدید مسائل جو ماہنامہ "الحق" میں شائع ہو چکے ہیں مناسبت کو ملحوظ رکھ کر متعلقہ ابواب میں درج کئے گئے ہیں۔

شخصیت نہ ہو سکے جو صلاحیت فی الدین کے زمرے میں آتا ہے، اس منصب کی اسی حساسیت سے خائف ہوکر
اسلاف اہل علم کی اکثریت کسی امر میں فتویٰ صادر کرنے سے کترایا کرتی تھی بلکہ بعض تو فتویٰ دینے سے قطعی
اجتناب کیا کرتے تھے اور سلف صالحین میں منصب افتاء کی ذمہ داری ان اہل علم کو سونپی جاتی تھی جن کے علم
وفضل اور امانت و دیانت پر سب کا پوری طرح اتفاق ہو۔ کیونکہ اسلاف کے یہاں کسی کے منصب افتاء پر فائز
ہونے کے لئے محض صاحب علم ہونے کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ماضی قریب تک ہر دور میں اور ہر علم سے
منصب افتاء کے لئے چند ہستیاں منتخب ہوا کرتی تھیں جو امت کی علمی راہنمائی اور فتویٰ کا ذریعہ ہوتی تھیں (جس
کی ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فتویٰ کے لئے صرف علم، معلومات کے ذخیرہ یا کتب کے مطالعہ پر
مہارت کو ہی قطعی معیار نہیں بنایا جا سکتا ورنہ ہر درجہ علم کا حامل تو تقریباً ہر کوئی ہوتا ہے لہٰذا اسے منصب
افتاء پر فائز ہونا چاہیے تھا لیکن تاریخ میں آج تک ایسا نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس فن کے لئے مخصوص
مہارت درکار ہوتی ہے جس کے لئے اس فن کی رہنمائی اور اس کے عملی نمونہ کا موجود ہونا بھی ضروری
ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ فتاویٰ کے اس میدان میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے ایک بہترین باب کا اضافہ کیا
ہے جسے "فتاویٰ حقانیہ" کا نام دیا گیا ہے۔ "فتاویٰ حقانیہ" دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ سے جاری ہونے
والے ان گرانقدر فتاویٰ پر مشتمل ہے جن میں بیشتر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے خود
نوشتہ ہیں جبکہ بعض دوسرے مفتیان کرام اور اساتذہ کرام کے تحریر کردہ ہیں اس مجموعہ میں ایک اضافی چیز
یہ دیکھنے میں آئی کہ بعض ایسے مضامین و مقالات جو ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکے ہیں وہ بھی شامل کر کے
اس فتاویٰ کا حصہ بنا دیئے گئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کے شروع میں فقہی مباحث پر مشتمل ایک جامع مقدمہ لکھا
گیا ہے جو بجائے خود ایک ضخیم مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقدمہ میں فقہی مباحث کے مقدمات کو حتی الوسعت
احاطہ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ ان تمام مفتیان کرام کا تعارف بھی پیش فرمایا گیا ہے جن کے تحریر کردہ
فتاویٰ اس مجموعہ میں درج ہوئے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ بہترین سرورق مناسب کاغذ اور عمدہ کتابت کا
باعث حسن باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی کا مظہر بھی ہے۔ "فتاویٰ حقانیہ" اپنی تحقیق و تخریج اور سلاست،
روانگی تحریر کے پیش نظر علماء، طلباء، وکلاء اور دینی شغف رکھنے والے عوام الناس سب کیلئے یکساں مفید ہے۔
دعا ہے کہ اسے عوام و خواص کیلئے مفید اور محررین و مرتبین اور جملہ معاونین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ماہنامہ بینات کراچی (جون ۲۰۰۲)

## ماہنامہ الحسن لاہور کا فتاویٰ حقانیہ پر جائزہ تاثرات

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام

نگرانی و اہتمام: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ    ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

زیر تبصرہ "فتاویٰ حقانیہ" ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حضرت اقدس مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہ اور ان کے جانشینان نے دارالعلوم حقانیہ کی علمی، فقہی اور رشد و بصیرت کے سبب تحریر کئے ہیں۔ یہ فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کی مجموعی ضخامت ساڑھے تین ہزار صفحات سے زائد ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی تدوین میں فقہی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان جلدوں کو مختلف مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

دینی عقائد سے لے کر وراثت تک ہر فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی تدوین و ترتیب کا یہ کام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زیر نگرانی انجام دیا گیا ہے۔ ان فتاویٰ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں دور حاضر کے جدید مسائل کو بھی خوب سے حل کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو کسی قسم کا ابہام یا تشنگی باقی نہیں رہتی۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث اکوڑوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ اخلاص، للہیت، زہد اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسلاف اور اکابرین کے علوم کے وہ نہ صرف امین تھے بلکہ حضرت کا شمار ان اکابرین میں ہوتا ہے جن پر عالم اسلام کو بجا طور پر ناز ہے۔ حضرت اقدس علم تفسیر، حدیث اور فنون کے بحر ذخار تو تھے ہی ساتھ ساتھ فقیہانہ بصیرت میں بھی یکتا تھے۔ حضرت والا کے فتاویٰ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فتویٰ دیتے وقت صرف فقہی جزئیات کو ہی مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ حالات حاضرہ پر بھی آپ کی گہری نظر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے فتاویٰ کو افتاء کی دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت کے کمال، تفقہ اور دور اندیشی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ سائل کو اس کا جواب پورا سمجھایا جائے اس لئے جواب لکھتے وقت بات مکمل کر کے بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا۔

۲۔ فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور رد المحتار سے استفادہ فرماتے تھے۔

۳۔ فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان کو بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا خود یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں اس قسم کے مسائل و جزئیات پیش کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے۔ اس لئے اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو اس میں آجائے۔ اس سے آپ کا مقصد امتحان مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مستفتی کا جواب آپ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اس لئے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش کرتا اگر آپ تائید فرماتے تو سائل کو وہ جواب بھیج دیتا۔ لیکن دس دن کی نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد پیدا ہو گیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لئے سنائے بغیر ہی بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیث مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول، حالات اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بدعقیدگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے کسی مسئلہ کو مذاق نہ بنائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

۵۔ ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قلت مہر کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں قلت مہر کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ روایت قلت مہر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعت قبیحہ ہے جب آپ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدین کی وجہ سے قلت مہر کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجے میں کہیں طیش میں آکر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں اس لئے ان الفاظ میں یوں ترمیم کرو: قلت مہر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں جمہور علماء نے اس کو موضوع شمار کیا ہے۔"

فتاویٰ دورِ تابعین میں، مفتیانِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کی اقسام و طبقات، تابعین فقہاء کرام اور ان کے طبقات، مفتی کے شرائط و آداب، مستفتی کی حیثیت کی ایک اہم مسائل اور موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ فن افتاء سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے عموماً اور اس فن کے متخصصین کے لئے خصوصاً اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اگر ایسے ادارے جہاں تخصص فی الفقہ کرایا جاتا ہے وہاں اس مقدمے کو مقدمہ رسم المفتی کے ساتھ ساتھ طلبہ کے نصاب میں داخل کر دیں تو طلبہ کے لئے بہت ہی مفید رہے گا۔ اسی طرح فتاویٰ کی اہمیت و ضرورت اور اس کی تاریخ پر مولانا انوار الحق حقانی کا وہ مقالہ بھی قابل دید اور اہل علم کے لئے موجب استفادہ ہے جو "فتاویٰ حقانیہ" کے مقدمے کا ایک اہم جزو ہے۔ مولانا انوار الحق حضرت الشیخ قدس سرہ کے وہ صاحبزادے ہیں جنہیں حضرت کی خدمت کا سب سے زیادہ موقع ملا ہے۔ سفر و حضر میں اکثر مولانا انوار الحق ہی حضرت اقدس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس تبصرہ نگار کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیث آنکھوں کے آپریشن کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو اس وقت بھی مولانا انوار الحق صاحب ہی آپ کے خادم تھے۔ مولانا انوار الحق صاحب نے مقدمے میں شامل کئے جانے والے مقالے میں فن افتاء کی عظمت کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ یہ اتنا عظیم کام ہے کہ جس کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا ہے یفتیکم فی الکلالۃ۔ مولانا انوار الحق نے اپنے مقدمے میں جن موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے ان میں قضاء و افتاء میں فرق، منصب افتاء کی عظمت، منصب افتاء کے خطرات، اسلامی مملکت میں دار الافتاء کا قیام اور اس کی ضرورت و اہمیت، مسلک احناف میں فتویٰ کی عظمت، جامعہ دار العلوم حقانیہ میں دار الافتاء کا قیام شامل ہیں۔ مولانا انوار الحق مدظلہ جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب مہتمم اور استاذ الحدیث ہیں۔ یہ دونوں مقالے انتہائی محنت اور کوششوں سے درج کئے جانے والے علمی تحفے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی طباعت اور اس کی ترتیب و تقدیم میں ان کا حصہ قابل قدر ہے۔

مؤقر مصنفین اور فتاویٰ حقانیہ کی طباعت و اشاعت پر ہم دین سے ایک گزارش ہے وہ یہ کہ آئندہ طباعت میں اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ کون کون سا فتویٰ کس کس کا ہے؟ تاکہ اس طرح سے حضرت الشیخ کے اپنے فتاویٰ کا علم ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت نے اپنے دست مبارک سے کتنے فتاویٰ صادر فرمائے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن کی تصویب فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند وغیرہ

## فقیہ العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان صاحب مدظلہ

### رئیس دارالافتاء جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی

دارالعلوم دیوبند کے مسلک کے ترجمان ادارے ہندوپاکستان میں بے شمار ہیں حق تعالیٰ ان کو روزافزوں رکھے ان میں بعض مدارس خوردہ دیوبند کا نمونہ اور کامیاب وارث مجسم بن کر شجر طوبیٰ کی طرح ثمرآور اور سایہ دار ہیں ان میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ سرحد بھی ہے جس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ تھے۔ موصوف کی جامع علمی اور عملی بلندیوں کی آئینہ دار حیات جاوداں پر قدردانوں کے مجلدات آچکے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کا بیرون اور اندرون ملک مرکزی اور بین الاقوامی اور اس کا ذرہ ذرہ روح اور ایمان کی حلاوت ولذت عظمت اور حسن پہنچانے کا حامل ہے۔ حال ہی میں دارالعلوم حقانیہ نے نصف صدی سے زیادہ قیمتی اوقات اور گراں قدر لمحات کے دوران میں جن محققین فقہ اور مفتیان نے افتاء کا عظیم منصب نبھایا ہے ان کے گراں قدر فتاویٰ کمال تحقیق احسن ترتیب اور عمدہ زیب طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آچکا ہے۔ یہ ضخیم جلدوں پر اسلامی فقہ کا یہ انسائیکلوپیڈیا اور حنفی فقہ کا یہ ترجمان مسلم اور مسلک دیوبند کے میزان حق ورشد کو منوانے والا یہ فتاویٰ تھوڑے ہی عرصے میں جامہ طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم سے شکر وسپاس اور داد تحقیق لے چکا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے محسن ومخدوم یادگار سلف اور فخر الخلف زعیم ملت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی خصوصی توجہات کا یہ حامل دائرۃ معارف بہت تھوڑے عرصے میں سابقہ فتاویٰ کی فہرست سے نکل کر اپنا مقام پیدا کر چکا ہے۔ مولانا موصوف مدظلہ نے کرم بالائے کرم کرتے ہوئے سب سے پہلے مجھ عاجز اور فقیر کو یہ نسخہ مرحمت فرمایا۔ اور یہ بھی خوشی ہے کہ میرے عزیز مولانا مفتی مختار اللہ حفظہ اللہ مفتی واستاذ شعبہ تخصص فی الفقہ نے اس پر بڑی جانفشانی اور کئی سال محنت صرف کرکے کتاب کی ترتیب، تدوین اور حسن طباعت میں معراج ترقی تک پہنچانے کی جو کوشش فرمائی ہے حق تعالیٰ اس عظیم اور مستند فتاویٰ کو دارالعلوم حقانیہ کیلئے اور پوری امت کیلئے تاقیامت اسلام اور مسلک اسلاف کا ترجمان اور آئینہ دار ذخیرہ کا علم ثابت فرمائے۔

خدا کا شکر وکرم ہے کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی اور تحقیق وتجسس کیا تو فتاویٰ حقانیہ ہر قسم کی غلطیات اور اغلاط سے کافی حد تک محفوظ رہا ہے اللہ تعالیٰ اس مخلص اور مقدس خدمت کو قبول فرمائے اور دارالعلوم حقانیہ کے عزوشرف [illegible] ترقی [illegible] (ماہنامہ الحق)

---

# نقش آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالۃ

بحمد اللہ عزوجل دارالعلوم حقانیہ کے وسیع علمی مقام، مقبولیت، خلوص کی بنا پر یہاں کے دارالافتاء کو بھی ملک و بیرون ملک علمی، تحقیقی اور عوامی حلقوں میں سند، اعتماد اور عوام میں مقبولیت حاصل ہے۔ دارالعلوم سنہ تاسیس ۱۹۴۷ء ہی سے مسلمانوں کو پیش آنے والے علمی، دینی اور دنیاوی مسائل میں دارالعلوم کا دارالافتاء مرجع خلائق رہا۔ دارالعلوم کے بانی و مہتمم اول سیدی و والدی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ خود ان فتاویٰ کو نہایت غور سے دیکھتے، ان میں کمی بیشی کراتے اور بڑے اہتمام سے ان کی تحقیقی جوابات کو رجسٹروں میں نقل اور محفوظ کراتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ فتاویٰ دارالعلوم کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ عرصہ سے علمی حلقوں اور حاملین علم دین کی تمنا اور خود راقم کی شدید خواہش تھی کہ یہ قیمتی خزانہ رجسٹروں سے نکال کر افادہ و استفادہ عامہ کا ذریعہ بنے اور یہ مجموعہ فتاویٰ دنیا میں ایک وسیع اضافہ ثابت ہو مگر دارالعلوم کے مصروف و مسائل، مختلف ظروف و احوال اور ہجوم کار کے گونا گوں متنوع مشاغل میں یہ اس مشکل اور نازک کام کی کڑی نگرانی کر سکے اور اہتمام کر دیتے ہیں اور یہ مطلوبہ شرح و تکمیل نہ ہو سکی مگر بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ عظیم اور وسیع ذخیرہ ترتیب و تدوین، انتخاب و تحقیق، تخریج و ترجیح و تنقیح کے دشوار گزار مراحل سے گزر کر فتاویٰ حقانیہ کی شکل میں طبع ہو رہا ہے جو بلاشبہ وقت کا ایک عظیم قیمتی اضافہ اور کارنامہ ہے جو یقیناً دنیا کے تشنگان علم دین اور طالبانِ حق و صداقت کی راہنمائی کا ذریعہ بنتا رہے گا ان شاء اللہ العزیز۔ یہ سب محض توفیق خداوندی اور فضل ایزدی کا نتیجہ ہے۔

علماء کا مقام وراثت نبوت ہے، ان کی تمام ذمہ داریوں اور فرائض تعلیم و تعلم، تدریس و تصنیف، دعوت و تبلیغ کے لیے بے پناہ صلاحیت و استعداد، اساتذہ فن کی صحبت و تربیت، طلب علم کی راہ میں جانکاہی و جگر سوزی، تقویٰ و تدین، ربط و استناد کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ فریضہ ادا نہیں ہو سکتا مگر ان تمام ذمہ داریوں میں بلحاظ اہمیت سب سے نازک ذمہ داری قضا و افتاء کی ہے جس کی شرائط و صفات اتنی ہی نازک، حساس اور حقیقی ہیں۔ صرف ذکاوت و ذہانت اور وسعت مطالعہ نہیں بلکہ علماء راسخین کا سا صحیح تبحر علمی کتاب و سنت کے وسیع تر قدیم و جدید ذخیروں پر عبور، تغیرات و تبدلات زمانہ سے باخبری اور ہر لحظہ پیدا ہونے والے تمدنی، معاشرتی، سماجی عرفی حالات اور جدید عہد کے پیدا کردہ مسائل اور پیچیدگیوں سے واقفیت، پھر سائل اور مستفتی کے سوال اور مقاصد شریعت

کے نصوص کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت لازمی ہے جسے فقہ کی ایک تعریف میں "فہم غرض المتکلم" سے تعبیر کیا گیا ہے
اور حدیث میں جسے "خیر" کا ایک عظیم سرمایہ قرار دیا گیا ہے۔ من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین (الحدیث)
یہ سارے امور مفتی اور قاضی کے منصب کے تقاضوں کو بہت ہی نازک بنا دیتے ہیں۔ الحمد للہ کہ دارالعلوم کو
روز اول سے حق تعالیٰ نے ان صفات فضل و کمال سے مزین و متصف مدرسین و مفتیان عطا فرمائے ہیں کہ جن کے تبحر و
رسوخ، تقویٰ و تدین پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ اور اس مجموعہ فتاویٰ میں ایسے درجنوں علماء راسخین اور
مفتیان کرام کی محنت اور مجموعی مساعی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ علیین میں علماء ربانیین کی معیت اور زمرہ میں جگہ عطا فرمائے۔
۔۔۔ کتاب کے آغاز میں فقہ و فتاویٰ سے متعلق ضروری مباحث، ماخذ فقہ، ائمہ اربعہ کے مذاہب، فقہ و اجتہاد پر بھی
ایک مقالے میں روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اس سے عام قارئین بھی استفادہ کر سکیں۔ مفتیان کرام کے مختصر حالات بھی دیئے گئے ہیں
عربی عبارات اور حوالوں کی تصحیح، اصل ماخذ کے حوالے، تطبیق ابواب و تبویب کیلئے اضافی عنوانوں کی تعیین، جلد و صفحات
کے اضافہ کی بھی کوشش کی گئی ہے ۔۔۔ ان مفتیان کرام کی اکثریت وہ ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں
تھی، ان کے تحریر کردہ جوابات میں اردو کے محاورہ گو اتنی سلاست اور تذکیر و تانیث کی پاسداری نہیں کی جا سکی
بلکہ فتویٰ کا اصل مقصد چونکہ وہ مسئلہ بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ مضمون نویسی اور لفظی فصاحت و بلاغت کا اظہار،
تاہم حتی الوسع فتاویٰ کے مرتبین اور اکثر جگہ ناچیز نے بھی اردو عبارات کی تصحیح اور غلطیوں کے تدارک کی سعی کی
ہے، اس کے باوجود عبارات کی اصلاح کی جتنی گنجائش ہے اور اگر قارئین اس کی لفظی و معنوی اغلاط اور خامیوں کی
نشاندہی فرما سکیں تو آئندہ اس کا ازالہ ہوتا رہے گا ان شاء اللہ ۔۔۔ یہ فتاویٰ دارالعلوم کے بزرگ اساتذہ و مفتیان
کی علمی کاوشوں کا تو ثمرہ ہے ہی مگر اس پر مستزاد تخصص فی الفقہ والافتاء کے درجنوں تلامذہ و فضلاء ان کے علاوہ اساتذہ
اور مشرفین کی عرق ریزی کا بھی، ترتیب و تحقیق میں کئی رجال کار شامل ہیں جن کا ذکر مقدمات کتاب میں آیا ہے۔ اور
پھر عزیز مکرم مولانا مفتی مختار اللہ حقانی جنہوں نے پچھلے کئی سال اس کی تحقیق پر صرف کئے۔
الغرض کتابت و اشاعت کے مراحل اور تصحیح تک نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط یہ عظیم شاہکار ان تمام
حضرات اور ایک بڑی ٹیم کی مشترکہ محنتوں سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی اس سعی کو قبولیت
سے نوازے اور امت کی تعلیم و ارشاد کا ذریعہ اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

[signature]

خادم العلوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ / ۲۲ جنوری ۲۰۱۱ء

# فہرست مضامین جلد اوّل

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ ، اما بعد:

دنیا بھر میں جتنے بھی علوم رائج ہیں لوگ ان کی تحصیل میں ہمہ وقت مصروف و مشغول رہتے ہیں، اس کے حصول کے لیے جان، مال اور وقت خرچ کرتے ہیں، اس کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیاں، مدارس، سکول اور کالج وغیرہ بنائے جاتے ہیں جن پر حکومت اور عوام کی ایک خطیر رقم صرف ہوتی ہے۔ ان اداروں میں پڑھائے جانے والے علوم کی تین قسمیں ہیں:۔

**(۱) علوم عقلیہ** اس قسم کے علوم صرف عقل سے متعلق ہوتے ہیں نقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کا سارا دارومدار عقل ہی پر ہوتا ہے جیسے علم ریاضی، علم نجوم وغیرہ۔

ان علوم میں بعض محض کذب اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، سچائی کا ان میں شائبہ تک نہیں ہوتا مثلاً سحر، جادو وغیرہ۔ اس لیے ایسے علوم کا حصول شرعاً ناجائز اور حرام ہے جبکہ بعض علوم سچائی پر مبنی ہوتے ہیں مگر ان کے حصول کا کوئی نفع نہیں ہوتا، اس میں صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے، نہ اخروی فائدہ ہوتا ہے اور نہ دنیاوی فائدہ، اور ایسے علوم کا حصول شریعت میں ممنوع ہے البتہ جن علوم کے ساتھ کوئی دینی یا دنیاوی منفعت وابستہ ہو تو ان کا حصول مطلوب ہے۔

**(۲) علوم نقلیہ محضہ** ان علوم کا تعلق محض نقل سے ہوتا ہے، عقل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی، نصوص اور روایات سے وہ علوم ہم تک پہنچے ہیں، جیسے احادیث مبارکہ اور تفاسیر آیات قرآنی۔ ان علوم کے لیے ذہنی کاوش کی نسبت روایت اور حافظہ کی قوت ہی

کافی ہوتی ہے، اس میں غور کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی ان علوم کا حصول دینی فریضہ ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

| | |
|---|---|
| نضّر اللّٰہ امرأً سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمعھا۔ | اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری کوئی بات سنی پھر اس کو محفوظ رکھا اور دوسروں کو اسی طرح سنایا جیسا کہ اس نے سنا تھا۔ |

ان علوم کے ماہرین کو محدثین و مفسرین کہا جاتا ہے۔

(۳) مجموعہ علوم عقلیہ و نقلیہ | ان علوم کا تعلق نہ عقل سے ہوتا ہے اور نہ نقل سے بلکہ دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں ان کو اشرف العلوم کہا جاتا ہے، اس میں علم الفقہ اور علم اصول فقہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان علوم کے حاملین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ (سورۃ التوبۃ) | ہر قوم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے جب ان کی طرف واپس آجائے۔ |

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

| | |
|---|---|
| من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ (الحدیث) | جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ |

ان علوم کے ماہرین کو فقہاء کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام و مسائل کے جاننے اور سیکھنے کے لیے ایسے لوگوں سے پوچھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (سورۃ النحل آیت ۴۳) | پس اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ |

باجماع مفسرین اہل ذکر سے مراد علماء و فقہاء امت ہیں جو دین کے احکام و مسائل کا علم رکھتے ہوں۔ اور جب یہ حضرات مسئلہ کا حل بیان کریں تو ان کی اطاعت شرعاً مطلوب ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ | اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور |

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ (سورۃ النساء ۵۹) | اس کے رسول اور اپنے ارباب اختیار کی اطاعت کرو۔

**فقہ کا لغوی معنی**

فقہ کا لغوی معنی ہے کسی شے کو کھولنا، اس کو واضح کرنا اور کسی چیز کو جاننا، اسی سے فقیہ ہے، فقیہ اس عالم دین کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکام کو کھول دے، اس کو واضح کر دے اور اس کے حقائق کا سراغ لگائے، اسی طرح مسائل کی پیچیدگیاں دور کرے اور انہیں سلجھائے۔ لفظ فقہ اگرچہ مطلق جاننے اور سمجھنے کے معنی میں آتا ہے مگر اب یہ لفظ علم شریعت کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔

**فقہ کی اصطلاحی تعریف**

فقہ کی اصطلاحی تعریف مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عہد اول میں فقہ کا لفظ مفہوم خاص حد تک محدود تھا، جیسا کہ آجکل محض نکاح و طلاق اور بیع و میراث کی تفصیلات جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے، بلکہ اُس وقت راہ آخرت کے علم، آفات نفسانی، اعمال کی خرابیوں کے اسباب اور ان کی وجوہات کو جاننے اور معلوم کرنے، دنیا کو حقیر اور آخرت کو بڑی شے سمجھنے، خوف خدا کا دل پر غالب آنے کا نام فقہ تھا۔ (احیاء العلوم الدین للغزالیؒ ج ۱ ص ۳۲ بیان ما بدل من الفاظ العلوم)

اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے۔

هو معرفة النفس ما لها وما عليها۔ (التوضیح والتلویح ج ۱ ص ۱۰)

اسی طرح بہت جامع تعریف ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے کہ الفقه فهم غرض المتکلم یعنی متکلم کے کلام کے مقصد کو سمجھنا اور اس کی تہہ تک پہنچنا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے فقیہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ فقیہ کسے کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

إنما الفقيه المعرض عن الدنيا، الزاهد في الآخرة، البصير بعيوب نفسه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۴) | بیشک فقیہ وہ شخص ہے جو دنیا سے بیزار اور آخرت کی رغبت رکھتا ہو اور اپنے عیوب پر گہری نگاہ رکھنے والا ہو۔

فقہ کی تعریف علم العقائد، تصوف، آداب معاشرت اور دیگر علوم سب کو شامل ہے۔

**متاخرین کی تعریف**

مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف فنون کے پیدا ہونے کی وجہ سے علم عقائد اور علم تصوف نے الگ الگ علم کی شکل اختیار کر لی تو فقہ کا لفظ

کچھ محدود ہو گیا، اس لیے متاخرین نے اس علم کی مختلف تعریفات کی ہیں مگر مشہور و معروف تعریف جو ہے وہ یہ ہے کہ:

العلم بالأحكام الشرعية الفرعية المكتسب من أدلتها التفصيلية (در المختار مع رد المحتار ج ۱) | فقہ ان فروعی احکامات کے جاننے کا نام ہے جو دلائل تفصیلیہ سے مستنبط ہوں۔

## احکام شرعی کی قسمیں

ابتدائی احکامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعتقادی: جو عقیدہ سے متعلق ہوں، ان احکام کو اصلی بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) عملی: ان احکامات کا تعلق صرف عمل سے ہوتا ہے، ان کو احکام فروعی اور عملی بھی کہا جاتا ہے۔ متاخرین کی تعریف میں الأحكام الشرعية الفرعية کی قید سے اعتقادی احکامات خارج ہو گئے، اس لیے احکام اعتقادی سے بحث علم الکلام میں ہوتی ہے جو کہ ایک مستقل علم ہے۔

## علم فقہ کا حکم

ہر مسلمان پر دینی معلومات کا حصول فرض عین ہے جن کی طرف دین میں احتیاج پایا جاتا ہو بغیر اس کے کوئی شخص شریعت کے مطابق کام نہیں کر سکتا، اور ضرورت سے زیادہ علم حاصل کرنا، تاکہ لوگ محرمات اور شبہات سے بچ جائیں فرض کفایہ ہے۔ اور اس میں تبحر حاصل کرنا اور جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق اور عتاق کا حصول مستحب اور مندوب ہے۔ اس کے علاوہ جن شخص کا جن شعبوں سے تعلق ہے جیسے تجارت ہو یا نوکری، ملازمت تو ان کے مسائل کو حاصل کرنا اور ان کو جاننا بھی ضروری ہے تاکہ محرمات میں ملوث ہونے سے بچ جائے۔

## فقہ کی تدوین

صحابہ کرامؓ کے آخری دور تک اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا اور ہر جگہ اسلام کا بول بالا تھا، لوگ اپنے مسائل کا حل حضرات صحابہ کرامؓ سے پوچھتے تھے، ان میں جو حضرات منصب اجتہاد پر فائز تھے وہ لوگوں کو ان کے مسائل کا حل بتلاتے تھے۔ یہی سلسلہ چلتا رہا، جب صحابہ کرام کا دور ختم ہوا تو اس عظیم منصب کو ان کے اجلہ تلامذہ حضرات تابعین نے سنبھال لیا، اس وقت سات مقامات پر بڑے بڑے دار الافتاء موجود تھے۔ (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) بیت المقدس (۶) مصر (۷) یمن — ان سات مقامات میں مسائل کا حل نکالا جاتا اور لوگ اس پر عمل کرتے تھے۔

مگر ان ساتوں مقامات میں سے کوفہ ایک الگ خصوصیت کا حامل تھا، یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے اجلہ صحابہ کرامؓ کے تلامذہ موجود تھے۔ وہ علم فقہ و حدیث کا مرکز تھا، دین کے

اطراف و اکناف سے لوگ علم فقہ و حدیث کے حصول کے لیے آتے تھے اور یہاں سے اپنی علمی تشنگی دور کر کے اپنے اپنے علاقوں میں اشاعت دین کے لیے واپس چلے جاتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ بھی اسی عظیم درسگاہ کے ایک ممتاز اور ذہین و فہیم طالب علم تھے۔ ۱۲۰ھ کو جب مشہور فقیہ و محدث امام حماد بن ابی سلیمانؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ کے جانشین کے لیے امام ابو حنیفہؒ کا انتخاب کیا گیا اور آپ اس منصب پر فائز ہو کر یہاں کے استاد اور مفتی مقرر ہوئے۔

علامہ خوارزمیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ سے پہلے صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نے علم فقہ کے ابواب و مسائل پر مشتمل کوئی تصنیف نہیں کی تھی۔ ان کو اپنی یادداشت پر اعتماد تھا لیکن امام ابو حنیفہؒ نے متاخرین کے سوءِ حفظ کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے مسائل فقہ کو مدون و مرتب کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا دنیا کی دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا جہاں مختلف قسم کے رواج جڑ پکڑ چکے تھے، مختلف قسم کے فتنے پیدا ہو چکے تھے، وضع حدیث کا فتنہ بھی سر اٹھا چکا تھا اور عالم میں بہت تغیر و تبدل پیدا ہو چکا تھا جس کو روکنا آسان کام نہ تھا۔ اہل علم حضرات رفتہ رفتہ دنیا سے جا رہے تھے اور لوگ زوال کی طرف گامزن تھے۔ انہیں احساس ہوا کہ اگر اس علم کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تو ضائع ہو جائے گا۔ علم و فضل کے جو منار اس وقت حیات ہیں ان کے علم و تجربات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے ورنہ آئندہ اس بارگراں کو اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

**تدوین فقہ کے لیے کمیٹی کا قیام**

اس کام کے لیے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے ہزاروں تلامذہ میں سے چالیس وہ حضرات جو علم و فضل، فہم و فراست، زہد و تقویٰ اور ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے کا انتخاب کیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کے صدر خود امام ابو حنیفہؒ تھے۔ اس کمیٹی میں ہر علم و فن کے ماہرین حضرات شامل تھے اور اپنی علمی مہارت کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، خدا ترسی اور فرض شناسی جیسے صدق و صفا کے ساتھ متصف تھے۔ اس کمیٹی کے جملہ ممبران درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے ہر مسئلہ پر پوری آزادی اور شرح و بسط کے ساتھ بحث ہوتی تھی اور ہر ایک کو اپنی بساط کے مطابق اپنی رائے پر دلائل پیش کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ ان حضرات کے علاوہ بھی دوسرے محدثین اور فقہاء اکثر اوقات ان حدیثی اور فقہی ابحاث کو سنتے تھے اور ان کو بھی

اپنے اپنے علم و صوابدید کے مطابق کہتے اور ہر ایک کو برابر حق دیا جاتا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود پھر بھی اس چالیس رکنی کمیٹی میں دس افراد کا ایک اخص خصوصی پینل قائم تھا جس میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، عافیہ الازدیؒ، قاسم بن معنؒ، اسد بن عمروؒ اور خود امام اعظم ابو حنیفہؒ شامل تھے۔

## طریقہ استدلال

علامہ ابن حجر مکیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے طریقہ استدلال و استنباط کے بارے میں لکھا ہے۔

انه اولاً يأخذ بما في القرآن فان لم يجد فبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن والسنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قولاً لم يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا۔ (الخيرات الحسان ص ٦٩ الفصل الحادي عشر)

چونکہ اولاً آپ قرآن کریم سے استدلال کرتے تھے اگر قرآن میں نہ پاتے تو سنت رسولؐ کو لیتے تھے اور اگر وہاں بھی نہ پاتے تو پھر قول صحابہؓ کو لیتے تھے اور اگر ان میں اختلاف ہوتا تو ان حضرات کے اقوال میں سے جس کا قول قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہوتا اس کو لیتے اور ان کی مخالفت نہ کرتے تھے اور اگر ان میں سے کسی کا بھی قول مروی نہ ہوتا تو تابعین میں سے کسی کے قول کو نہیں لیتے تھے بلکہ خود اجتہاد کرتے جیسا کہ تابعین نے اجتہاد کیا تھا۔

## ضعیف حدیث کی قیاس پر تقدیم

مسائل کے استنباط میں رائے اور قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے تھے اور کبھی رائے و قیاس کو کسی ضعیف حدیث پر بھی مقدم نہیں کیا۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

اصحاب ابی حنیفةؒ مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفةؒ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عنده من القیاس والرأی (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۳)

ابو حنیفہؒ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

## طریقہ تدوین

چونکہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کمیٹی کے ہر ممبر کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنا موقف پیش کرے اور احادیث و آثار الصحابہؓ، اجماع

اور قیاس کی روشنی میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرے۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ میں نے خود ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور ایک دوسرے کے دلائل حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کر سکیں تاکہ بات بالکل واضح اور صاف و شفاف ہو کر سامنے آئے۔ بحث و تمحیص کے بعد جب کسی مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو پھر اس کو لکھنے کا حکم فرماتے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

روى الامام ابو جعفر الشيزماري عن شقيق البلخيؒ انه يقول كان الامام ابو حنيفةؒ من اورع الناس واعبد الناس واكرم الناس واكثرهم احتياطا في الدين وابعدهم عن القول بالرأي في دين الله عز وجل وكان لا يضع مسئلة في العلم حتى يجمع اصحابه عليها ويعقد عليها مجلسا فاذا اتفق اصحابه كلهم على موافقتها للشريعة قال لابي يوسفؒ او غيره ضعها في الباب الفلاني۔

(رد المحتار ج ۱۔ ص ۶۳)

امام ابو جعفر الشیزماریؒ شقیق البلخیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، عبادت گزار، زیادہ کریم النفس اور دین کے بارے میں سب سے زیادہ احتیاط کرنے والے اور دین کے بارے میں ذاتی رائے زیادہ استعمال کرنے میں لوگوں سے کوسوں دور رہتے۔ آپؒ اس وقت تک کسی مسئلہ کو حتمی شکل نہیں دیتے تھے جب تک آپ کے تمام اہل مجلس متفق نہ ہو جاتے اور جب سب کا اتفاق ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ یا کسی اور کو فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں رکھ دو۔

اسی طرح بعض مسائل پر کئی کئی دن بحث ہوا کرتی تھی اس کے بعد کہیں جا کر وہ مسئلہ رجسٹر میں لکھا جاتا تھا۔ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں:-

قال اسد بن عمرو كانوا يختلفون عند ابي حنيفةؒ في جواب المسألة فيأتي هذا بجواب وهذا بجواب ثم يرفعونها اليه ويسئلونه عنها فيأتي بالجواب من كثب اي من قرب وكانوا يقيمون في المسألة ثلاثة ايام ثم يكتبونها في

اسد بن عمرو فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی امام صاحبؒ کے سامنے کسی مسئلہ کے جواب میں اختلاف کرتے، کوئی ایک جواب لاتا تو دوسرا کوئی اور جواب لاتا پھر اس مسئلہ کو امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپؒ سے اس کے بارے میں دریافت کرتے تو آپؒ تحقیقی جواب تحریر فرماتے پھر آخر میں اس کو رجسٹر میں لکھا جاتا۔

السیواسی۔ (مقدمہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹)

اس طرح ایک ایک مسئلہ پر کبھی تین دن بحث و تمحیص ہوتی تھی۔

مگر علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

فكان اذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم وحاورهم وسألهم فيسمع ما عندهم من الاخبار والآثار ويقول ما عنده ويناظرهم شهرا او اكثر حتى يستقر احد الاقوال فيثبته ابو يوسف حتى اثبت الاصول على هذا المنهاج شورى لا انه تفرد بذلك۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۲)

جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام ابوحنیفہؒ اپنی کمیٹی کے تمام ارکان سے مشورہ کرتے ان سے بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیالات کرتے، پہلے ان سے فرماتے کہ ان کے پاس احادیث اور اقوال صحابہؓ کا جو کچھ ذخیرہ ہے وہ پیش کریں پھر اپنا ذخیرہ دلائل سامنے رکھتے، اس کے بعد پھر ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ آخری بات طے پا جاتی اور امام ابو یوسفؒ اسے قلم بند کرتے۔ اسی طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوتے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تنہا کوئی بات کہی ہو۔

احتیاط کا عالم یہ تھا کہ بحث کے دوران اگر کمیٹی کا رکن قاضی عافیہ نہ ہوتے تو آپؒ فرماتے کہ جب تک عافیہ نہ آجائیں اس مسئلہ کو ملتوی کردو، ان کے آنے کے بعد جب دوسرے ممبران سے اتفاق ہوجاتا تو آپؒ فرماتے کہ اب اس کو لکھو۔

**خلاصہ** یہ فقہ حنفی صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ ان چالیس جبال العلم حضرات کی شوریٰ کا مرتب کردہ قانون ہے، امام جب تک کوئی مسئلہ خوب تحقیق و تفتیش کے مراحل طے نہ کرلیتا آپ اس کو رجسٹر میں لکھنے سے منع کردیتے، حتیٰ کہ ایک دن قاضی ابو یوسفؒ سے فرمایا۔

ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمع مني فاني قد ارى الرأي اليوم واتركه غدا وارى الرأي غدا واتركه في غده۔

(مقدمہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۷)

اے یعقوب! جو کچھ مجھ سے سنو اس کو فوراً مت لکھو اس لئے کہ میں کبھی آج کے دن ایک مسئلہ کے بارے میں ایک رائے رکھتا ہوں، دوسرے دن اس کو ترک کرتا ہوں اور کل جو رائے رکھتا ہوں اور پرسوں اس کو چھوڑتا ہوں۔

کسی بھی مسئلہ پر کمیٹی کے ہر ممبر کو اپنی رائے پیش کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی اور وہ خوشی سے اپنی اپنی آراء پیش کرتے تھے اور اس پر خوب جرح و قدح ہوتی تھی، اس کے بعد آخری فیصلہ قبول کیا جاتا۔

امام ابوحنیفہؒ نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا وہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی۔ اس طریقۂ تدوین سے آپ نے باختلاف اقوال بارہ لاکھ یا پانچ لاکھ مسائل استنباط فرمائے۔

علامہ خوارزمیؒ فرماتے ہیں کہ ان پانچ لاکھ مسائل میں اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی معاملات سے متعلق ہیں۔

# فقہ کے ماخذ

جیسا کہ فقہ کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ المستنبط من الادلۃ الشرعیۃ جو ادلہ شرعیہ سے ماخوذ ہو۔ یہاں ادلہ کا کسی قدر ذکر کیا جاتا ہے۔ عموماً تو احکام شرعیہ کے چار دلائل ذکر کیے جاتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں ماخذ میں قرآن و سنت تو بنیادی اصول ہیں اور باقی دو یعنی اجماع و قیاس ان دونوں کے تابع ہیں۔ اس لیے جو اجماع و قیاس قرآن و سنت کے معارض ہو تو وہ ناقابل اعتبار ہے۔ اسی لیے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ان الاحکام تؤخذ من نص او حمل علی نص۔ (اسلامی فقہ کے اصول ص باب دوم)

(ترجمہ) احکام شرعیہ یا تو نص سے اخذ کیے جاتے ہیں یا اس امر سے اخذ کیے جاتے ہیں جو نص پر محمول ہو۔

یہ چاروں دلائل فقہاء امت کے ہاں متفق علیہ ہیں مگر ان کے علاوہ بھی چند ماخذ ہیں جو فقہاء کرام کے ہاں مختلف فیہ ہیں۔ بعض دلائل کو ایک فقیہ و مجتہد ماخذ کا درجہ دیتا ہے مگر دوسرا فقیہ ان کو ماخذ تسلیم نہیں کرتا۔ یہاں ان ماخذ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

**القرآن الحکیم** احکام شرعیہ کا سب سے پہلا اور اصل الاصول ماخذ قرآن کریم ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کو الکتاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ قرآن کریم کا ایک نام ہے۔ اس کے علاوہ اور نام بھی ذکر کیے جاتے ہیں

جن میں مشہور ترین پانچ اسماء ہیں یعنی القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر، التنزیل۔ قرآن کریم میں یہ اسماء جا بجا ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جزئیات اور تفریعات کا ذکر بہت کم ہے۔ اکثر اصول و قواعد اور کلیات کا ذکر ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں لکھا ہے:۔

القرآن على اختصاره جامع ولا يكون جامعا الا والمجموع فيه امور كليات لان الشريعة تمت بتمام نزوله لقوله اليوم اكملت لكم دينكم (الآية) وانت تعلم ان الصلوٰة والزكوٰة والجهاد واشباه ذلك لم يتبين جميع احكامها في القرآن انما بينتها السنة وكذلك العاديات من الانكحة والعقود والقصاص والحدود وغيرها۔
(الموافقات جزء ۳ ص ۳۶۷ المسئلة الخامسة)

قرآن کریم اختصار کے باوجود ایک جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت تب ممکن ہے جب اس میں کلیات ذکر ہوں، اس لیے کہ شریعت مطہرہ کامل اور مکمل ہو چکی ہے اور اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے الیوم اکملت لکم دینکم، (آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا) سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوٰۃ، جہاد اور اس جیسے احکامات کی تفصیلات اور جزئیات مثلاً اوقات صلوٰۃ کا قرآن میں ذکر نہیں کیا ہے البتہ اس کو سنت نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح نکاح، بیع و شراء، قصاص و حدود وغیرہ جیسے معاملات کی جزئیات کا ذکر بھی قرآن میں نہیں بلکہ احادیث نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

علامہ شاطبیؒ ایک اور مقام پر ذرا واضح اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

تعريف القرآن بالاحكام الشرعية اكثره كلي لا جزئي وحيث جاء جزئيا فمأخذه على الكلية (الموافقات ج ۳ ص ۳۶۶)

قرآن میں اکثر شرعی احکامات کلی مذکور ہیں لیکن جہاں بعض حکم کا ذکر جزئی ہوا ہو تو کسی کلی سے اخذ کیا گیا ہوگا۔

قرآن کریم اگرچہ کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں اس لیے کہ یہ ایک بدیہی کلام ہے مگر بعض مصلحتوں کے پیش نظر علماء اصول فقہ نے یوں تعریف کی ہے:۔

هو القرآن المنزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور مصاحف میں منقوش ہوا اور ہم تک تواتر

(رواہ الاثرم وغیرہ) کے ساتھ بلا شبہ کے منقول ہو۔

**قرآن کا کتنا حصہ ماخذ ہے**

قرآن اگرچہ فقہ کا ماخذ ہے مگر خصوصیت سے آیات احکام ماخذ ہیں جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جس کی تعداد کسی نے پانچسو کسی نے سینکڑوں سے متجاوز ذکر کئے ہیں جو کہ فقہ کا ماخذ ہیں اور ایک فقیہ کے لیے اس پر عبور رکھنا ضروری ہے۔

**مہارت کے لیے شرائط**

مگر اس عبور کے لیے چند چیزوں کا علم ضروری ہے

(۱) ناسخ و منسوخ کا علم۔ یعنی اس فقیہ کو یہ معلوم ہو کہ کونسی آیت ناسخ ہے اور کونسی منسوخ۔

(۲) مجمل و مفسر کا علم۔ یعنی فقیہ کو یہ علم حاصل ہو کہ ان آیات میں کونسی آیت مجمل ہے اور کونسی مفسر۔

(۳) خاص و عام کا علم۔ ایک فقیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو یہ خبر ہو کہ کونسی آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے خاص ہے اور کونسی عام ہے۔

(۴) محکم اور متشابہ کا علم۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ ان آیات میں کونسی آیت متشابہ ہے اور کونسی محکم ہے۔

(۵) نوعیت کا علم۔ اور اس کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ان آیات میں جو اوامر کی آیات ہیں ان میں امر کی نوعیت کیا ہے کون سا امر وجوب کا مقتضی ہے اور کون سا فرض، مستحب یا اباحت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جن آیات کا تعلق نواہی سے ہے ان میں کونسی نہی حرام کا تقاضا کرتی ہے اور کونسی کراہت تحریمی یا کراہت تنزیہی کا۔

**سنت**

فقہ کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔ سنت کا لغوی معنی ہے طریقہ اور عادت۔ عربی زبان میں یہ لفظ جب بغیر کسی قید کے استعمال ہو جائے تو عمدہ طریقہ یا سیرت کے معنی میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن في الاسلام سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها۔

جس شخص نے اسلام میں ایک اچھی سنت جاری کی تو اس کیلئے اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے ان کا بھی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس کا وبال اس پر ہوگا

(ابن ماجہ ص۱۸) | اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا بھی۔

اور فقہ کی کتابوں میں سنت کا اطلاق اس عمل پر ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو مگر اصطلاح میں سنت کا اطلاق وسیع پیمانہ پر ہے کہ :

السنة تطلق على قول الرسول صلى الله عليه وسلم وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم۔
(توضیح الافکار ص۱۲۵ باب اقسام السنة)

سنت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

## سنت اور حدیث میں فرق

اس بارے میں علماء امت کے اقوال مختلف ہیں :۔

(۱) فقہاء کرام کے ہاں حدیث خاص ہے اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ پر ہوتا ہے اور سنت عام ہے اس میں قول و فعل اور تقریر وغیرہ سب شامل ہیں۔

(۲) مگر محدثین حضرات کے ہاں حدیث اور سنت دونوں مترادف ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :۔

المراد بالحديث في عرف الشرع ما اضيف الى النبي صلى الله عليه وسلم۔
(نزھة النظر ص۲)

حدیث سے مراد شرع کی رو سے وہ شے ہے جس کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔

اب جس طرح اقوال کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے تو افعال و تقریرات اور صفات کی نسبت بھی ہوتی ہے۔ اس لیے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال، تقریرات و صفات چاہے عالم بیداری میں ہوں یا عالم خواب میں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ حرکات و سکنات حدیث کہلاتی ہیں، سنت و حدیث باہمی مترادف ہیں"

(۳) جبکہ بعض حضرات کی ایک تیسری رائے بھی ہے ان کے ہاں سنت خاص ہے اس کا اطلاق صرف اعمال پر ہوتا ہے۔ اور حدیث عام ہے جس کا اطلاق تمام امور پر ہوتا ہے۔

## سنت کی حجیت

علامہ تقی امینیؒ نے سنت کی عجیب تشریح کی ہے کہ قرآن حکیم نقشۂ تعمیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس نقشۂ تعمیر کے مطابق

تیار کی ہوئی عمارت ہے۔ مختصر کتاب اللہ کے ساتھ اس کی تفسیر رسول بھیجنے کے اصول پر اسی وقت سے برابر عمل ہو رہا ہے جب سے ہدایت الٰہی کے سلسلہ کی ابتدا ہوئی ہے۔ اسی بنا پر حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے عمارت کی تعمیر میں تغیر کی بنا اصولی ہدایات کو قطعاً نظر انداز کرنے سے اصل نقشہ کی مطابقت نہیں ہو سکتی۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص۲۹)

تو جس طرح قرآن کریم کا ماننا اور اس کو حجت تسلیم کرنا ضروری ہے اسی طرح سنت کو حجت ماننا بھی اشد ضروری ہے ورنہ اصل قرآن پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن کریم کلیات سے بحث کرتا ہے۔ اس کی جزئیات اور تشریح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے۔ قرآن کریم خود اس کی حجیت کا داعی ہے مثلاً (۱)

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝
(سورۃ النجم آیت ۱ تا ۴)

قسم ہے ستاروں کی جب وہ غروب ہو جائیں تمہارے ساتھ رہنے والے رسول نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر چلے اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد خالص وحی ہے۔

چاہے وہ وحی متلو (قرآن) ہو یا غیر متلو (سنت) دونوں کی وحی منزل من اللہ ہوتی ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔ (سورۃ المائدہ آیت ـــ)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ پر پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے۔

اس آیت میں لفظ مَا عام ہے، اس میں وحی متلو اور غیر متلو دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال و افعال اور تقریرات سے قرآن کریم کی جو بھی تبلیغ و تشریح کریں گے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہوگی۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:۔

ليس في السنة الا واصله في القرآن انما هي تبيين له وتفصيل۔
(الموافقات ج۴ ص۱۲ المسئلۃ الثالثۃ)

سنت میں کوئی بھی ایسا عمل نہیں جس کی اصل قرآن میں نہ ہو بلکہ سنت قرآن کی وضاحت اور اس کی تفصیل ہے۔

اس کی حیثیت تفسیر و شرح جیسی ہے اور شارح یا مفسر تو متن کے مراد کی وضاحت کرتا ہے اس کے خلاف نہیں کرتا۔ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ:۔

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح

سنت قرآن کریم کے احکام کی تفسیر اور اس کی

أحكام الكتاب۔ (الموافقات جزء ۴ ص ۱۰ المسئلة الثالثة) | شریعت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب تشریح و تفسیر عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(سورۃ النحل آیت ۴۴)

ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل فرمایا تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں پر وہ چیز (قرآن) جو اُن کی طرف بھیجی گئی ہے اور اس لیے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فلا تجد في السنة أمرا إلا والقرآن قد دل على معناه دلالة إجمالية أو تفصيلية۔

(الموافقات جزء ۴ ص ۱۲ المسئلة الثالثة)

تم سنت میں کوئی ایسا امر نہیں پاؤ گے جس پر قرآن کریم میں کوئی دلالت اجمالی و تفصیلی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

(سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں اصحاب امر ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز (معاملہ) میں نزاع پیدا ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

علامہ شاطبی "الموافقات" میں لکھتے ہیں۔

الرد إلى الله هو الرد إلى الكتاب والرد إلى الرسول هو الرد إلى سنته۔

(الموافقات جزء ۴ ص ۱۳ المسئلة الثالثة)

اللہ کی طرف رجوع کرنا دراصل کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع کرنا دراصل ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی اور بھی بے شمار آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح قرآن حجت ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حجت ہے۔ اور اس موضوع پر علماء امت کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔

## الاجماع

تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے عزم اور اتفاق کرنا۔ فقہائے امت نے اجماع کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ علامہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:۔

اتفاق مجتہدی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ فی عصر من الاعصار علی امر من الامور۔ (ارشاد الفحول ص۷۱)
(التیسیر ج۳ ص۲۲۴)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کرنا۔

امام غزالیؒ نے یہ تعریف کی ہے:۔

اتفاق امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ علی امر من الامور الدینیۃ۔
(المستصفی ج۱ ص۱۷۳)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی معاملات میں سے کسی معاملہ پر متفق ہونا۔

مگر علامہ آمدیؒ نے اس تعریف پر مختلف وجوہات سے اعتراض کیا ہے:۔

(۱) اس تعریف میں اتفاق سے امت محمدیہ کے الفاظ ہیں جو قیامت تک آنے والوں کو شامل ہیں جس میں اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امت کا کس بات پر اتفاق ہو چکا ہے۔

(۲) اگر بالفرض امت سے کوئی عہد مراد ہے تو ممکن ہے کسی زمانے میں امت کے اندر ارباب حل وعقد نہ ہوں اور لازماً عوام الناس کے کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کو اجماع کیا جائے تو شرعاً یہ صحیح نہیں۔

(۳) تعریف میں من الامور الدینیۃ کی قید سے عقلی اور معاشرتی مسائل پر اجماع خارج ہو جائے گا جو عقلاً بھی صحیح نہیں۔

علامہ آمدیؒ نے امام غزالیؒ کی تعریف پر اعتراض کے بعد اجماع کی یہ تعریف کی ہے:۔

الاجماع عبارۃ عن اتفاق جملۃ اہل الحل والعقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصر من الاعصار علی حکم واقعۃ من الوقائع۔
(الاحکام فی اصول الاحکام ج۱ ص۲۸۱)

اجماع اس اتفاق سے عبارت ہے جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارباب حل وعقد کا کسی زمانے میں کسی واقعہ پر ہو جائے۔

اور اسی قسم کی تعریف قاضی بیضاویؒ نے بھی کی ہے۔ اور اسی طرح کی تعریف کرتے ہوئے

ملا محمد یعقوب البنانیؒ لکھتے ہیں :-

الاتفاق المجتهدين من امة محمد صلى الله عليه وسلم في كل عصر على امر من الامور (مسوی حاشیہ حسامی ص ۸۷ باب الاجماع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملہ پر متفق ہونا۔

اجماع کی ان جملہ تعریفات سے معلوم ہوا کہ اجماع کسی زمانے یا کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر دور کے اہل اجتہاد کسی مسئلہ پر اتفاق کر سکتے ہیں اور ان کا یہ اتفاق مقبول ہوگا۔ ہمارے ہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہل اجتہاد و صاحب عدالت حضرات کا اجماع معتبر اور حجت شرعی ہے۔ ملا محمد یعقوب البنانیؒ لکھتے ہیں :-

والصحيح عندنا ان اجماع كل عصر من اهل العدالة والاجتهاد حجة۔ (مسوی حاشیہ حسامی ص ۸۷ باب الاجماع)

ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہل عدالت و اجتہاد کا اجماع حجت ہے۔

## اجماع کن کا معتبر ہے

یہ مسئلہ بھی علماء امت کے ہاں مختلف فیہ ہے کہ اجماع کن حضرات کا معتبر ہوگا؟ تو اہل ظواہر کہتا ہے کہ اجماع کے لیے صرف صحابہ کرامؓ متعین ہیں ان کے اجماع کا اعتبار ہوگا۔ زیدیہ اور امامیہ کے نزدیک صرف اہل بیت متعین ہیں اور امام مالکؒ کے ہاں صرف اہل مدینہ کے اجماع کا اعتبار ہوگا۔

## اجماع کی حجیت

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور آپ کا لایا ہوا دین قیامت تک کے لیے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مسائل کا حل وحی الٰہی سے کرتے تھے لیکن آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وحی کا سلسلہ قیامت تک بند ہو گیا اور قیامت تک امت محمدیہ کے لیے نئے نئے مسائل پیش آتے رہیں گے جن کا کوئی نہ کوئی حل لازمی ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ بتلایا کہ ہر زمانے کے مجتہد علماء اہل اجتہاد نئے پیش آنے والے مسائل پر غور و فکر کریں اور ان کا حل تلاش کریں۔ قرآن کریم نے اسی حجیت کا کئی مرتبہ ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ اس پر کھل چکی بات اور سب مسلمانوں کے رستہ کے علاوہ پر چلے تو حوالہ کر دیں گے ہم اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو جہنم میں

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۔

(سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور وہ بہت بری جگہ ہے ۔

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۔

(سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اصحاب الرائے ہیں ۔

(۳) وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳)

اسی طرح ہم نے بنایا تم کو بہترین اُمت تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو ۔

علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ آیت بالا سے اجماع اُمت کی حجیت کے لیے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

(۱) في هذه الآية دلالة على صحة إجماع الأمة من وجهين أحدهما وصفه إياها بالعدالة وأنها خيار وذلك يقتضي تصديقها والحكم بصحة قولها ونافٍ لإجماعها على الضلال والوجه الآخر قوله لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ بِمَعْنَى الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ ۔

(احکام القرآن للجصاص جزء ۱ سورۃ البقرۃ)

یہ آیت اجماع امت کی صحت پر دو وجوہ سے دلالت کرتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے اس امت کو صفت عدالت کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ کہ یہ بہترین امت ہے اور یہی صفت ان کی تصدیق کی متقضی ہے اور اس کے قول پر صحت کا تقاضا کرتی ہے اور ان کے اجماع بر گمراہی کے لیے منافی ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کہ تم لوگوں پر حجت ہو ۔

علامہ رازیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ ۔

فدل على أن الإجماع في أي حال حصل من الأمة فهو حجة الله عز وجل غير سائغ لأحد تركه ولا الخروج عنه ومن حيث دلت هذه على صحة الصدر الأول فهي دالة على

پس یہ آیت اس بات پر دال ہے کہ بیشک جو اجماع کسی بھی حال میں اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منعقد ہو جائے تو وہ حجت شرعیہ ہے کوئی بھی اس کو ترک نہیں کر سکتا اور نہ اس سے نکل سکتا ہے جس طرح یہ آیت قرون اولیٰ کے اجماع کی

صحۃ اجماع اهل الاعصار۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷ سورۃ البقرۃ) | حجت پر دال ہے یعنی ہر دور کے اجماع پر بھی دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

"یہ اجماع امت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنا دیا، تو ثابت ہوا کہ اس امت کا کسی مسئلہ پر اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے اسی طرح کہ صحابہؓ کا اجماع تابعین پر، تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے۔" (معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۷۳)

(۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳) | اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت کرو (آپس میں پھوٹ نہ ڈالو)

امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے اجماعی فیصلوں کی مخالفت کرنا ان میں پھوٹ ڈالنے کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع ہے، تو گویا ان کا اجماعی فیصلہ ایک حجت شرعی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مخالفت کو ممنوع قرار دیا۔

## احادیث سے حجیت اجماع

اجماع امت کی حجیت کے بارے میں اتنی روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ وہ تواتر قدر مشترک کی حد تک پہنچی ہیں یہاں ان میں سے چند ایک کو درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ اور مسئلہ پیش آ جائے جس کے بارے میں قرآن کریم اور سنت رسول میں کوئی وضاحت نہ ہو تو پھر ہم اس کے حل کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شاوروا فیه الفقهاء العابدین۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۸۳۴) | کہ تم اس معاملہ میں متقی اور پرہیزگار فقہاء کرام سے مشورہ کرو۔

یہ روایت وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ فقہاء عابدین کی رائے اور ان کا

## اجماع کرنے والوں کے شرائط و اوصاف

چونکہ اجماع ہر ایک کا معتبر نہیں بلکہ اس کے لیے وہ لوگ درکار ہیں جو اہل حل و عقد ہوں مگر ان میں بھی ایسے اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے کہ وہ اہل حل و عقد کہلانے کے مستحق ٹھہرائے جا سکیں اور لوگ ان کے فیصلہ پر عمل کر سکیں اور وہ بطور سند حق بجانب ہوں۔ اجماع کرنے والوں میں مندرجہ ذیل شرائط و اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:-

(۱) قرآن کریم میں پوری مہارت رکھتا ہو صرف ترجمہ جان لینا کافی نہیں۔

(۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روایتاً و درایتاً پورا عبور رکھتا ہو۔

(۳) صحابہ کرام کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماعی فیصلوں کا علم رکھتا ہو۔

(۴) قیاس و اجتہاد کے ذریعے نصوص، مسائل کے استنباط کے اصول و قواعد کا علم رکھتا ہو۔

(۵) زمانے کے حالات، تقاضوں، قوم کی عادات و اطوار، ان کے رسم و رواج، مذاق کے مزاج سے واقفیت رکھتا ہو۔

(۶) اجماع میں ایسے لوگ ہوں جو جدید رجحانات اور ان کے تقاضوں کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھتے ہوں تاکہ وہ پیش آمدہ معاملات پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کر کے اپنی رائے دے سکیں۔

اس لیے کہ کسی فنی مسئلہ کے لیے اس فن کے ماہرین کا ہونا ضروری ہے۔

الاجماع المعتبر في فنون العلم هو اجماع اهل ذلك الفن العارفين به دون من غيرهم فالمعتبر في الاجماع في المسائل الفقهية قول جميع الفقهاء وفي المسائل الاصولية قول جميع الاصوليين وفي المسائل النحوية قول جميع النحويين ومن اهل ذلك الفن هو في حكم العوام۔

فنون علم کے لیے ان لوگوں کا اجماع معتبر ہے جو اس فن کے ماہر ہوں، ان کے علاوہ کسی دوسرے کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے فقہی مسائل میں جمیع فقہاء کا قول معتبر ہوگا، اصولی مسائل میں جمیع اصولیین کے قول کا اعتبار ہوگا، نحو کے مسائل میں تمام نحویین کا قول معتبر ہوگا، ان کے علاوہ لوگ عوام الناس کے درجے میں ہیں۔

(حصول المامول من علم الاصول بحوالہ تعارف اسلامی کا تاریخی پس منظر صفحہ ۱۱۵)

(۷) عمل اعتبار سے اجماع کرنے والے بلند اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں اوامر پر عمل کریں اور نواہی سے بچتے ہوں، فسق و فجور، بدعات اور دیگر بری عادات سے پاک و صاف ہوں، متقی اور پرہیزگار ہوں، اس کے ساتھ ساتھ غیر محتاط نہ ہوں البتہ خفیہ فسق مانع اجماع نہیں۔

اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ۔

ان کان معلنا بفسقه فلا یعتبر بقوله فی الاجماع وان کان غیر مظهر له یعتبر بقوله فی الاجماع (التقریر والتحبیر ج ۳ ماخوذ از فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۱۱)

جو شخص اعلانیہ فاسق ہو اجماع میں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور جو شخص ظاہراً فاسق نہ ہو اجماع میں اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

## اجماع کی اقسام

عموماً اجماع کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ۱۔ اجماع قولی ۲۔ اجماع عملی ۳۔ اجماع سکوتی۔

(۱) اجماع قولی: اجتہاد کے اہل حضرات کسی دینی مسئلہ پر زبانی طور سے اتفاق ظاہر کریں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرامؓ نے زبانی طور پر اقرار کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) اجماع عملی: اہل اجتہاد لوگ کسی دینی مسئلہ پر اتفاق کا اظہار زبانی طور پر تو نہ کریں مگر عملاً اپنے اتفاق کو ظاہر کریں کہ اس مسئلہ پر بحیثیت مستحب یا جائز کے درجہ میں عمل کریں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اجماع کی اس قسم سے وجوب ثابت نہیں ہوتا البتہ اباحت یا استحباب کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسے ظہر سے قبل چار رکعت سنتوں کے سنت مؤکدہ ہونے پر صحابہؓ کا عملی اجماع ہے، حضرت ابو عبیدہ السلمانیؒ فرماتے ہیں:

ما اجتمع اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی شیء کاجتماعهم علی محافظة الاربع قبل الظهر والاسفار بالفجر وتحریم نکاح الاخت فی عدة الاخت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی شے پر اس طرح جمع نہیں ہوئے جس طرح ان کا اجماع ہوا ہے ظہر سے قبل کی چار رکعت سنتوں پر، فجر کو خوب روشن کر کے پڑھنے پر اور بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کر لینے پر۔

(۳) اجماع سکوتی۔ بعض مجتہدین ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی مسئلہ پر اتفاق کریں اور وہ بات انتہائی شہرت پا جائے کہ اس زمانے کے ہر مجتہد کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ خوب غور و فکر کے بعد اس پر بغیر رد کئے کا اعتبار کرتے ہوئے سکوت اختیار کر جائے اور اس فیصلے کے ساتھ اختلاف نہ کرے۔

**حکم** | اول و دوم قسم کے اجماع کا حجت ہونا متفق علیہ ہے البتہ تیسری قسم کے اجماع یا اجماع سکوتی کی حجیت مختلف فیہ ہے اکثر حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ اس کو حجت قطعی مانتے ہیں جبکہ اکثر مالکیہ و شافعیہ حتی کہ خود امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس اجماع کو حجت نہیں مانتے۔ اور بعض فقہاء کے ہاں یہ حجت ظنی ہے قطعی نہیں۔

**اجماع سکوتی کے ثبوت کے لیے شرائط** | اجماع سکوتی کے ثبوت اور اس کو اعتبار دینے کے لیے چند شرائط ہیں:۔

(۱) سکوت اختیار کرنے والوں کی طرف سے دلالۃً، اشارۃً یا صراحۃً کوئی ایسا قول مروی نہ ہو جس سے ان کی مخالفت یا موافقت کا پتہ چلتا ہو۔

(۲) مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لیے کافی وقت موجود ہو مگر اس کے باوجود انہوں نے سکوت کیا ہو۔

(۳) مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہو۔

(۴) سکوت کرنے والے مجتہدین علماء ہوں۔

(۵) وہ مجتہد اس قول و فعل کو اتنا واضح کرے کہ وہ کسی پر مخفی نہ رہے اور ہر ایک کو اس کی خبر ہو۔

ان شرائط کی موجودگی میں اجماع سکوتی معتبر ہے ورنہ نہیں۔

**اجماع کا حکم** | جب کسی مسئلہ پر علماء امت متفق ہو جائیں تو اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اس لیے کہ اب وہ مسئلہ قطعی الثبوت بن گیا ہے۔

اجماع حکم شرعی کو ثابت کرتا ہے، قیاس کی طرح مظہر نہیں۔ تعیین جیسے کسی پر اثبات وصف حکم کا ہوتا ہے ذاتِ حکم ثابت نہیں کرتا اس کے لیے صرف قرآن وسنت کافی ہے بنا بریں اسی وجہ بعض علماء اصول نے اجماع کو بھی قیاس کی طرح مظہر حکم کہا ہے۔

**وضاحت** | اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عام کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ

## قیاس کی ضرورت

بعض لوگ جو قیاس کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ قرآن و سنت ہمارے لیے کافی ہے ان دونوں میں سب کچھ ہے ، جبکہ قیاس کا عمل سب سے پہلے شیطان نے کیا تھا اور شیطانی عمل ممنوع ہوتا ہے مشروع نہیں لہٰذا قیاس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس سے کام لینا ممنوع ہے ۔

اس کے برعکس اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے اور رہے گی ۔ قرآن و سنت اگرچہ بنیادی ماخذ ہیں مگر قیاس سے ثابت شدہ مسئلہ بھی اصلاً قرآن و سنت کے مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے کوئی نیا حکم نہیں گھڑا جاتا ۔ قیاس کی ضرورت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں کلیات بیان کیے گئے ہیں جزئیات کم ہیں اور وہ کلیات اپنے ظاہر مفہوم سے محدود ہیں ، بلکہ ہر زمانے کے حالات کے نئے تقاضے ہوتے ہیں ، ان میں تغیر و تبدیل ہوتا رہتا ہے ، نئی نئی ایجادات و اکتشافات اور سائنسی ترقیات سامنے آتے ہیں جو قدیم زمانے میں نہ تھے ان کی وجہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حل کرنا لازم امر ہے ۔

تو ان کلیات اور اصول میں غور و فکر کرکے اس کے مفہوم کو سمجھے اور ان کی علت سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد فرع یعنی نئے مسائل میں علت کی مشابہت کی وجہ سے حکم ثابت کیا جاتا ہے ، بغیر اس طریقہ کار کے کوئی دوسرا طریقہ ان جدید مسائل کو حل کرنے کا نہیں ہے ورنہ ہر ایک ان مسائل میں اپنے ذہنی رجحان کا رنگ بھر دے گا اور یوں شریعت اسلامی کا ستیاناس ہو جائے گا ۔

جہاں تک سب سے پہلے شیطان کے قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ بھی بے بنیاد ہے ، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرات ملائکہ سے تخلیق آدم کے بارے میں مشورہ لیا تھا ، چونکہ انسان سے قبل اس کرۂ ارضی پر صرف جنات کا وجود تھا جو فتنہ پرور اور مفسد پرور تھے ، اسی بناء پر ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر قیاس کرتے ہوئے عدم تخلیق کا مشورہ دیا ، گویا سب سے پہلے قیاس کرنے والے ملائکہ ہیں ۔ علاوہ اس کے امت کے معتمد علماء میں کوئی (الا ماشاء اللہ) ایسا نہیں جو اس نظریے کا قائل ہو ۔

تو قیاس کا ہر دور اور زمانہ میں بہت اہمیت اور ضرورت رہی ہے اور رہے گی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو کرتے ہیں ان کا انکار محض تعصب کی وجہ سے ہے ۔

## قیاس کا ثبوت شرعی

قیاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کو بے بنیاد اور خود ساختہ قرار دیا جائے قرآن و سنت میں اس کی اساس موجود ہے آیات مبارکہ کی

کثیر تعداد اور قولی، فعلی اور تقریری روایات ملیں گی کہ اس کی مشروعیت پر دال ہیں اور ان سے وضاحت کے ساتھ اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ (سورۃ الحشر ع۱)

اے آنکھوں والو! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور فقہاء کرام نے اعتبار کا معنیٰ یوں کیا ہے:۔

رد الشیٔ الی نظیرہ ای الحکم علی الشیٔ بما هو ثابت لنظیرہ (توضیح وتلویح ج۲ ص۱۱۸ باب القیاس)

کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی اس شے پر وہ حکم لگانا جو اس کی نظیر میں ثابت ہے (اور اسی کا نام قیاس ہے)

(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔
(سورۃ النساء، آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی (حاکموں کی) اطاعت کرو پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

اس آیت میں جب غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چاروں ادلہ شرعی کا ذکر ہے، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ تک کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کا ثبوت ہے، اور فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ والے جملے سے قیاس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو۔ البتہ امراء کی اطاعت اللہ اور رسول کے موافق ہونے پر موقوف ہے اور امراء کو حکم دیا گیا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ یعنی اگر کسی حکم میں تمہارا باہمی نزاع پیدا ہو جائے جس کے بارے میں قرآن و سنت کا صریح حکم نہ ہو تو ایسے امر میں حکم ثابت کرنے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اس رجوع کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے صریح حکم پر قیاس کرکے اس غیر منصوص امر میں حکم کو ثابت کرو۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔ | بیشک ہم نے آپ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف حق کے ساتھ کتاب کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے مابین اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے کے مطابق فیصلہ کریں۔ |
| (سورۃ النساء آیت ۱۰۵) | |

قیاس کی شرعی حجیت کے لیے علامہ ابن رشد قرطبیؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بِمَا أَرَاكَ سے مراد استنباط اور قیاس سے حاصل ہونے والے نتائج ہیں۔

(بحوالہ اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۵)

## قیاس کی حجیت کا احادیث سے ثبوت

قیاس کی حجیت کے لیے احادیث مبارکہ میں کافی ذخیرہ موجود ہے جس میں مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے اس ذخیرہ میں احادیث قولیہ، فعلیہ اور تقریریہ تینوں پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت زیادہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا والی مقرر کیا تو الوداع کہتے وقت آپؐ نے پوچھا۔

| | |
|---|---|
| بم تقضي يا معاذ؟ قال بكتاب الله قال فان لم تجد في كتاب الله؟ قال فبسنة رسوله، قال فلم تجد فيهما؟ قال اجتهد برأيي فقال الحمد لله الذي وفق رسول رسوله بما يرضى۔ | اے معاذؓ! جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ اور مقدمہ پیش ہو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟ تو آپ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اگر تم اس معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ساتھ۔ آپؐ نے فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملہ کا حل نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے رسولؐ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے۔ |
| (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۹ باب اجتہاد الرای فی القضاء) | |

(۲) اسی طرح ابن ماجہ میں بھی ایک روایت یوں مذکور ہے۔

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران فان اخطأ فله اجر واحد۔

(ابن ماجہ ص۱۶۸ ابواب الاحکام)

جب کوئی حاکم کسی معاملہ میں حکم کے لیے اجتہاد کرے اور اس اجتہاد میں وہ صحیح ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر وہ غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس کئی مسائل کو دوسرے منصوص مسائل پر قیاس کر کے ان غیر منصوص مسائل کا حل فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ بہت کمزور ہے اس میں نہ تو سواری پر بیٹھنے کی طاقت ہے اور نہ وہ حج کے لیے سفر کرنے کے قابل ہے تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كان على ابيك دين اكنت قاضيه قالت نعم قال فدين الله احق ان تقضيه۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص )

اگر تمہارے باپ پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتی؟ اس نے عرض کیا ہاں ضرور ادا کرتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے دین (قرض) کو ادا کرو۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کو عام قرض پر قیاس کر کے جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ قیاس حجت شرعی ہے۔

## صحابہ کرامؓ سے قیاس کا ثبوت

علماء امت نے لکھا ہے کہ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ چنانچہ صاحب کشف الاسرار علامہ فرماتے ہیں۔

ان صحة الاحتجاج بالقياس باجماع الصحابة فانا علمنا من تتبع احوالهم في مجاري اجتهادهم انهم كانوا يقيسون الفرع

بیشک قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات میں تتبع کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرع کو اصل پر قیاس کرتے

علی الاصل (کشف الاسرار ص ) | ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب کلالہ کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا :-

| | |
|---|---|
| اقول فیہا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطاء فمنی ومن الشیطان۔ (منہاج الاصول۔ الکتاب الرابع القیاس) | میں اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ |

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دادا کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا :

| | |
|---|---|
| اقضی فیہ برائی۔ (منہاج الاصول، الکتاب الرابع القیاس) | میں اس معاملہ کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ |

(۳) جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اس عورت کا معاملہ پیش آیا جس کو طلاق کا اختیار دیا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا :-

"میں اس بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہ ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔"

(۴) خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کرتے وقت ایک شاہی فرمان میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمایا تھا :-

| | |
|---|---|
| اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برأیک۔ (منہاج الاصول، الکتاب الرابع القیاس) | آپ نے مسائل کے نظائر اور اشباہ کی معرفت حاصل کرو اور ان میں اپنی رائے سے قیاس کر کے فیصلہ کرو۔ |

مندرجہ بالا آیات، احادیث اور اعمال و اقوال صحابہؓ قیاس کے دلیل شرعی ہونے پر دال ہیں اور اس سے بخوبی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ قیاس حجت شرعی ہے اور اس سے احکام مستنبط ہو سکتے ہیں۔

## قیاس کے ارکان

قیاس کے چار ارکان ہیں :-

(۱) اصل (۲) حکم (۳) فرع (۴) علت مشترکہ

(۱) اصل: وہ مسئلہ ہے جس کا حکم منصوص ہو اور نئے مسائل میں حکم کے اثبات کے لیے اس کی طرف احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۲) حکم: وہ امر جو دلیل کی وجہ سے کسی معاملہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہو جیسے حرمت، حلت، کراہت وغیرہ۔

(۳) فرع: وہ نیا مسئلہ جس میں حکم منصوص نہ ہو بلکہ اس میں حکم کے اثبات کے لیے اصل کا احتیاج پایا جاتا ہو۔

(۴) علت مشترکہ: وہ مشترک وصف جو اصل اور فرع میں پایا جاتا ہو اور اصل میں حکم کے لیے شارع علیہ السلام نے مؤثر قرار دیا ہو۔

**قیاس کا اصل مدار**

قیاس کے لیے تین چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے:۔ (۱) اصل جسے مقیس علیہ کہا جاتا ہے (۲) فرع: وہ نیا مسئلہ جس کا حل مطلوب ہو جسے مقیس کہتے ہیں (۳) علت: وہ شے مشترک جو دونوں میں پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے فرع میں اصل کا حکم جاری کیا جاتا ہو گویا قیاس کے اندر سارا دارومدار علت ہی پر ہوتا ہے۔

**علت کے ماخذ**

کسی اصل میں حکم کے لیے علت کی پہچان یا تو قرآن کریم سے ہوگی کہ قرآن نے اس کو علت ٹھہرانے کے لیے تصریح یا اشارہ کیا ہو یا سنت نے اس کا بالفاظ صریح یا بالفاظ کنایہ علت کا ذکر کیا ہو۔ اگر ان دونوں میں اس کا کوئی پتہ نہ ہو تو علت کا تعین اجماع امت سے ہوگا اور اگر اس سے بھی معلومات نہ ہوں تو پھر مجتہد اس حکم کی علت معلوم کرنے کے لیے غور و فکر کرے گا تاکہ اجتہاد اور استنباط سے علت حکم کا پتہ لگایا جا سکے گویا کہ یہ چار طریقے علت کے ماخذ شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ ہی مقیس علیہ میں علت حکم تلاش کیا جائے گا۔

**الاستحسان**

قیاس کی دو قسمیں ہیں (۱) قیاس جلی (۲) قیاس خفی قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان کہلاتا ہے۔

**استحسان کی تعریف**

استحسان حسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اچھا سمجھنا' اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن الکرخی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| (۱) الاستحسان هو ان يعدل المجتهد عن ان يحكم المسئلة بمثل ما حكم به فى نظائرها لوجه اقوى يقتضى العدول عن الاول۔ (الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید للشیخ زرقاء ص ۲۰۶) | استحسان یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ پر اس کے نظائر والے حکم سے قوی دلیل کی بناء پر عدول کرتا ہو۔ وہ دلیل حکم اول سے انحراف کا متقاضی ہو۔ |
| (۲) قطع المسئلة عن نظائرها بما هو اقوى۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۴۲) | کسی مسئلہ کے حکم کو قوی وجہ کی بناء پر اس کے نظائر سے الگ کرنا۔ |
| (۳) العدول عن قیاس الی قیاس اقوی العدول فی مسئلة عن مثل ما حکم به فی نظائرها الی خلافه بوجه هو اقوی۔ (مصباح اصول الاستحسان) | ایک قیاس چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی قیاس اختیار کرنا۔ مسئلہ کے نظائر میں جو حکم موجود ہے کسی قوی وجہ کی بناء پر اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف حکم لگانا۔ |

## استحسان اور فقہاء اسلام

احناف، مالکیہ اور حنابلہ اس کو دلیل شرعی کے طور پر مانتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استحسان کا قول اختیار کرے استحسان درحقیقت لذت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔"

(الرسالة ص ۲۹۲، ۲۰۵ باب استحسان کا بیان)

(مصباح الاصول) میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

| | |
|---|---|
| من استحسن فقد شرع ای وضع شرعا جدیدا۔ (مصباح الاصول۔ الاستحسان ص ...) | جس نے استحسان سے کام لیا اس نے نئی شریعت بنائی۔ |

مگر دوسری طرف محققین شوافع فرماتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| ان الحق ما قاله ابن الحاجب واشار الیه الآمدی انه لا یتحقق استحسان مختلف فیه۔ (مصباح الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا پس منظر ص ۱۵۹) | حق بات وہ ہے جو ابن حاجب نے کہی ہے اور آمدی نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ مختلف فیہ استحسان کا وجود نہیں ہے۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ استحسان کی حجیت اور قابل اعتماد ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ

امر اجتہادی کی حیثیت دلیل شرعی کی ہے۔

## امام شاہ ولی اللہؒ اور استحسان

امام شافعیؒ کے مشہور قول کی طرح امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی استحسان کی مخالفت کی ہے بلکہ اس کو دین میں تحریف کا ذریعہ قرار دیا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ومن اسباب التحریف الاستحسان۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱ ص[illegible]) | تحریف کے اسباب میں سے استحسان ہے۔ |

لیکن ظن ہے کہ ان حضرات کا استحسان سے مطلق استحسان مراد نہ ہو بلکہ وہ استحسان مراد ہو جس میں شرعی اصول و ضوابط کی کوئی رعایت نہ کی جائے اور اپنے نفس کی خواہش کے سہارے کوئی مسئلہ مستنبط کیا جائے جو تحریف فی الدین کے مترادف ہے۔

بہرحال اسلامی احکامات میں استحسان کے ذریعہ مستنبط احکام کا کافی سارا ذخیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور فقہاء امت نے اس کو بطور دلیل شرعی استعمال کیا ہے اور اسی کے ذریعے بے شمار مسائل مستنبط کئے ہیں۔

## استحسان کی مشروعیت

استحسان کوئی نیا عمل نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ قدیم بین الاقوامی قوانین میں بھی ایسی دفعات ہوتی تھیں جن سے استحسان کا مفہوم واضح ہوتا ہے، یونانیوں کے قوانین میں اسے اکیا (EPIEIKEIA) کے نام سے اور رومیوں کے قوانین میں ایکوئٹی (AEQUITAS) کے نام سے اصول موجود ہیں جس سے استحسان مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی اس اصل کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔ (سورۃ الزمر ۔ ۱۸) | آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری دیں جو بات کو سنتے ہیں اور احسن کی اتباع کرتے ہیں۔ |

قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس بارے میں ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۵) | آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ احسن کام کو اختیار کریں۔ |

استحسان کے اندر بھی احسن کی اتباع اور اس کو اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یسر یعنی آسانی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ارادہ کرتا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ـــ)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی تیسیر کو اچھا اور بہتر دین قرار دیتا ہے۔

خیر دینکم ایسرہ۔ (الاشباہ والنظائر)

کہ تمہارا اچھا دین آسان ہے۔

لہٰذا دین میں آسانی اور تیسیر کے بارے میں جتنی بھی روایات آثار صحابہ و تابعین مروی ہیں ان سے استحسان کی مشروعیت اور ثبوت ملتا ہے۔

## عرف و عادت

عرف اور رسم و رواج قدیم زمانہ سے قانون کے لیے ایک ماخذ چلا آرہا ہے، رومی قوانین میں بھی اس کو قانون سازی کے لیے بطور اصل استعمال کیا ہے، اسلام نے بھی بعض فروعی احکامات میں عرف و عادت کو ماخذ کا مقام دیا ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

والعرف في الشرع له اعتبار۔ لذا عليه الحكم قد يدار

عرف کا شرع میں اعتبار ہے اور اسی لیے اس پر کبھی حکم کا دارومدار ہوتا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ـــ الرسالۃ الاولیٰ)

حتی کہ عادت و عرف کی تبدیلی و تغیر سے بعض احکام شرعیہ میں بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہے جس کی مثالیں کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلاً فقالوا في الاصول في باب ما تترك به الحقيقة تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة ...... الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي وفي المبسوط الثابت بالعرف كالثابت بالنص۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲)

جان لو کہ بیشک عادت اور عرف کا اعتبار دے کر کافی سارے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے حتی کہ انہوں نے اس کو اصل بنا دیا ہے اور انہوں نے اصول میں لکھا ہے کہ عادت اور عرف کی بناء پر حقیقت کو چھوڑ دیا جائے گا ۔۔۔ عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ دلیل شرعی کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے اور مبسوط میں ہے کہ عرف کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ نص کے ساتھ ثابت شدہ مسئلہ کی طرح ہے۔

اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں عرف کو تشریعی امور کا مادہ معلوم قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

هي مادة التشريعية (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۱۶)

کہ وہ تشریعی مادہ ہے۔

ایک اور مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ:

نهى عن الرسوم الفاسدة وأمر بالصالحة۔ (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فاسد رسوم سے منع کیا اور صحیح اور درست رسوم کی اجازت دی۔

## عرف کی تعریف

فقہاء کرام نے عرف کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں، طوالت کے پیش نظر یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲)

عادت ان مکرر امور سے عبارت ہے جو نفوس میں استقرار پکڑ لے اور طبائع سلیمہ اس کو قبول کریں۔

(۲) امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

العرف و عادت یہ ہے کہ کوئی فعل یا قول عقلی طور پر لوگوں کے نفوس میں ایسی جاگزین ہو جائے کہ فطرت سلیمہ سے قبول کرے اور اسلامی دنیا کے سلیم الطبع لوگ اس کے عادی ہو جائیں بشرطیکہ وہ نص شرعی کے مخالف نہ ہو۔

(اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۳)

(۳) امام ابو زہرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

العرف ما اعتاده الناس من معاملات واستقامت عليه أمورهم۔ (اسلامی فقہ کے اصول و مبادی ص ۱۸۴)

عرف وہ ہے کہ لوگ اپنے معاملات میں اس کے عادی ہو چکے ہوں اور اپنے امور کو اس پر قائم کر چکے ہوں۔

## مقبول عرف کیلئے شرائط

مگر عرف و عادت مطلقاً مقبول نہیں جو عرف عند الشرع مقبول ہو اور جس کو مآخذ اصل کی حیثیت حاصل ہو فقہاء کرام نے اس کے لیے چند شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) اس عرف منصوص حکم کے مخالف نہ ہو۔

(۲) معاشرے میں اس کو ایسا مقام حاصل ہو کہ اس کا کرنا امر ضروری ہو۔

(۳) وہ عرف معاشرے میں عام اور غالب ہو۔

(۴) اس حکم کے وقت وہ عرف موجود ہو۔

(۵) متعاقدین اس عرف کے خلاف کوئی معاہدہ یا شرط نہ لگائیں۔

(فقہ اسلامی کے اصول ومبادی ص ۱۹۱)

## الاستصحاب

فقہ شافعیہ کے احتیاطات میں استصحاب بھی بطور ماخذ استعمال ہوتا ہے لیکن یہ کوئی مستقل ماخذ نہیں ہے اس لیے اکثر حضرات نے ماخذ فقہ میں اس کا کم ذکر کیا ہے۔ یہ اس وقت کام آتا ہے جہاں کوئی اور ماخذ موجود نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل میں جو چیز ثابت ہو یا ثابت نہ ہو اس کو اب بھی اپنے حال پر رکھا جائے اس میں کوئی تغیر وتبدیلی نہ کیا جائے تاوقتیکہ کوئی دلیل تغیر قائم نہ ہو اس لیے کہ اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہے کہ یہ صورت ثبوت یا عدم ثبوت پر بدستور باقی ہے۔

## تعریف اصطلاحی

اس لیے اصولیین نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

ما ثبت فی الزمن الماضی فالاصل بقاؤہ فی الزمن المستقبل مالم یوجد ما یغیرہ ھو الاستصحاب عند علماء الاصول۔ (اسلامی فقہ کے اصول ومبادی ص ۲۱۸)

کہ جو چیز زمانہ ماضی میں ثابت ہو تو اصل یہ ہے کہ اس کو مستقبل میں اس وقت تک باقی رکھا جائے جب تک کوئی دلیل تغیر نہ آجائے۔

اور دوسری تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:

الحکم ببقاء امر محقق لم یظن عدمہ (الاشباہ والنظائر ص ۲۲۳، القاعدۃ الثالثۃ)

کسی محقق امر کے حکم کو اس وقت تک باقی رکھنا جب تک کہ اس کے عدم پر کوئی ظن غالب پیدا نہ ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ:

"ثابت شدہ امر کو ثابت شدہ ہی رہنے دے اور غیر ثابت شدہ کو غیر ثابت شدہ کو اس وقت تک کہ کوئی معتبر دلیل سامنے نہ آجائے، اسی کو استصحاب کہا جاتا ہے"

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پر کسی کا دس ہزار روپے قرض ہے اور اس قرض پر گواہ

گواہ ہیں اور دونوں کے مابین تحریر کا ثبوت بھی ہے تو یہ قرضہ اس کے ذمہ اس حال بعد بھی باقی رہے گا جب تک اس کی ادائیگی پر کوئی دلیل مستند شرعی نہ پائی جائے۔"

## استصحاب کی اقسام

فقہ کے اس ماخذ کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں:-

(۱) **استصحاب براءة الاصلیہ** یعنی انسان کا ذمہ اس وقت تک بری الذمہ ہے جب تک اس کے مکلف ہونے پر کوئی دلیل پیش نہ کی جائے مثلاً کوئی کسی پر قرضہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص اس کا منکر ہو تو جب تک مدعی کوئی دلیل پیش نہ کرے اس وقت تک منکر بری الذمہ ہے۔

(۲) **استصحاب شرعی یا عقلی** یعنی شرعی یا عقلی کسی امر کے بارے میں ثبوت یا عدم ثبوت کے برقرار رہنے کا حکم کرے تو وہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کوئی دوسری دلیل اس حکم کو تبدیل نہ کردے۔

مثلاً کسی شخص کو وراثت میں کچھ زمین ملی ہے تو وہ اس وقت تک اس کا مالک متصور ہوگا جب تک زوال ملک کا کوئی ثبوت قائم نہ ہو۔

(۳) **استصحاب حکم اصلی،** کسی امر شرعی کے بارے میں جائز یا ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی کے موجود ہونے کی صورت میں وہ حکم اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کوئی دوسری تبدیل کرنے والی دلیل موجود نہ ہو۔

مثلاً جمیع منافع اراضی میں مفید اور کارآمد اشیاء حلال ہیں اور دنیا کی جمیع عورتیں حرام ہیں مگر وہ اشیاء اور عورتیں جن کی حلال اور حرام ہونے پر دلیل موجود ہو۔

(۴) **استصحاب وصفی** یعنی جس امر کے ساتھ کوئی صفت زمانہ ماضی میں لگی ہو تو وہی صفت مستقبل میں بھی اسی طرح ہوگی۔

## استصحاب وصفی میں اختلاف

پہلی تین اقسام میں اگرچہ فقہاء کا جزوی اختلاف موجود ہے مگر اصولی طور پر سب متفق ہیں۔ البتہ استصحاب وصفی میں اختلاف زیادہ ہے۔

مالکیہ اور احناف کے ہاں استصحاب وصفی تو کسی امر کے دفع کرنے میں مفید ہے مگر کوئی امر ثابت نہیں کرسکتا۔

مطلب یہ ہے کہ جو حقوق اور ذمہ داریاں اول سے ثابت شدہ ہوں وہ ختم نہیں ہوتیں اور نئی ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتیں۔

مثلاً ایک شخص مفقود الخبر ہے تو اس کی بیوی اس وقت تک اس کی منکوحہ رہے گی جب تک اس کے فوت ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو یا عدالت حالات اور شواہد کی روشنی میں اسکے مرنے کے نتیجہ پر نہ پہنچ جائے۔ البتہ اگر کسی نے اس کے لیے وصیت کی یا اس کا مورث وفات پا گیا تو اس کو میراث میں حصہ نہیں ملے گا اور نہ وصیت کا مستحق ہوگا اس لیے کہ یہ نئی ذمہ داری ہے جو اس پر عائد نہیں ہوتی۔

مگر شوافع اور حنابلہ اس قسم کو بھی دفع اور ثبوت دونوں میں مؤثر قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے ہاں مفقود الخبر اپنی املاک کا بھی مالک ہوگا اور وراثت اور وصیت کا بھی مالک ہوگا۔

## مصالح مرسلہ

فقہ اسلامی میں مصالح مرسلہ کو بھی بطور ماخذ ذکر کیا جاتا ہے جس کو استصلاح بھی کہا جاتا ہے جس میں عرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔

(۱) تعریف: علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں اس کی تعریف یوں ذکر کی ہے:

المصالح المرسلہ وھی التی لم یشھد لہا اصل بالاعتبار فی الشرع ولا بالالغاء وان کانت علی سنن المصالح وتتلقاھا العقول بالقبول۔ (الموافقات ج ۲ ص ۳۹ فصل)

مصالح مرسلہ وہ ہیں جن کے اعتبار کیلئے شرعاً نہ اصل اس کے لیے شہادت دے اور نہ اس کو لغو قرار دے بلکہ وہ مصالح کے طریقوں پر ہوں اور عقل ان کو قبول بھی کرے۔

(۲) دوسری تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

المصالح المرسلہ وھی التی لم یشھد لہا اصل شرعی من نص او اجماع لا بالاعتبار ولا بالالغاء۔ (منہاج الاصول)

مصالح مرسلہ وہ ہے کہ اصل شرعی چاہے وہ نص (قرآن وسنت) ہو یا اجماع، نہ اس کے اعتبار کی گواہی دے اور نہ ان کو لغو کہنے کی۔

## مصالح مرسلہ کی شرائط

مصالح مرسلہ فقہ اسلامی کا ماخذ تب بن سکتے ہیں جب ان میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

(۱) مصالح اُن مصالح کے مشابہ ہوں جن کا شارع علیہ السلام نے اعتبار کیا ہے۔

(۲) ان مصالح کا حصول یقینی ہو۔

(۳) ان مصالح میں جو عموم پایا جاتا ہو وہ قوم و ملک کے فائدہ کے لیے ہو کسی خاص شخص یا جماعت کے لیے نہ ہو۔ (الموافقات جلد ۲ صفحہ ۳ القسم الثانی۔ مسئلۃ الثامنۃ)

**امام مالکؒ اور مصالح مرسلہ**

ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ نے مسائل کے استنباط کے لیے مصالح مرسلہ سے بہ نسبت دوسرے ائمہ کرامؒ کے زیادہ کام لیا ہے اس لیے یہ اصل (ماخذ) انہی کی طرف منسوب ہے اگرچہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا ہے۔ اس بات سے امام غزالیؒ کا استحسان اور استصلاح کو موہوم دلائل میں شمار کرنا بھی بے جا اور بے محل رہ جاتا ہے اس لیے کہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی مصالح مرسلہ سے کسی نہ کسی عنوان کے تحت ضرورت کی خاطر کام لیا ہے۔

ان ماخذ کے علاوہ دوسرے ماخذ مثلاً شرائع من قبلنا، تعامل، اقوالِ صحابہؓ، اقوالِ تابعینؒ، ذرائع، تعامل اہلِ مدینہ وغیرہ بھی ہیں۔

فقہاء اسلام نے فقہ کی تدوین کے لیے ان کو بنیاد بنایا ہے مگر غور و خوض کرنے کے بعد یہ تمام کے تمام ماخذ ان چار بنیادی اصول کے تحت داخل ہو جاتے ہیں اور پھر مزید غور و خوض کرنے کے بعد وہ چاروں اصول بھی صرف دو یعنی قرآن و سنت کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔

ہم نے یہاں اس مقدمہ میں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے تفصیل کے لیے دوسری مطولات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ علماء امت نے ان پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔

**ذخیرۂ فقہ کی تقسیم**

ان ماخذ سے اب تک جتنے مسائل مستنبط ہوئے ہیں اور کتب فقہ میں مدون ہیں فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ کتب تین اقسام پر مشتمل ہے۔ (۱) اصول (۲) فروع (۳) فتاویٰ۔

فتاویٰ ان حوادث اور واقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات اور ازمنہ میں علماء امت کے سامنے بصورت سوال پیش ہوئے اور انہوں نے ان ماخذ کے تحت حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے۔

اس حل کو فتویٰ، مجموعہ کو فتاویٰ، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ یہ عمل افتاء کے نام سے بھی موسوم ہے۔

چونکہ فتاویٰ بھی انہی ماخذ کے قبیل سے ہے اس لیے اب ہم فتویٰ اور افتاء کی تعریف لغوی و اصطلاحی اور آداب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

# فتویٰ کا لغوی معنیٰ

لغت میں فتویٰ دو طرح پڑھا جاتا ہے (۱) بفتح الفاء الفَتْویٰ (۲) بضم الفاء الفُتْویٰ۔ لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ مصباح المنیر ص۳۲ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمہ کا صحیح نہیں ہے اصل میں فاء کا فتحہ ہے۔ صاحب قاموس نے دونوں کو جائز لکھا ہے، جبکہ دیگر محققین نے لکھا ہے کہ: ان افتیا بالیا ء لا یکون الا مضمومة وان الفتویٰ بالواو لا یکون الا مفتوحة۔ (المصباح ج۲ ص۱۵) یعنی فتویٰ کا استعمال جب یاء سے ہو تو مضموم الفاء ہوگا اور جب واؤ سے ہو تو مفتوح الفاء ہوگا۔

عربی زبان میں فتویٰ کے بجائے فتیا زیادہ استعمال ہوتا ہے مگر معنیٰ اور مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے: الفتویٰ والفتیا اسمان یوضعان من موضع الافتاء الا ان لفظة الفتیا اکثر استعمالا فی کلام العرب من لفظة الفتویٰ الخ (لسان العرب ج۱۵ ص۱۲۵) لیکن استعمال دونوں کا درست ہے۔

فتویٰ کا جمع اَلْفَتَاوِیْ اور اَلْفَتَاوٰی آتا ہے ــــ (مصباح اللغات ص۲۱۸) ــــ اگرچہ صاحب مصباح المنیر نے بکسر الواؤ الفتاوِی کو اصل قرار دیا ہے اور بفتح الواؤ الفتاوٰی صرف تخفیف کے لیے جائز کہا ہے لیکن آجکل عموماً بفتح الواؤ پڑھا جاتا ہے۔

**مادۂ اشتقاق** فتویٰ کے اشتقاق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک فتویٰ اَلْفُتُوَّۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے کرم، سخاوت، مروت اور زور آور۔ تو فتویٰ کو بھی فتویٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مفتی اپنی سخاوت، مروت اور عالمانہ قوت سے کام لے کر کسی دینی مسئلہ کو حل کرتا ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک فتویٰ دراصل اَلْفَتِیْ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے الشاب القوی، ایک مفتی مسائل کو چونکہ اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے اس لیے فتویٰ گویا مدلل، ثبوت والا جواب ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: الفتویٰ مشتقة من الفتی وهو الشاب القوی وسمیت بہ لان المفتی یقوی السائل بجواب حادثة۔ (مقدمہ رد المحتار ج۱ ص۳۲)

اسی سے افتاء ہے۔

**الافتاء** افتاء لغت میں هو الجواب لای سوال کان سواء کان متعلقا بالاحکام

الشرعیۃ او بغیرہا من المعاملات الاخری الدنیویۃ الحقۃ (المصباح ج۱ ص۱۵)
یعنی فتویٰ سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے، سوال چاہے احکام شرعیہ کے متعلق ہو یا کسی دنیاوی امور کے بارے میں ہو — جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ (سورۃ یوسف ص۴۶) اور عزیز مصر کا اپنے وزراء سے یوں کہنا يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ (سورۃ یوسف ص۴۳) ان دونوں آیات میں دنیاوی امور کے بارے میں سوال لفظ فتویٰ سے کیا گیا ہے۔

امام رازیؒ الفتاء کے آخری معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معنی الافتاء اظہار المشکل منہ مگر امام رازیؒ کے ہاں فتویٰ اور فتیا دونوں افتاء کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ بنا بریں مفتی کو مفتی اس لیے کہا جاتا ہے کہ کانہ یقوی ببیانہ ما اشکل ویصیر قویا فتیا۔ (البشری لاصول الافتاء ص۷ من تفسیر کبیر سورۃ النساء)

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: الفتیا والفتویٰ: الجواب عما اشکل من الاحکام۔ (مفردات ص۳۷۳ کتاب الفاء)

تو گویا کہ فتویٰ اس شرعی مسئلہ کے حل کو کہا جاتا ہے اور مفتی حل کرنے والا ہوتا ہے جبکہ مستفتی وہ سائل ہے جو اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے مفتی سے سوال کرتا ہے۔

## افتاء کی اصطلاحی تعریف

محققین علماء نے افتاء کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے: ھو الاخبار بحکم اللہ تعالیٰ من مسئلۃ دینیۃ بمقتضی الادلۃ الشرعیۃ من سأل عنہ فی امر نازل من جہۃ العموم والشمول لا علی وجہ الالزام۔ (المصباح شرح اصول افتاء ج۱ ص۱۶)

بعض نے یوں تعریف کی ہے: ھو بیان حکم اللہ تعالیٰ بمقتضی الادلۃ الشرعیۃ علی جہۃ العموم والشمول۔ (الاساس الشرعی والقانونی ص۲۸)

علامہ قرافیؒ لکھتے ہیں: اخبار حکم اللہ تعالیٰ فی الالزام والاباحۃ۔
(الفروق ج۴ ص۵۳)

مگر ان سب تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بتا دینا"

## لطائف افتاء

علامہ عبدالنبی احمد نگریؒ نے دستور العلماء میں فتویٰ کے سلسلے میں سات اہم نکات بیان کئے ہیں جو ایک مفتی کو اپنے پیش نظر

رکھنے چاہئیں۔

(۱) افتاء جو دراصل فتی سے ماخوذ ہے باعتبار ثلاثی مجرد کے افعال غیر متصرف میں سے ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ ایک مفتی بنیادی اصول اور نصوص میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا البتہ فروعات میں تصرف کر سکتا ہے۔

(۲) افتاء ایک متعدی فعل ہے اس لیے مفتی کا علم بھی متعدی ہونا چاہیے۔

(۳) افتاء باب افعال سے ہے جو ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں پہلا باب ہے اس لیے اس میں عبرت یہ ہے کہ جو شخص درجہ افتاء کو پہنچ گیا اس کے سامنے کامیابی کے اور مزید ابواب بھی کھلیں گے۔

(۴) مفتی کے لیے مناسب ہے کہ وہ صاحب فتوت ہو کیونکہ فتویٰ اور فتوۃ کے درمیان اخوت ہے، اس لیے مفتی نہ تو فتویٰ پوچھنے والے سے کسی قسم کا طمع یا لالچ کرے اور نہ فتویٰ کی کثرت سے کسی قسم کے ملال یا بیزاری کا اظہار کرے۔

(۵) افتاء کے اول و آخر میں الف ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ مفتی کو ابتداء سے انتہا تک امور دین کے بارے میں استقامت و صداقت کا پیکر ہونا چاہیے۔

(۶) افتاء کی باعتبار ابجد عددی قیمت ۴۸۲ ہے جس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مفتی کے پاس اصول و فروع کی کتابوں کی تعداد اس سے کم نہ ہو، چنانچہ کتب ظاہر الروایہ کے تفحص و مطالعہ کے بعد محققین اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ کتب افتاء کی تعداد بھی اسی عددی قیمت کے برابر ہے۔

(۷) افتاء میں پانچ حروف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی ظاہر الروایہ کی پانچ کتب پر نظر رکھنے کے علاوہ اسلام کے ارکان خمسہ کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

(دائرۃ المعارف اردو جلد ۱ ص ۴۱)

## فتاویٰ دورِ نبوی میں

فتویٰ اور افتاء کوئی نیا عمل نہیں بلکہ اس کا تاریخی دور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانے میں مسائل کا حل براہ راست آپ کی ذات اقدس سے وابستہ تھا، جب کبھی صحابہؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو دربار نبوت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی یا کبھی ذاتی اجتہاد سے صحابہ کو اس مسئلہ کا حل بتا دیتے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بعض بنیادی تعلیم قرآن کریم کے ساتھ ساتھ قانون سازی، فتاویٰ اور قضاء وغیرہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ اقدس میں فقہ کی ذخیرہ یا تحریری ترتیب کی اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے فیصلے، فتاویٰ عموماً ایک دستور اور اصول کے رنگ میں ہوتے، اس لیے بعض صحابہ ان کو محفوظ کر چکے تھے جن کی لاتعداد مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں، مثلاً:-

(۱) آپ نے سود اور ربوٰ کے تعین اور جاننے کے لیے اور متحد الاجناس اشیاء کی باہمی بیع کے لیے اشیاء ستہ کے بارے میں فرمایا: الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير والذهب بالذهب والفضة بالفضة والملح بالملح والتمر بالتمر مثلاً بمثل يداً بيد والفضل ربوٰ۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۴ باب الربوٰ)

یہ حدیث اگرچہ بظاہر صرف چھ اشیاء کی بیع کے بارے میں حکم بیان کرتی ہے کہ ان اشیاء کی باہمی نقد اور برابر سرابر خرید و فروخت جائز ہے، مگر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں ہر ہم جنس شے کی تجارت باہمی جنس سے کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔
اسی لیے امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے تعین ربوٰ کے لیے ایک اصل نکالا کہ جن چیزوں میں قدر و جنس متحد ہو اس کی بیع کا طریقہ کار یہ ہے اور اگر اس میں زیادتی کا ارتکاب ہو تو وہ ربوٰ (سود) ہے۔

(۲) دوسری مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ کل قرض جر نفعاً فهو حرام۔ (مسئلہ سود از مفتی محمد شفیعؒ)
یہ اساسی جواب ہر اس نفع کو شامل ہے جو قرض دہندہ مقروض سے لینا چاہے خواہ وہ نفع بدنی ہو یا مالی، یا قرض کے بدلہ میں مقروض سے کوئی چیز رہن رکھوائی ہو اور قرض دہندہ اس سے کسی بھی قسم کا نفع لیتا ہو۔

یہ سب اس حدیث کے تحت میں آتے ہیں۔ اس قسم کے اساسی جوابات کافی تعداد میں جمع ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات جس طرح وحی غیر متلو کی شکل میں تھے اسی طرح وحی متلو میں بھی موجود ہیں، مثلاً

(۱) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (سورۃ البقرہ)
(۲) يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ (سورۃ البقرہ)

(۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ (سورۃ البقرہ)

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات وحی جلی یعنی قرآن آیات کی شکل میں ہوتے تھے یا پھر وحی خفی یعنی احادیث غیر متلو کی شکل میں ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جوابات اجتہادی صورت میں ہوتے تھے اور مسئلہ کا حل اپنی رائے سے فرمایا کرتے تھے لیکن بعد میں قرآن کریم یا وحی قطعی طور سے اس کی توثیق ہو جاتی تھی۔

چنانچہ علامہ آمدیؒ نے الاحکام میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ میں اجتہاد فرماتے تو بعد ازاں قرآن کریم اور وحی سے یا تو اس کی توثیق ہو جاتی یا پھر اس کے خلاف ہوتا۔ اگر خلاف ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اجتہادی مسئلہ چھوڑ دیتے۔

اس قسم کے کئی واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد فرمایا اور بعد میں منجانب اللہ کبھی تو اس کی توثیق ہو جاتی اور مسئلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور کبھی اس کی تردید نازل ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ترک فرما دیتے۔ گویا کہ آپ اپنی حیات طیبہ میں صحابہ کرامؓ کے مسائل کو اولاً وحی کی روشنی میں حل فرماتے اور کبھی کبھی اجتہاد بھی فرمایا کرتے تھے۔ اپنے دور میں فتویٰ صرف آپ ہی دیا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ اس کو یاد فرما لیا کرتے تھے جو آج کل کتب حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کو آپ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی تھی۔

## فتویٰ دورِ صحابہؓ میں

بعض صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔

(الطبقات لابن سعد جلد ۲ ص [illegible])

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے چھ اصحاب سے علم لیا گیا۔ ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ علم میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے، ان میں بعض بعض سے استفادہ کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک دوسرے سے مشابہت فی العلم رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے اکتساب کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص [illegible])

## مفتیانِ صحابہ کرامؓ کی اقسام و طبقات

صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کوئی صحابیؓ کوئی کام یا بات اپنی رائے و اجتہاد سے کرتے یا کہتے اور جب وہ بات حضورؐ تک پہنچ جاتی اور آپ صحابیؓ کو اس عمل یا فتویٰ پر برقرار رکھتے ان پر کوئی نکیر نہ فرماتے تو وہ فتویٰ حجت ہوتا۔

(۲) کسی صحابیؓ کو کسی قول یا عمل کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معلوم ہوتے اور اسی کو نقل کرکے لوگوں کو بتا دیتے یہ حضرات اس فتویٰ میں بطور راوی کے ہوتے تھے۔

(اعلام الموقعین جز ۱ صـ ۲۲۳، صـ ۲۲۴)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو جملہ صحابہ کرام میں سے بقول علامہ ابن قیمؒ کے ۱۳۰ یا ۱۲۰ اصحاب فتویٰ دیا کرتے تھے مگر ان کے بھی تین طبقات تھے، مثلاً:۔

(۱) مکثرین: یعنی جو زیادہ فتویٰ دیتے تھے۔

(۲) متوسطین: وہ جو کچھ کم فتویٰ دیتے تھے۔

(۳) مقلین: وہ جو بہت کم فتویٰ دیتے تھے۔

مکثرین فقہاء صحابہ کرامؓ سات تھے جن میں ۱ حضرت عمرؓ ۲ حضرت علیؓ بن ابی طالب ۳ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴ ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ۵ حضرت زید بن ثابتؓ ۶ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۷ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان حضرات کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کا فتاویٰ ایک ضخیم کتاب بن جائے گا۔

امام ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوبؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

متوسطین کی تعداد مکثرین سے زیادہ ہے ان کی تعداد تیرہ ۱۳ تک پہنچتی ہے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان حضرات کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ہر ایک کے فتاویٰ کی ایک ایک جلد بن جائے گی۔

بعض علماء نے ان صحابۂ کرامؓ میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابوبکرہؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو بھی شمار کیا ہے۔
متقللین میں ان صحابہؓ کے علاوہ کئی دوسرے صحابہؓ بھی شامل ہیں اگر ان صحابہؓ سے زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں مگر بوقتِ ضرورت ایک یا دو مسئلوں یا اس سے زیادہ کے بارے میں فتاویٰ منقول ہیں، اگر ان تمام کے فتووں کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹی جلد بن جائے گی۔ ان صحابہؓ میں حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوالیسرؓ، حضرت ابوسلمہ المخزومیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرات حسنؓ و حسینؓ ابناء حضرت علیؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳۱۲)

تو گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرامؓ نے دین کے دیگر شعبوں کی طرح اس اہم اور انتہائی ضروری کام کو بھی سنبھالا اور اس کی پذیرائی فرمائی، اس کی ترویج اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر کام کیا جس کی وجہ سے دین کا یہ اہم شعبہ آج تک زندہ ہے۔

## فتاویٰ دورِ تابعینؒ میں

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد فتویٰ کا کام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے سپرد ہوا۔ ان حضرات میں آخری صحابیؓ جن کے ہاتھوں میں یہ منصب باقی رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، ان حضرات کے ہاں کبار تابعین جن میں نہایت مشہور اور دیگر حضرات شامل تھے۔ نے فتویٰ کی تربیت پائی۔

(المصباح فی رسم المفتی ومناہج الافتاء ج ۱ ص ۱۲)

یہ حضرات اپنے وقت کے عظیم مفتی اور قاضی شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے فتاویٰ آج بھی بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔
چنانچہ صحابۂ کرامؓ کے زمانے کے بعد اس منصب نبویؐ کو حضرات تابعینؒ نے سنبھالا اور ما بعد یہ سلسلہ رکا نہیں، ان حضرات نے گلشن نبویؐ کی آبیاری اپنے ذمے لی اور اس کام کو

مختلف بلاد (شہروں) میں جو مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے زمانے میں آباد کیے تھے، شروع کیا۔

## تابعین فقہاء کے طبقات

ان فقہاء تابعینؒ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تابعینؒ جو اپنا سارا وقت روایت حدیث میں صرف کرتے تھے اور فقہی مسائل کے استنباط میں کوئی توجہ نہیں دیتے تھے مگر ان مسائل کو جو قرآن و سنت میں صراحتاً ذکر ہوں یہ حضرات رائے اور قیاس میں اجتہاد کو مکروہ سمجھتے تھے اور فتویٰ و استنباط مسائل سے بلا ضرورت خوف زدہ رہتے تھے مگر پھر بھی اس سے چھٹکارا مشکل تھا اسی طرح بعض کبار صحابہ کرامؓ بھی کسی واقعہ کے حدوث سے قبل اس کے حل کو ناپسند فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ: لا تعجلوا بالبلاء قبل نزوله۔

اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی قبل نزول حادثہ میں تکلم اور بحث کی کراہیت کے اقوال مروی ہیں۔

(۲) دوسرے وہ فقہاء تابعین تھے جنہوں نے اپنے آپ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کیلئے وقف کر رکھا تھا، یہ حضرات صرف روایت حدیث اور آثار پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر مسئلہ کے حل میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے اور آنے والے واقعات کے حل کی کوشش فرماتے تھے اور بعض نے تو فقہ کو کتاب کی شکل میں بھی مدون فرمایا جیسے: امام شعبیؒ اور امام مکحولؒ۔

(اصول افتاء صـ۷۴)

چونکہ یہ حضرات مختلف بلاد میں آباد تھے اس لیے ان کو وہاں کا امام تصور کیا جانے لگا، چنانچہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فقہائے تابعین میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ فقہائے سبعہ کے نام سے موصوف ہیں، بقول شاعر:

> اذا قیل من فی العلم سبعة ابحر
> روایتهم لیست عن العلم خارجة
> فقل هم عبید الله، عروة، قاسم
> سعید، ابوبکر، سلیمان وخارجة

ان کے علاوہ ابان بن عثمان، سالم بن عبداللہ اور نافع رحمہم اللہ وغیرہ مدینہ منورہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۳)

مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، مجاہد بن جبیرؒ، سعید بن جبیرؒ وغیرہ مفتیان اہل فتویٰ تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۵)

بصرہ میں عمرو بن سلمۃ الجرمیؒ، ابو مریم الحنفیؒ، کعب بن اسودؒ، حسن بصریؒ وغیرہ۔ ان کے بعد ایوب السختیانیؒ، سلیمان التیمیؒ، قاسم بن ربیعہؒ وغیرہ فتویٰ کا کام کرتے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے بعد کوفہ میں علقمہ بن قیس النخعیؒ، مسروق بن اجدعؒ، شریح بن الحارث الکندیؒ، سلیمان بن ربیعہ الباہلیؒ، سوید بن غفلہؒ، حارث بن قیس الجعفیؒ وغیرہ بہت سارے علماء فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد ابراہیم النخعیؒ، عامر الشعبیؒ، سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔ ان کے بعد حماد بن ابی سلیمانؒ، سلیمان بن معتمرؒ، سلیمان الاعمشؒ وغیرہ۔ پھر ان کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ، قاسم بن معنؒ، سفیان الثوریؒ وغیرہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۶)

شام کے اہل فتویٰ میں ابو ادریس الخولانیؒ، شرحبیل بن سمطؒ، عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعیؒ، قبیصہ بن ذؤیب الخزاعیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مصر میں یزید بن ابی حبیبؒ، بکیر بن عبداللہ الاشجعؒ۔ ان کے بعد عمرو بن الحارثؒ، لیث بن سعدؒ، عبیداللہ بن ابی جعفرؒ وغیرہ اور دیگر فقہاء فتویٰ دینے کا عہدہ سنبھال چکے تھے۔

یمن میں مطرف بن مازنؒ قاضی صنعاء، عبدالرزاق بن ہمامؒ اور ہشام بن یوسفؒ وغیرہ کا فتویٰ چلتا تھا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر تعمیر کیا تو اس میں جید ائمہ کرام، فقہاء عظام اور کثیر تعداد میں محدثین بسا دیئے جن میں ابو عبید قاسم ابن سلام، ابو ثور ابراہیم بن خالد الکلبی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۶ تا ۲۷)

# مفتی کے شرائط و آداب

مسند افتاء پر بیٹھنے والے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً مفتی قرآن و سنت کا ماہر عالم ہو اس لیے غیر عالم کو فتویٰ دینا شرعاً درست نہیں اسی کے پیش نظر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لا یجوز الفتیا الا لرجل عالم بالکتاب والسنة (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲۵۲)

(۱) مفتی مسلمان ہو۔ (۲) عادل و دیندار ہو اور فاسق و فاجر کا فتویٰ دینا ممنوع ہے البتہ ظاہری عدالت کافی ہے باطنی عدالت معتبر نہیں (۳) مفتی کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔

علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شرط المفتی اسلامه وعدالته ویلزم منها بلوغه وعقله فیرد فتوی الفاسق والصبی والکافر وغیر المکلف۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۷۵)

مفتی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور فتویٰ کے لیے اس کا بالغ اور عاقل ہونا لازم ہے لہٰذا کافر، فاسق اور غیر مکلف کا فتویٰ مردود ہوگا۔

البتہ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں لگائی ہے وہ جوانی کی عمر میں ہو یا بڑھاپے کی عمر میں البتہ علمی پختگی لازمی ہے۔

صاحب معین الحکام فرماتے ہیں۔

ولا یعتبر السن ولا کثرة العدد لان الاصغر ربما اختص بالتوفیق للصواب فی حادثة ما لا یوفق الاکبر والجماعة۔ (معین الحکام ص ۳۰)

عمر اور کثرت عدد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ بعض اوقات چھوٹی عمر کے آدمی کو کسی حادثے میں درست جواب کی توفیق ہوتی ہے جو کسی بڑی عمر والے کو حاصل نہیں ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کبار صحابہؓ کے موجود ہوتے ہوئے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ لیتے تھے حالانکہ وہ کم سن تھے۔

اسی طرح مفتی کے لیے بیدار مغزی، قوت ضبط اور اہل اجتہاد جیسی صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

(وبشرط تیقظہ وقوة ضبطہ واعانۃ اجتہادہ۔ بحرالرائق ج ۶ ص ۲۶۹)

اسی طرح مفتی میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اغنیاء، سلاطین، امراء اور وزراء کی طرف مائل نہ ہوتا ہو۔ صاحب نورالہدیٰ فرماتے ہیں:-

ومن شرائط المفتی کونہ المفتی کالا یمیل الی الاغنیاء واعوان السلطان والامراء (فتاوی نورالہدی ص ۱۹۵)

مفتی کے شرائط میں سے یہ بھی کہ وہ مالدار لوگوں، وزراء اور سلاطین کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔

ایک مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر مفتی کا شاگرد رہ چکا ہو اور اس کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی ہو۔ (عقود رسم المفتی)

اس لیے کہ صرف کتب بینی پر اعتماد کرنا ہی کافی نہیں بلکہ معتمد علمائے کرام کی صحبت ضروری ہے بشرطیکہ ان کو اس فن میں مہارت تامہ بھی حاصل ہو۔ اور ان میں ایک نفسانی ملکہ بھی موجود ہو تو وہ شخص فتویٰ دینے کا اہل ہوگا ورنہ نہیں۔

ایک مفتی میں دور اندیشی کی صفت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:-

قلت وھذا شرط لازم فی زماننا والحاصل ان من غفلۃ المفتی یلزم ضرر عظیم فی ھذا الزمان۔ (ردالمحتار ج ۴ ص [illegible])

میں کہتا ہوں اس زمانے میں یہ شرط اس لیے بہت ضروری ہے کہ مفتی کی ذرا سی غفلت کی وجہ سے ایک عظیم نقصان پیدا ہو سکتا ہے۔

مفتی میں بلند کردار کے ساتھ بردباری اور نرم خوئی کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مفتی کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے عرف کو جانتا ہو یعنی زمانے کے عرف سے واقف ہو اس لیے کہ اگر ایک طرف ظاہر الروایہ ہو اور دوسری طرف عرف اس کے خلاف ہو تو مفتی عرف کو چھوڑ کر ظاہر الروایہ پر فتوے نہیں دے سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

وھذہ القضیۃ لیس للمفتی ولا قاضی ان یحکما علی ظاھر المذھب ویترکا العرف وھذا امر صحیح فیما قلنا ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف زمانہ (رسم المفتی ص ۴۳)

تنبیہ یہ ہے کہ مفتی اور قاضی ظاہر مذہب پر فیصلہ کر کے عرف کو نہیں چھوڑ سکتا اور یہ ہمارے کہنے میں صریح ہے کہ چونکہ مفتی اپنے زمانے کے عرف کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

بلکہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ :۔

من جهل باهل زمانه فهو جاهل۔
(رسم المفتی ص۳۳)

جو اپنے زمانے کا عرف نہ جانتا ہو تو وہ بھی جاہل ہے۔

یعنی مفتی حالات کو دیکھ کر مبتلی بہ کے حالات و حیثیت کے مطابق آسان فتویٰ دے تاکہ لوگ دین سے متنفر نہ ہوں۔ لہٰذا مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سہل، آسانی اور رخصت پر عمل کرنے کا فتویٰ دے اور عوام الناس کے لیے آسانی پیدا کرے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :۔

وفي عمدة الاحكام من كشف البزدوي يستحب للمفتي الاخذ بالرخص تيسيرا على العوام مثل التوضي بماء الحمام والصلوٰة في الاماكن الطاهرة بلا مصلى۔ (عقد الجيد ص۳۶)

اور عمدۃ الاحکام میں بزدوی کی کتاب کشف سے منقول ہے کہ مفتی کے لیے مستحب ہے کہ عوام پر آسانی کی غرض سے رخصت پر فتویٰ دے مثلاً حمام کے پانی سے وضو کرنا اور پاک جگہوں پر بدون جانماز کے نماز پڑھنا۔

لیکن جو لوگ محتاط اور خواص ہیں ان کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

ولا يليق ذلك باهل العزلة بالاخذ بالاحتياط والعمل بالعزيمة اولى بهم۔ (عقد الجيد ص۳۶)

اور یہ رخصت گوشہ نشینوں کے لائق نہیں بلکہ ان کے حق میں بہتر ہے کہ وہ احتیاط پر کاربند رہیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

اغلاط سے بچنا اور محفوظ رہنا بھی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اس سے اغلاط کم واقع ہوں ورنہ جس مفتی سے بکثرت غلطیاں واقع ہوتی ہوں وہ قابل اعتماد نہیں رہتا۔ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں :۔

وذكر في الملتقط اذا كان صوابه اكثر من خطاءه حل له ان يفتي وان لم يكن من اهل الاجتهاد۔ (طحطاوی علی در المختار ج۴ ص۱۵۳)

اور ملتقط میں ہے کہ جب مفتی کی صواب اغلاط سے زیادہ ہو تو وہ فتویٰ دینے کا اہل ہے اگرچہ وہ درجۂ اجتہاد پر فائز نہ ہو۔

اگر مفتی مقلد ہو تو سب سے بڑھ کر اس میں یہ وصف ہونا ضروری ہے کہ اس کو اپنے امام کے مستنبط مسائل و قواعد اور امام کے طرز و اسلوب پر مہارت حاصل ہو۔

علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں "مفتی نرم خو، شگفتہ مزاج اور متواضع ہو۔ تند خوئی، درشت مزاجی، غرور و تکبر اور انانیت مفتی کے لیے سخت معیوب ہے۔ مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے، جب تک وہ خود مطمئن نہ ہو تو جواب دینے سے پرہیز کرے اگر مشکل ہے تو جواب نہ دے۔ اسی طرح اگر مفتی مقلد ہو تو جس کتاب سے جواب دینا ہو تو اُسے اُس کے مصنف کا حال معلوم ہونا چاہیئے، سوال کا خوب اطمینان کے ساتھ جواب دے۔"

(رسم المفتی ص۱۵)

**آداب** (۱) فتویٰ دینے کے آداب میں سے یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی کتب مذہبیہ سے صریح جزئیہ کو تلاش کرے جب تک صریح جزئیہ نہ ملے محض کلیات و تعلیلات سے جواب نہ دے۔

(۲) تاہم اگر ضرورت پڑ جائے یعنی کافی تلاش اور تتبع کرنے کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو جواب میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جزئیہ نہیں ملا لہٰذا جواب قواعد سے لکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا یہی طریقہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں "قواعد سے جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے جزئیہ نہیں ملا۔"

(اشرف المعمولات ص۲۳ بحوالہ تحفۃ العلماء جلد ۲ ص۲۳۴)

(۳) اور نہ صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر اس پر فتویٰ دیا جائے بلکہ متعدد کتابیں دیکھ کر تحقیق کے بعد فتویٰ دیا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی ہو چکی ہو، مثلاً شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلہ پر کئی کتابوں میں احناف کا مذہب عدم قبولیت کا لکھا ہے حالانکہ احناف کے ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔ (تحقیق رسالہ ابن عابدین)

(۴) جواب ظاہری عبارت کے موافق دینا چاہیئے اگرچہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہو مگر یہ توضیح لازمی ہے کہ یہ لکھا جائے کہ بناء بر صورت مسئولہ یا صورت مسئولہ کے مطابق جواب یہ ہے۔

(۵) مفتی کو جواب واضح، صریح اور سلیس زبان میں دینا چاہیئے، الفاظ کے پیچ پڑنے سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "جو سوال کیا جائے اس کا بلا تکلف صاف صاف جواب دینا چاہیئے، گول اور پیچدار الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں، تکلف اور تصنع جو آجکل بطور عادت ثانیہ کے ہوگئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں۔" (ملفوظات اشرفیہ ص۱۹۸)

(۶) جو مستفتی معترض یا معاند ہو اور صرف امتحان یا اعتراض کی غرض سے سوال کرتا ہو عمل کرنے کا قصد نہ ہو تو اس کو جواب نہیں دینا چاہیئے اس سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ اس کو جواب دینا مفید نہیں۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ معاند کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو کب آتا ہے جو شخص الجھتا ہے اور جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیئے کہ جاؤ نہیں سمجھو البتہ جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھانا چاہیئے۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

(۷) ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور و فکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے، اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ گو کوئی فقہ صحیح ہو مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہو جائیں گی، اس لیے ایسے مسائل کو بیان نہیں کرنا چاہیئے، میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے تو یہاں بھی ضرر سے بچانا مقصود ہے۔

(۸) اگر کسی استفتاء میں کوئی فتنہ انگیز سوال پوچھا گیا ہو مثلاً کسی عالم دین، واعظ یا کسی شخص کا کوئی عقیدہ بیان کرکے اس کے بارے میں سوال ہو تو اس کا اس طرح جواب دیا جائے کہ ایسا عقیدہ کسی عالم دین یا مسلمان کا نہیں ہوسکتا اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو تو وہ خود زبانی یا تحریر لکھ کر پوچھیں، یہی طریقہ حکیم الامت کا تھا۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

(۹) اگر فتویٰ لمبا ہو اور ایک کاغذ پر جواب تمام نہ ہوتا ہو تو دوسرے کاغذ پر لکھنے کے بعد دونوں کاغذات کو مہر کرے یا دونوں پر دستخط کرے تاکہ تحریف کا شبہ نہ رہے۔

(۱۰) فتویٰ مختصر اور جامع ہونا چاہیئے طوالت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ فتویٰ سے غرض مستفتی کو شرعی حکم بیان کرنا ہے کوئی مناقشہ مقصود نہیں۔

(۱۱) تاہم جہاں اختصار و وضاحت اور بیان مطلوب میں خلل ہو تو وہاں طوالت کے ساتھ فتویٰ دینا واجب ہے مثلاً کسی شخص کے کسی موجب کفر عقیدے کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر بینہ شرعیہ یا اقرار کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ اور اسی طرح اگر ذو معنی والے لفظ کے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر وضاحت اور تفصیل کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ (تحفۃ العلماء ... مطلب اربع فتاویٰ)

(١٢) فتویٰ دینے میں زمانے اور مکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ زمانہ اور مکان سے فتویٰ بدل جاتا ہے بشرطیکہ حکم شرعی کسی خاص شہر کے عرف پر مبنی ہو اور جدید عرف نص شرعی کا مخالف نہ ہو یا حکم شرعی کسی خاص معنی پر مبنی ہو اور وہ معنی زمانہ کی وجہ سے متغیر ہو جائے۔

(اصول الدعوۃ صفحہ ١٦٩ المطلب الرابع الفتویٰ)

(١٣) ضرورت اور مصلحت کی بنا پر فتویٰ میں محتمل الفاظ کہنا اور گنجائش کے ساتھ فتویٰ دینا جائز ہے مثلاً فتویٰ دینے کے بعد یوں لکھے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا گنہگار ہوگا۔ (اصول الدعوۃ صفحہ ١٦٩ المطلب الرابع الفتویٰ)

اور اگر جواب نہیں آتا ہو تو صاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا اس لیے کہ لا ادری بھی نصف علم ہے امام مالکؒ سے ٤٨ مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ٣٢ کے بارے میں لا ادری فرمایا۔ (اصول الدعوۃ صفحہ ١٧١)

(١٤) مفتی فتویٰ دیتے وقت صرف جزئیہ نقل کرے اور جزئیہ کے نقل کرنے میں بھی معتبر کتابوں پر اکتفا کرے۔ (معین الحکام صفحہ ٢٦)

(١٥) مفتی فتویٰ دیتے وقت غیر مشہور اور غیر معروف کتابوں سے اجتناب کرے ہاں اگر معتبر کتابوں سے ان کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

وعلى هذا اقرأ من الكتب الغريبة التي لم تشتهر حتى تتظاهر عليها الخواطر ويعلم صحة ما فيها۔ (عقود رسم المفتی صفحہ ٣٢)

اسی بنا پر غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا حرام ہے یہاں تک کہ عقل اس کو قبول کرے اور اس کی صحت کا پتہ چل جائے۔

(١٦) مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جواب استفسار کے مطابق دے استفسار سے خارج جواب سے پرہیز کرے تاکہ مستفتی کو اصل مقصود حاصل ہو۔ (اصول الدعوۃ صفحہ ١٧١)

(١٧) مفتی جب جواب لکھے تو دلیل سے جواب دے تاکہ مستفتی کو اطمینان قلبی حاصل ہو سکے۔

علامہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں ان یذکر دلیل الحکم و ماخذه ما امکنه من ذلک۔ کہ مفتی حتی الامکان جواب کی دلیل اور اس کا ماخذ ذکر کرے۔

(١٨) مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سر ورق پر بسمہ لکھے یا الجواب و باللہ التوفیق لکھے اور آخر میں واللہ اعلم و ھو الموفق لکھے۔

علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ:

ينبغي ان يكتب عقب جوابه والله اعلم
وقيل يكتب في العقائد والله الموفق۔
(طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۹)

مفتی کے لیے مناسب ہے کہ جواب کے آخر میں
واللہ اعلم کے لفظ تحریر کرے اور اگر مسئلے کا تعلق
عقائد سے ہو تو آخر میں واللہ الموفق لکھے۔

(۱۹) مفتی کو چاہیئے کہ جواب لکھتے وقت اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کرے اور محتاج محض بن کر
اپنے آپ کو خدا کے آگے پیش کرے اور کثرت سے دعا کرے۔ یلیق بالمفتی ان یکثر
الدعاء۔ (اعلام ج ۴ ص ۲۵۷)

(۲۰) مفتی کو چاہیئے کہ تغیر خلق اور اشتغال قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دے، مثلاً غصہ کی حالت،
اسی طرح غمی و خوشی، تکلیف، غلبۂ نیند اور بھوک و پیاس کی حالت یعنی ہر اس حالت میں جس میں
طبیعت اعتدال سے نکل جاتی ہے فتویٰ دینا جائز نہیں البتہ اگر اعتدال سے نہ نکلے تو پھر بعض
ایسے حالات میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۴۶)

(۲۱) جس فتویٰ کا تعلق ایمان و اقرار یا اس جیسے دیگر امور سے ہو تو جب تک لافظ کے احوال
اور عرف یا کسی معتبر و معتمد عالم سے جو ان الفاظ و عرف کا ماہر ہو پوچھ کر معلوم نہ کرے تب تک
جواب نہ دے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۴۸)

(۲۲) فتاویٰ میں تساہل کرنا حرام ہے، جو شخص تساہل کیا معروف ہو تو اس سے استفتاء کرنا بھی
درست نہیں۔ تساہل میں یہ داخل ہے کہ کما حقہ استفتاء دیکھنے سے قبل جواب لکھنے میں جلد بازی
کرے، اسی طرح سائل نے سوال نہ کیا ہو اور مفتی جواب دینے لگے، البتہ اگر سوال کا پہلے سے
علم ہو تب تو جواب دینے میں جلد بازی کرنا درست ہے۔ اسی طرح تساہل میں یہ بھی شامل
ہے کہ حرام اور مکروہ حیلوں کو تلاش کرنے لگے اور درمیان میں کوئی غرض فاسد ہو۔
(شرح المہذب ج ۱ ص ۴۶)

(۲۳) مفتی جب فتویٰ مکمل کرے تو اپنے ہم نشین علماء و فضلاء کو (چاہے وہ اس کے شاگرد
ہی کیوں نہ ہوں) بطور مشورہ کے سنائے اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ آپس
میں بحث و مباحثہ کرے اور جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تامل قبول کرے۔
(مقدمہ شرح مہذب فصل آداب المستفتی والمفتی)

(۲۴) اگر فتویٰ میں کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہو تو اس کتاب کی جلد نمبر، صفحہ نمبر اور اگر ہو سکے
باب اور فصل بھی تحریر کرے، اور اگر اس کتاب کے مختلف الطبع نسخے ہوں تو مطبع (پریس)

کا نام بھی تحریر کرے۔

(۲۵) اگر کسی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں دیکھی ہو تو اولاً تو خود اس کتاب میں دیکھ کر نقل کرے ورنہ بصورت دیگر اس کتاب کی عبارت بحوالہ کتاب ثانی لکھے۔ مثلاً ایک مسئلہ مفتی نے امداد الفتاویٰ میں بحوالہ رد المحتار دیکھا ہے اور شامی مفتی کے پاس ہے نہیں تو وہ مسئلہ کے جواب میں یوں تحریر کرے: ھکذا فی رد المحتار بحوالہ امداد الفتاویٰ۔

(۲۶) مفتی جواب دینے میں میانہ روی سے کام لے، نہ بہت باریک لکھے اور نہ بہت جلی، اور نہ ہی ایک جواب میں مختلف قسم کی روشنائی استعمال کرے تاکہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بلکہ ایک ہی قسم کے قلم اور روشنائی سے جواب لکھے۔ (مقدمہ تشریح مہذب ص۱۲ آداب الفتویٰ)

(۲۷) جواب لکھنے میں استفسارات کی ترتیب کا خیال رکھے یعنی جو پہلے ہے اس کا جواب پہلے، علیٰ ھذا القیاس۔ البتہ مسافر اور حوائج کا لحاظ رکھ سکتا ہے جبکہ تاخیر کرنے سے ان کا نقصان ہو رہا ہو۔ (البحر الرائق جلد ۶ ص۲۹۸)

(۲۸) اگر استفسار یعنی سوال کے درمیان یا آخر میں جگہ خالی ہو جس میں جعل سازی ہو سکتی ہو تو مفتی از خود وہاں لکیر ...... یا کراس (× × ×) کا نشان لگا دے تاکہ جواب دینے کے بعد کوئی شخص اس میں جعل سازی نہ کر سکے جو آئندہ کسی فتنہ و فساد کا باعث بنے۔ اگر سوال کے مختلف اجزاء ہوں تو مفتی اجزاء کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے نمبروار جواب لکھے تاکہ مستفتی پر التباس نہ آئے۔ اور اگر بالفرض تحریری جواب میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو مثلاً مسئلہ کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا تحریری فتویٰ فتنہ انگیزی کا باعث بنتا ہو تو زبانی جواب دینے پر اکتفا کرے تحریری جواب نہ دے اس لیے کہ کسی مسئلہ کا تحریری جواب دینا لازمی نہیں۔ اگر کسی واقعہ کا بذات خود مفتی کو علم ہوا اور استفسار واقعہ کے خلاف ہو تو اس صورت میں جواب دینے سے گریز کرے اور از سر نو صحیح صورت حال کے موافق جب سوال ہو جائے تو پھر جواب تحریر کرے، اس لیے کہ بعض اوقات لوگ محض دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے فتویٰ لکھوا لیتے ہیں جس سے فتنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ص۳۵)

(۲۹) اگر مفتی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو دو فریقوں کے مابین متنازع ہو اور وہ تنازع بھی مشہور ہو تو اسے چاہیے کہ کسی حیلے سے کام لے کر اس سے اپنا دامن چھڑا لے اور اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے پرہیز کرے۔

(۳۹) اگر مستفتی کی نیت استفسار کی نہ ہو بلکہ اعتراض کی ہو تو اس کو بالکل جواب نہ دے۔

(۴۰) اگر مفتی کے پاس وراثت کا مسئلہ آجائے تو اس میں بہت احتیاط سے کام لے، اس لیے کہ میراث کا مسئلہ بسا اوقات نزاع اور جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے لہٰذا اچھی طرح تحقیق کرکے مستفتی سے ورثاء کی تعداد معلوم کرکے جواب لکھے اور آخر میں یہ چند الفاظ لکھے:۔

"بنابر صحت واقعہ مذکورہ اگر ورثاء کی تعداد صورت مسئولہ کے موافق ہے تو جواب یہ ہوگا تاکہ مفتی عنداللہ اور عندالناس ماخوذ نہ ہو۔ در جملہ ورثاء کے حصوں کو الگ الگ کرکے لکھے۔

(۴۱) اپنے دیئے ہوئے فتوے کی ایک نقل اپنے پاس رکھے تاکہ بوقت ضرورت فتنہ سے بچنے کا ذریعہ بنے اور ایک علمی سرمایہ بھی تیار ہو جائے۔

(۴۲) مفتی کو چاہئے کہ مسئلہ کا جواب لکھنے کے بعد اس پر نظر ثانی کرے تاکہ غلطی و التباس جواب سے نکل جائے اور اگر تصحیح کی ضرورت ہو تو جواب کو درست کیا جاسکے۔ (شرح مہذب جلد ۱ ص ۱۲)

تو فتویٰ دینے میں ان جملہ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بغیر اس کے فتویٰ صادر کرنا اکثر فتنہ اور فساد کا باعث ہوتا ہے جبکہ اسلام نے فتنہ اور فساد سے منع کیا ہے۔

# آداب المستفتی

مستفتی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عالم دین سے کسی دینی مسئلہ کے بارے میں حل دریافت کرے۔

چونکہ دین سارے کا تعلق ادب اور احترام کے ساتھ ہے اور دین نام ہی ادب کا ہے اسی لئے فقہاء نے مستفتی کے لیے چند آداب مقرر فرمائے ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مفتی سے مسئلہ کا حل دریافت کرنا ضروری ہے۔ اور وہ آداب درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مستفتی کو جب کوئی حادثہ پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ کسی معتمد مفتی سے مسئلہ کا حل طلب کرے۔ اگر اپنے شہر میں قابل اعتماد مفتی نہ ملے تو مسئلہ کا جواب معلوم کرنے کیلئے کسی دوسرے شہر کا سفر کرے۔

۲۔ مسئلے کا حل کسی ایسے شخص سے دریافت کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس کی اہلیت کے لیے یہ کافی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت عام ہو یا بقول متاخرین علماء کرام وہ خود

رجوع کرے کما فی احسن الفتوی۔

۳۔ مفتی کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھے گفتگو میں سختی سے کلام نہ کرے اور نہ ہاتھ سے مفتی کے چہرے کی طرف اشارہ کرے۔

۴۔ استفتاء کے وقت مفتی سے یوں نہ کہے کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے یا اس کے بارے میں آپ کے امام یا امام شافعی کا کیا مذہب ہے بلکہ مفتی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرے اور مسئلہ کا حل پوچھے۔ ہاں اگر مستفتی امام معین کے مذہب کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو تب یہ کہنا بجا ہے کہ اس بارے میں فلاں امام صاحب کا کیا مذہب ہے؟

۵۔ مفتی کے جواب دینے کے بعد یوں نہ کہے کہ میرا بھی یہی خیال تھا یا یہ تو میری بھی رائے ہے اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے بھی یہی کہا تھا اور نہ یہ کہے کہ اگر آپ کا فتوی فلاں شخص کے موافق ہو تو لکھیں ورنہ نہ لکھیں۔

۶۔ مفتی سے اس کی حالت قیام یا اٹھتے یا ایسی کسی دوسری حالت میں مسئلہ کا حل نہ پوچھا جائے اسی طرح جس وقت مفتی کا دل کسی اور کام میں مشغول ہوتا اس وقت بھی مسئلہ کا حل دریافت کرنے سے اجتناب کرے۔

۷۔ اگر سوال تحریر کی صورت میں مقصود ہو تو اگر خود نہ لکھ سکتا ہو تو پھر کسی ایسے کاتب سے لکھوائے جو سوال کی غرض و غایت کو پوری طرح واضح کر سکتا ہو اور وہ صاف ستھرا اور خوشخط لکھ سکتا ہو۔

۸۔ مستفتی کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مفتی سے دلیل فتوی کا مطالبہ نہ کرے البتہ اگر اسی مجلس میں دلیل کا مطالبہ ضروری ہو تو چاہیے کہ پہلے مفتی کے فتوی کو قبول کرے پھر بعد میں دلیل طلب کرے لیکن بہتر یہ ہے کہ دلیل کا مطالبہ مفتی سے کسی دوسری مجلس میں کرے۔

۹۔ مستفتی کو چاہیے کہ اپنے مسئلہ کو سوال کی شکل میں بڑے سائز کے کاغذ پر واضح کر کے لکھے۔ بڑے کاغذ پر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات جواب تفصیل طلب ہوتا ہے کہ مفصل جواب لکھنا ضروری ہوتا ہے جبکہ چھوٹے کاغذ پر جواب مختصر لکھا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ جواب مستفتی کے ضرر اور نقصان کا باعث بن جائے اس لئے استفتاء سوال

بڑے کاغذ پر لکھنا ضروری ہے ۔

۱۰۔ استفتاء میں دعائیہ کلمات لکھنے چاہئیں۔ اگر کسی معین شخص سے سوال کرنا مقصود ہو تو خاص اس کے لیے دعائیہ کلمات لکھے ورنہ دعائیہ کلمات عمومی نوعیت کا تحریر کرے ۔

۱۱۔ اگر فوراً جواب مطلوب ہو تو مستفتی کو چاہیے کہ کاغذ کھول کر نہایت ادب کے ساتھ مفتی کے سامنے رکھے اس کو کاغذ کھولنے کی تکلیف نہ دے اور نہ ہی اگر جلد لینے کی زحمت دے ۔

# فتویٰ کی اہمیت

## اور

## جامعہ حقانیہ میں دارالافتاء کا قیام

حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب۔ استاذ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم، اما بعد!

کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کا ہر تصرف اور حکم بے شمار حکمتوں، اسرار و نکات اور لطائف کا خزانہ ہے۔ جب بھی کسی عاقل، بالغ اور ذی شعور شخص نے اس میں غور و فکر کیا تو اس کی عقل حیران ہو گئی اور آخر کار اسے یہ کہنا پڑا کہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

اور پھر خالق کائنات نے اشرف المخلوقات حضرت انسان کے لیے ایک ایسا عجیب و غریب اور فطرت کے مطابق قانون اور نظام نازل فرمایا کہ جس پر عمل کرنے سے بنی نوع انسان کے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ جس میں امیر و غریب، سید اور غیر سید، آقا و غلام، خوبصورت اور بدصورت کا کوئی امتیاز نہیں اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا فلاں مسئلہ اسلامی قانون کے تحت حل نہیں ہوا۔ اس لیے امارت اسلامیہ میں جہاں محکمہ قضاء کے قیام کا حکم ہے وہاں محکمہ افتاء کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے۔

### قضاء و افتاء میں فرق

قضاء اور افتاء تقریباً قریب قریب دونوں ایک ہی ہیں، بیشتر شرائط اور اصول میں دونوں برابر ہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط و آداب بیان کیے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات وضاحت کے ساتھ لکھی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لیے بھی ہیں اور جہاں مفتی کی شرائط کا ذکر ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہے۔ البتہ قاضی اور مفتی میں فرق صرف اتنا ہے کہ قاضی اکثر اوقات میں معاملات کے مسائل حل کرتا ہے اور مفتی عبادات کے مسائل، دوسرا فرق یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ لوگوں پر جبراً نافذ کیا جاتا ہے کیونکہ قاضی قوت نافذہ کا مالک ہوتا ہے اس کے برعکس مفتی

فتویٰ کا لزوم یہ جبر اً نافذ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مفتی صرف مُبیّن ہوتا ہے۔

یہاں میں پہلے قضاء اور افتاء کے معانی واضح کرکے بعد میں افتاء کی عظمت و اہمیت پر مختصراً عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ قضاء کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو مضبوط بنانا، اور شرعی معنی یہ ہے کہ اسلامی معاملات اور مسائل میں فیصلہ دینا۔ اور فتویٰ کا صحیح لغوی معنی قوی کرنا، واضح کرنا اور بیان کرنا ہے، اور یہی معنی قرآن کریم کی سورۂ یوسف میں استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے: يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ (یعنی جواب دیجئے) اور فتویٰ کا اصطلاحی اور شرعی معنی یہ ہے کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا، اور یہی معنی اس ارشاد ربانی کا ہے: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ حکم بیان فرماتے ہیں تم کو کلالہ کا۔

جب فتویٰ کا معنی معلوم ہو جائے یعنی شرعی مسئلے کا جواب دینا تو اس کے بعد فتویٰ کی اہمیت سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

## منصب افتاء کی عظمت

فتویٰ یا افتاء ایک عظیم اور اہم بالشان امر ہے اور اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ارشاد ربانی ہے: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (سورۃ النساء ۱۷۶) "یعنی حکم پوچھتے ہیں آپ سے، سو آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے یعنی حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔"

فتویٰ کی عظمت شان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ، در اصل کسی مسئلے کے جواب کی نسبت اپنی ذات اقدس کی طرف فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اس عظیم اور پروقار عہدے کو سنبھالے رکھا اور بے شمار فتوے جاری کیے، اگرچہ اس وقت فتویٰ یا مفتی کی اصطلاح رائج نہ تھی لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتویٰ کا اصل معنی کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا ہے۔ اس اعتبار سے پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں سائلین کے جوابات فتاویٰ ہی تھے اور آپ اپنے زمانے کے مجیب اور مفتی اعظم بھی تھے۔ چونکہ منصب رسول مفتی سے بدرجہا بہتر و افضل ہے اسی وجہ سے آپ رسول کے مقدس نام سے یاد کیے جاتے ہیں، اگرچہ حضور علیہ السلام اپنے زمانے کے قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم بھی تھے اور آپ کے فتاویٰ حدیث نبوی کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ

یہ منصب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوتا مگر زیادہ نازک اور پُرخطر ہونے کی وجہ سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ کام کسی اور صاحب کے سپرد کیا جائے اور خود اس ذمہ داری سے بچ جائیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتویٰ دینے والوں کی تعداد بہت کم رہی۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق "اعلام الموقعین" میں صحابہ کرامؓ میں سے مفتی حضرات کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر بتائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## منصب افتاء اور خطرات

منصب افتاء اگرچہ ایک عظیم مقام ہے لیکن اس عظمت کے ساتھ ساتھ اس میں عظیم خطرات بھی موجود ہیں۔ کیونکہ بلند مقام پر پہنچنے والا جب گرتا ہے تو بلند مقام ہی سے گرتا ہے۔ تو منصب افتاء کی عظمت کے پیش نظر اس میں لاپرواہی سے فتویٰ دینا یا غفلت کرنا باعث عذاب ہوتا ہے، مثلاً:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اسی (فتویٰ دینے والے) پر ہوگا۔ (ابوداؤد ص کتاب العلم)

(۲) یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جرأت مند وہ ہوگا جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرأت مند ہو۔ (مقدمہ دارمی باب ص ۱۲۵)

(۳) علامہ ابن قیمؒ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص بغیر علم کے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے تو اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔

(اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۱۲)

(۴) یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فتویٰ دیتا ہو اور حقیقت میں وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اُسے فتویٰ دینے سے روک دے بصورت دیگر حاکم بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ من افتی الناس ولیس باھل للفتویٰ فھو آثم عاص ومن اقرہ من ولاۃ الامور علی ذلک فھو آثم ایضاً۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲۱۶)

ترجمہ: یعنی جو شخص لوگوں کو فتویٰ دینے لگے اور وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو تو وہ گنہگار و نافرمان ہے اور جو صاحب اختیار شخص ان کو اس منصب پر برقرار رکھے گا وہ بھی گنہگار ہو گا۔

اس سخت وعید کی وجہ سے اس پر خطر منصب پر اکابرین امت بہت احتیاط کرتے تھے۔

(۵) چنانچہ ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہ میں سے ایک سو بیس صحابہ کرامؓ کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اس مسئلے کو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کی طرف بھیجتے۔ یہاں تک کہ سائل اول مسئول ہی کی طرف واپس آجاتا۔ (مباحث فی احکام الفتویٰ ص ۱۲)

(۶) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو مفتی ہر مسئلے کا جواب دے تو وہ مجنون ہی ہو سکتا ہے۔

(۷) اسی طرح حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کے پاس ایک آدمی فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا تو آپ نے اس کو جواب دیا کہ میں اچھی طرح نہیں جانتا۔ اس پر سائل نے کہا کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ لا تنظر الی طول لحیتی وکثرۃ الناس حولی۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲۲۵) یعنی تم میری لمبی داڑھی اور میرے گرد لوگوں کے ہجوم کو مت دیکھو۔

(۸) امام شعبیؒ اور حسنؒ دونوں حضرات تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک شخص کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ خود اسے حل نہ فرماتے بلکہ اس مسئلے کے حل کے لیے بدریین صحابہؓ کو جمع کرتے۔ (امام نوویؒ شرح المہذب)

(۹) امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں کبھی بھی فتویٰ نہ دیتا۔ مستفتی حضرات کو بغیر مشقت کے مسئلہ مل جاتا ہے اور ان کا بوجھ میرے سر پر عائد ہو جاتا ہے۔

(۱۰) امام مالکؒ فتویٰ دینے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ بعض اوقات پچاس مسائل میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہ دیتے۔ (شرح عقود رسم المفتی ص ۔)

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے آپ کو افتاء کے لیے پیش کیا تو اس نے ایک عظیم کام سر پر اٹھا لیا۔ اسے چاہیے کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے۔

(۱۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فتویٰ دینے سے احتراز کیا، حتیٰ کہ میرے بارے میں ستر اکابر علماء نے یہ شہادت دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں تب میں نے استفتاء کا جواب دینا شروع کیا۔

## اسلامی مملکت میں دارالافتاء کا قیام

(۱۳) ان خطرات کے پیش نظر دارالافتاء کا قیام اور اس میں نیک اور ماہر مفتیان کی تقرری حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے۔ اور حکومت کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان دارالافتاء کی پوری نگرانی کرے، اہل اختصاص کو مقرر کرے اور کم علم، عدم صلاحیت رکھنے والے، غیر عادل فسق و فجور میں مبتلا اور حیلہ باز مفتیان پر پابندی لگا کر ان کو فتویٰ دینے سے روکے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

"اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ جابجا لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔ اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص قابل لوگ افتاء کے لیے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی تھی مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ اور ابوالدرداءؓ وغیرہ۔ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں: سابق وعظ و فتویٰ موقوف بود بر رائے خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتویٰ نمی دادند۔" (الفاروق ص ۲۳۲)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ اس معاملہ میں اتنے سخت تھے کہ کوئی غیر مقرر شدہ شخص فتویٰ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ مقرر شدہ مفتیان کے فتاویٰ کی بھی جانچ پڑتال ہوتی تھی۔

علامہ نعمانیؒ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :-

"بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا
فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا
اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ دینے کے مجاز نہ ہوتے" (الفاروق ص ۔)

## مسلکِ احناف اور فتویٰ کی عظمت

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دورِ اسلام میں اکثر فروعی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف رہا ہے لیکن یہ اختلاف مجتہدین کے کسی ذاتی مفاد و اغراض پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ اختلاف مسائل کی بنیاد اور اصل نوعیت کی وضاحت پر مبنی تھا۔ اور خصوصاً مسلکِ احناف میں مسئلہ کی بنیاد واضح کرنے کے ساتھ یہ بات بھی مدنظر ہے کہ کسی مسئلہ میں قوی دلیل کے باوجود ضعیف دلیل پر عمل نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ علمائے احناف نے ضعیف کے مقابلے میں قوی دلیل پر عمل واجب قرار دیا ہے اور قوی کے مقابلے میں ضعیف دلیل پر عمل کو ناجائز قرار دیا ہے۔ دلیل کی قوت بعض اوقات ماخذ اور مصدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور بعض اوقات جمہور علمائے کرام کے اتفاق رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنی احتیاط کی کہ صرف اپنے ہی فتویٰ اور تحقیق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے دارالتحقیق والافتاء میں مسائل کی تحقیق و جستجو کے لیے اس وقت کے مجتہدین اور جید علمائے کرام کی شوریٰ بنائی۔ یہ شوریٰ صلاحیت کے اعتبار سے کم و بیش ہوتی رہتی تھی، لیکن محققین علمائے کرام نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دارالتحقیق والافتاء کے محققین اور مشاورین کی تعداد چالیس تھی۔

حضرت العلامہ امام الکردری امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی علمی مجلسِ شوریٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب مناقب الامام الاعظمؒ میں فرماتے ہیں کہ: امام الائمہ نے اپنے مذہب کی بنیاد کے لیے ایک شوریٰ بنا کر مسائل کے اجتہاد و تحقیق میں فقط اپنے آپ پر اعتماد نہیں کیا تاکہ دینِ مقدس میں صحیح اجتہاد ہو جائے اور دین کی صحیح خیر خواہی کی جائے۔ ایک ایک مسئلہ پر شوریٰ میں بحث ہوتی تھی اور امام الائمہ اپنی شوریٰ کے ارکان سے باقاعدہ مسئلے کے بارے میں دلائل کا پوچھتے بعض اوقات ایک مسئلہ میں ایک مہینہ تک بلکہ مہینہ سے بھی زیادہ بحث جاری رہتی اور کمال

تحقیق و تنقیح کے بعد مسئلہ جب مدلل ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ کو حکم فرماتے کہ اب اس مسئلے کو قلمبند کریں۔ گویا امام اعظم نے نہ کبھی تخمین سے فتویٰ دیا اور نہ فقط اپنی رائے سے۔

علامہ اسد بن الفرات اپنی کتاب "حسن التقاضی" میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کی شوریٰ کے وہ ارکان جو کتابیں مدون کرتے تھے چالیس افراد تھے۔ ان میں سے دس حضرات متقدمین کے نام سے مشہور ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، داؤد الطائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالدؒ، یحییٰ بن زکریاؒ قابل ذکر ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور تحقیق میں کمال احتیاط کا نتیجہ نکلا کہ علمائے امت نے درجۂ اجتہاد میں ان کو مجتہد مطلق اور امام اعظم کے لقب سے ملقب کیا۔ اعظم کا لقب کسی اور مجتہد کو نہیں دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم المصریؒ اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں: هو كالصديق رضى الله تعالى عنه، فان الصديق رضى الله عنه اول من آمن من الرجال والحنيفة اول من دون الفقه" یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مانند ہیں یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ایمان لائے اور امام اعظمؒ بھی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی۔ یہی حال امام ابو یوسفؒ کا تھا جو اپنے وقت کے مجتہد تھے۔ آپؒ نے بھی اجتہاد میں امام ابو حنیفہؒ ہی کی اتباع کی اور بالانفراد اپنے اجتہاد پر اکتفا نہیں کیا۔ یہ ان کے احتیاط کی دلیل ہے اور اس احتیاط کا نتیجہ نکلا کہ اسلامی دنیا میں قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے آپؒ ہی کو ملا۔

امام سمعانیؒ اپنی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں: فاولهم واجلهم اى من: عظماء الشورى قاضى القضاة وفقيه العراقين حافظ الحديث ابو يوسف يعقوب بن ابراهيم وهو اول من دعى بقاضى القضاة فى الاسلام واول من وضع الكتب فى اصول الفقه واملى المسائل ونشرها۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ منصب افتاء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منصب افتاء علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے۔ فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اور ان کے متعلقات ہیں جن میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم مسئلہ کا

کو اپنے گھر سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد میں اشاعتِ علم و معارف جامعہ حقانیہ کی تاسیس پر مجبور کر دیا۔ رفتہ رفتہ طلباء کا ہجوم بڑھتا گیا اور تنگیٔ مسجد کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ یہاں جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے دل میں اللہ کی طرف سے گویا یہ الہام ہو گیا تھا کہ مسجد سے باہر کھلی جگہ میں حقانیہ کی بنیاد رکھی جائے۔

اس مختصر سی تمہید کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دارالعلوم کو مجبوری کی حالت میں نہایتی انداز میں وجود ملا۔ اللہ کے فضل و کرم سے دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیثؒ پر لوگوں کا اعتماد بڑھتا گیا جس کی وجہ سے اطراف و اکناف سے مجموعہ اسلام کثرت سے آنے لگے اور مسائل دینیہ سے واقفیت حاصل کرنے اور اس سلسلہ کے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے دن رات دارالعلوم آتے اور حضرت شیخ الحدیث ان کے مسائل شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں حل فرماتے تھے۔
ادھر علاقائی و تدریسی ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ حضرتؒ کو عوامی مسائل حل کرنے اور فتویٰ دینے کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا۔ اور مستفتی حضرات کو فتویٰ کے حصول کے لیے انتظار کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس ضرورتِ شدیدہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم میں باضابطہ طور پر دارالافتاء کا شعبہ قائم کیا گیا اور بحمداللہ دارالعلوم کے قیام سے لے کر آج تک لاتعداد فتاویٰ کا اجراء ہو چکا ہے جبکہ بعض مسائل زبانی سوال کر کے جواب حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں مسائل اور ان کے جوابات رجسٹروں میں درج کیے جا چکے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ میں شعبہ افتاء کے علاوہ دیگر شعبہ جات کے نگران و انچارج خود ہی تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان اور حضرتؒ کے اخلاص، خصوصی توجہات کی برکت سے دارالعلوم ہر شعبہ میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

دارالعلوم حقانیہ کے اوائل میں صرف ایک دارالافتاء تھا بعد میں کام کی زیادتی کی وجہ سے دوسرا دارالافتاء قائم کیا گیا جس میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی صوابدید کے مطابق جید علماء اور مفتی حضرات افتاء کی ذمہ داریاں نبھانے پر مامور ہیں۔ دارالافتاء میں ریکارڈ شدہ فتاویٰ کی ترتیب کا کام حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نائب مفتی جامعہ حقانیہ کی نگرانی میں درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے طلباء تحقیق و تخریج اور حذفِ مکررات کی صورت میں شروع ہو کر کافی حد تک ہو چکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب موصوف اپنی مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم

سے تشریف لے گئے اور یہ کام کچھ عرصہ کے لیے رک گیا۔

اب بحمد اللہ وہی محترم برادر مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ حقانیہ کے حکم پر ادارہ ان کی سرپرستی میں نوجوان عالم دین اور جامعہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے استاذ مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی اور شعبہ تخصص کے بعض طلبہ نے دن رات ایک کر کے اب تک جاری شدہ فتاویٰ کی دو بڑی جلدیں کی اور سارا وہ ذخیرہ جو دور اول سے رہ چکا تھا مرتب کیا۔

**اظہار تشکر**

اس عظیم کام کے جملہ مراحل کی تکمیل پر ہم اللہ جل شانہٗ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رب کریم نے اس گرانقدر اور عظیم علمی خزانے کو شائع کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ان حضرات مفتیان اور شعبہ تخصص کے طلباء کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے شب و روز محنت اور لگن سے کام کر کے اس بارگراں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ہماری دعا ہے کہ رب ذوالمنن ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت سے نواز کر اس فتاویٰ حقانیہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اور مزید تا قیامت قائم و دائم رہ کر ہم سب خدام جامعہ حقانیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنے۔ آمین

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز

(مولانا) حافظ انوار الحق عفی عنہ
نائب مہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ / ۵ جون ۲۰۰۱ء

# مفتیانِ حضرات کا مختصر سوانحی خاکہ

## شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء کو اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا حاجی معروف گل ولد الحاج میر آفتاب ولد عبدالحمید کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک تحقیق کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد کا وطن ضلع غزنی (افغانستان) ہے۔ ممکن ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد کی غرض سے ہندوستان آنے والے مجاہدین کے ساتھ آئے ہوں اور یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ کے والد ماجد اپنے قصبہ کے خوشحال اور صاحب ثروت افراد میں شمار ہوتے تھے، دینی خدمت کے ساتھ تجارت اور کاروبار ان کا ذریعہ معاش تھا۔ انہوں نے دینی غیرت وحمیت کی خاطر منکرات، بدعات اور غیر شرعی امور کے خاتمے کے لیے جہاد کا بھرپور ساتھ دیا، یہاں تک کہ اپنے دور کے عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی کے ساتھ تحریک جہاد میں معاون رہے۔

**ابتدائی تعلیم و تربیت** گھر کے پاکیزہ ماحول اور والدین کے زہد و تقویٰ کی برکت تھی کہ بچپن ہی سے آپ کے دل میں دینی تعلیم کی تحصیل کا داعیہ پیدا ہو گیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین، اور گاؤں کے مشہور بزرگ حاجی صاحب قصابان اور ممتاز بزرگ مولانا عبدالقادر صاحب وغیرہ سے حاصل کی۔

آپ نے آٹھ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے سفر کا آغاز کیا اور مختلف مقامات پر

بند اور ممتاز علماء کرام سے تعلیم حاصل کی ، یہاں تک کہ آپ ۱۳۴۷ھ کو ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے ۔ وہاں درس نظامی کی باقیماندہ کتابوں کی تحصیل کی اور ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی ۔

### دیوبند میں اساتذہ کرام

دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ کرام سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سر فہرست شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ہیں ان کے علاوہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندی حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ، مولانا رسول خان ہزاروی ، مولانا اصغر حسین دیوبندی ، مولانا مرتضیٰ حسن ، مولانا عبدالسمیع دیوبندی وغیرہ سے بھی آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ۔

### تدریس کا آغاز

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک تشریف لے آئے اور یہاں کی ایک چھوٹی سی مسجد (جو اب حضرت مولانا عبدالحق کے نام سے مشہور ہے) میں مختلف علوم و فنون کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تدریس شروع کی اور صبح و شام درس و تدریس میں مشغول رہتے ۔ جلد ہی دور و نزدیک اور قرب و جوار سے شائقین علوم دینیہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آنے لگے اور آپ کا حلقۂ درس وسیع ہونے لگا ۔ طلباء کی کثرت کی وجہ سے آپ کے والد محترم نے اپنے خرچ پر ایک مدرسہ عالم دین کو بطور معاون مدرس مقرر کیا

ان ہی دنوں آپ نے انجمن تعلیم القرآن کے نام سے ایک اسلامی سکول کی بنیاد رکھی اس کی ایک ابتدائی تقریب میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ نے بھی شریک ہوئے اور افتتاح کیا ، حضرت مدنی آپ کے کام پر بہت خوش ہوئے اور کامیابی کے لیے دعائیں کیں ۔

### دارالعلوم دیوبند میں تقرری

یہاں آپ کا حلقۂ درس دن بدن وسیع ہوتا رہا ، ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ نے آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی علمی استعداد سے نوازا تھا اس لیے بہت جلد اعلیٰ درجے کی کتابیں پڑھانے لگے اور آپ کا شمار اکابر اساتذہ میں ہونے لگا ۔

### دارالعلوم حقانیہ کا قیام

دارالعلوم دیوبند سے آپ ۱۳۶۶ھ کو رمضان المبارک کی تعطیلات میں

اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو اسی دوران ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوگیا اور مسلمان پاکستان کو اور ہندو ہندوستان کو جانے لگے تو راستے میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا جس کی وجہ سے آپ کا دارالعلوم دیوبند واپس جانا مشکل تھا، اس پر حضرت مدنیؒ نے حکومت سے مل کر آپ کو بحفاظت دیوبند پہنچانے کا خصوصی انتظام بھی کیا مگر آپ کے والد صاحب اس پر آمادہ نہ ہوئے اور آپ کو دیوبند جانے سے روک دیا۔

اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ جلد ہی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ ایک چشمۂ فیض جاری ہوگیا، آپ نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں توکلاً علی اللہ ۲۳ شوال بمطابق ستمبر ۱۳۶۶ھ کو دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی ابتداء ایک چھوٹی سی مسجد سے ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ ادارہ علوم و معارف کا گنجینہ بنے گا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ دارالعلوم حقانیہ کی تبلیغی تعلیمی اور دینی خدمات کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "دیوبند ثانی" کا خطاب دیا۔

**بیعت و سلوک**

آپ نے عارف باللہ شیخ عظیم مجاہد حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کر چکے تھے، ان کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے مشفق استاد حضرت مدنیؒ سے بیعت لی اور سلوک کے جملہ مراحل ان سے طے کیے۔

**دیگر خدمات**

آپ نے اپنی پوری زندگی دین و علوم دین کی ترویج و اشاعت میں گزاری لیکن درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے ملی، سیاسی اور سماجی خدمات میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے بدعات و رسومات کے خلاف حکیمانہ انداز میں کام جاری کیا جن کے نتیجے میں اکوڑہ خٹک اور اس کے گردونواح سے بدعات و غیر شرعی رسومات کا خاتمہ ہوگیا۔ تحریک خلافت اور تحریک قادیانیت کے تعاقب اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے دیگر علماء حق کے دوش بدوش کام کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے ملکی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ایوان میں شریعت کے نفاذ کے لیے انتھک کوشش کی۔

۱۹۷۷ء میں جب نظام مصطفیٰ کی تحریک شروع ہوئی تو باوجود علالت ضعف اور پیرانہ سالی کے آپ نے اس میں دیگر علماء کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ جیل کی صعوبات

میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے ۔

## طرزِ فتویٰ اور احتیاط

حضرت الشیخ مدظلہ جس طرح ایک عظیم محدث، مدبر، سیاست دان اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اسی طرح عوام و خواص میں ایک عظیم فقیہ اور محتاط مفتی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے، لوگ آپ سے بالمشافہ و بذریعہ ڈاک مسائل کا حل طلب کرتے تھے اپنے ذاتی تنازعات اور گھریلو جھگڑے بھی آپ ہی سے حل کرواتے تھے۔ یہاں مختصراً آپ کے اندازِ فتویٰ اور اس میں احتیاط کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:-

۱- آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ سائل کو اس کا جواب پورا سمجھایا جائے اس لیے جواب لکھتے وقت بات مکمل کر کے بیان فرماتے اگرچہ بیان طویل ہو جاتا ۔

۲- فتویٰ لکھتے وقت آپ فقہ حنفی کی مشہور کتب بدائع الصنائع، ہدایہ اور در مختار سے استفادہ فرماتے تھے ۔

۳- فتویٰ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خود تو کیا دارالعلوم حقانیہ کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے ۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۴۰۸ھ میں سالانہ چھٹیوں کے دوران ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ چھٹیوں میں یہاں رہ کر دارالافتاء کی خدمت سرانجام دو گے، تو مجھ پر یہ بوجھ بہت بھاری لگا، خود یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی فتویٰ تصویب کے بغیر دے دوں۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں اس سے قبل مسائل و جزئیات پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا، جب میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو مسئلہ بھی تم لکھو گے تو پہلے مجھے سناؤ گے، یہ اس لیے کہ اگر کوئی جدید مسئلہ ہو تو ذہن میں آجائے۔ اس سے آپ کا مقصد استفسارِ مسائل نہیں بلکہ احتیاط ملحوظ تھی۔ چونکہ کسی بھی مسئلہ جواب آپ کو سنائے بغیر بھیجنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اس لیے میں مسائل کے جواب لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتا، اگر آپ تائید فرماتے تو سائل کو وہ جواب بھیجا جاتا۔ لیکن دس دن نگرانی کرنے کے بعد جب اعتماد

پیدا ہو گیا تو فرمایا کہ مجھے سننے کا وقت کم ملتا ہے اس لیے سنانے کے بجائے لکھ کر بھیج دیا کرو۔

۴۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول، حالات اور اس کے نتائج و عواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے اور مصلحت کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور لوگ شریعت کے کسی حکم کا مذاق نہ اڑائیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں :-

۵۔ ۱۹۹۰ء میں دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات کے دوران میں نے قضاء عمری کے بارے میں ایک فتویٰ دیا جس میں میں نے قضاء عمری کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ مروجہ قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور بدعت قبیحہ ہے ۔ جب آپؒ کو یہ جواب سنایا تو فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ نہایت تدین کی وجہ سے قضاء عمری کے ایسے عاشق ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجہ میں کہیں طیش میں آکر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں، اس لیے ان الفاظ میں یوں ترمیم کرو: "قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہمارے اسلاف نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔"

۶۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک پرانی قبر سڑک کی زد میں آتی تھی حکومت اس قبر کو مسمار کر کے سڑک کو سیدھا کرنا چاہتی تھی لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے۔ جب سرکاری اہلکاروں نے دارالعلوم سے فتویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے مشورہ کیا تو آپؒ نے فرمایا اگرچہ پرانی قبر کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ مذہبی جنون کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے، اس لیے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر

ہیں تاکہ اس پر سے سڑک گذار لی جائے۔ چنانچہ آپ کی اس حکمت، تدبر، حزم اور احتیاط کی بدولت سڑک بھی تعمیر ہوگئی اور لوگ بھی مشرکیہ اعتقاد سے بچ گئے۔

۷۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے تصوف کے سلاسل کے بارے میں سوال کیا تو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جواب میں فرمایا "سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ ایک ہی تالاب کی دو مختلف نہریں ہیں، دونوں کا مخزن و مرکز ایک ہے، پانی ایک ہے صرف راستے جدا جدا ہیں، دوسرے سلاسل تصوف اور مختلف فقہی مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ حنفیت، حنبلیت اور مالکیت سب کو ایک ہی تالاب سے پانی پہنچتا ہے، سب ہی ایک تالاب کے پانی سے دنیا کو سیراب کرتے ہیں، صرف راستے جدا ہیں، منزل اور مقصد سب کا ایک ہے، البتہ بعض لوگ دانستہ طور پر تصوف کے ان سلسلوں اور فقہی مذاہب کو فرقہ واریت پر محمول کرکے ذہن کو گمراہ کرنے اور دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔" (ماہنامہ الحق، شیخ الحدیث نمبر)

۸۔ اس کے علاوہ آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے اور اس میں جوابات کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

## حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں، دارالعلوم میں تو فوقانی درجات کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، موصوف علم معانی، علم اصول اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اس لیے ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، مطول، حسامی اور تلویح و توضیح جیسی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، دورۂ حدیث کی بعض کتابیں بھی آپ کے پاس ہوا کرتی تھیں لیکن مذکورہ کتب میں آپ طلباء کو بلاد بعیدہ سے بھی کھینچ لاتے تھے۔

**پیدائش**

آپ ضلع بونیر سوات کے ایک پسماندہ گاؤں باچکلے میں پیدا ہوئے۔ چونکہ قدیم زمانہ میں دیہات میں تاریخ پیدائش لکھنے کا رواج نہیں تھا اس لیے آپ کی تاریخ پیدائش دستیاب نہیں ہوسکی۔ تاہم جناب ہدایت الرحمٰن صاحب شاکر بونیری اور آپ کے ایک ہمعصر عالم دین مولانا عبدالکریم صاحب ساکن کلپانی کے بیان کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ۱۹۰۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔

**خاندانی پس منظر**

اہالیان گاؤں کے بیان کے مطابق آپ نسلاً "اخون" تھے اور پختونوں کے ایک ذیلی قبیلے "اخون خیل" سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ قوم جو یہاں قوم سے بھی زیادہ شہرت رکھتی ہے سوات میں آباد ہے۔

اخون خیل قبیلہ حقیقت میں ایک بزرگ کے نام کی طرف منسوب ہے جو اخون بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا مزار بونیر کے مشہور قصبہ بگرام میں واقع ہے۔ یہی اخون بابا "اخون خیل" قوم کے جد امجد ہیں۔ یہ قوم برسوں سے بونیر سوات آباد ہے۔

**ابتدائی تعلیم**

ابتدائی تعلیم آپ نے مختلف مراحل سے گزر کر حاصل کی۔ آپ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے علم دین کا وافر حصہ عنایت فرمایا۔

آپ کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ابتداء ہی سے تھا۔ قرآن مجید ناظرہ آپ نے اپنے علاقہ کے مقامی عالم سے پڑھا۔ اس کے بعد شوق علم کی بدولت آپ نے اپنے علاقہ میں ڈگر، کلپانی، پیلئی، ٹاکوٹو وغیرہ وغیرہ میں مختلف علماء سے مختلف ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۲۵ھ میں تکمیل درس نظامی اور علوم نبوت کے حصول نے آپ کو آبائی وطن چھوڑنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا اور آپ نے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ہندوستان کی مشہور علمی دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی میں داخلہ لیا جس کے اس وقت مہتمم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ دارالعلوم امینیہ میں آپ نے پورے سات سال دینی علوم سے وابستگی پیدا کرنے میں صرف کیے اور دورۂ حدیث تک آپ نے یہیں استفادہ کیا اور وقت کے عظیم عالم بن کر واپس اپنے گاؤں لوٹے۔

**ابتدائی اساتذہ کرام**

آپ کے بھتیجے مولانا عبدالکریم صاحب کے بیان کے مطابق جن علماء سے آپ نے استفادہ کیا ان میں مولانا عبدالمالک صاحب ننگر ہوتی، مولانا حبیب صاحب باجوڑ، مولوی محمد فاضل صاحب بیلئے اور مولوی محمد اخیار کاکا کیانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ جبکہ ہندوستان جانے کے بعد جن علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب آف سوات مدرس دارالعلوم امینیہ دہلی اور بعد از آں صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا شمس الدین صاحب آف ہزارہ، مولانا فضل حق مرحوم آف مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

**دورۂ حدیث کی سعادت**

ہندوستان کی مایۂ ناز دینی درسگاہ دارالعلوم امینیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔ احادیث کی کتابوں میں سے آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے پڑھیں، جبکہ مسلم شریف اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا [illegible]ؒ سے پڑھیں۔

**فراغت کے بعد علاقائی قاضی کے عہدہ پر تقرری**

دارالعلوم امینیہ دہلی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب آپ اپنے گاؤں واپس آئے تو گاؤں ہی میں آپ نے تدریس کا آغاز کیا۔ طلباء اور عوام دونوں کی آمد و رفت ہوتی رہی۔ اسی دوران میں آپ کو ریاست سوات کے عہدۂ قضا کی پیشکش کی گئی جو آپ نے قبول کر لی جس پر آپ کو ریاست سوات کا قاضی مقرر کر دیا گیا اور آپ لوگوں کے فیصلے شریعت کے مطابق کرنے لگے۔ تیس سال تک آپ اس عہدہ پر قائم رہے۔ بعد میں سیاسی اختلاف کی بنا پر قضا کے عہدہ سے آپ کو معزول کر دیا گیا۔

**دارالعلوم حقانیہ سے وابستگی**

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم نے آپ کو دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی۔ آپ نے قبول کر لی اور ۲ شوال المکرم [illegible]ھ کو دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی۔ بعد میں آپ کی اعلیٰ علمی اور تحریری صلاحیتوں کے پیش نظر دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی گئی جو آپ نے نہایت احسن طریقے سے نبھائی۔ ان کے فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ

کتاب میں محفوظ ہے۔ موصوف ہر مسئلہ پر نہایت جامع اور وسیع روشنی ڈالتے اور نہایت سلیس انداز میں فتوی کو بیان کرتے، تحریر نہایت شستہ ہوتی تھی۔

۱۱ شوال ۱۳۶۸ھ کو آپ نے بعض وجوہات کی بنا پر استعفا دے دیا اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک ہی چلے گئے وہاں تقریباً تین سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔ اور ۱۰ شوال ۱۳۸۱ھ کو حقانیہ میں آپ کی دوبارہ تقرری ہوئی اور رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ کو سبکدوش کر دیئے گئے۔ مجموعی طور پر تقریباً چودہ سال آپ نے دارالعلوم حقانیہ میں افتاء و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

## دارالعلوم حقانیہ سے سبکدوشی کی وجوہات

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب مولانا مودودی کے نظریات اور ان کی تحریرات و آراء سے بہت زیادہ متاثر تھے جس کا اظہار آپ نجی محافل کے علاوہ عموماً دورانِ درس بھی کرتے تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کا ماحول اکابر علماء دیوبند کے افکار و نظریات کے زیر اثر تھا اس لیے آپ کی تدریسی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت شیخ الحدیث صاحب تو آپ سے صرفِ نظر کرتے تھے مگر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا سید گل بادشاہ مرحوم وغیرہ سب اکابر کا دارالعلوم حقانیہ سے نہایت گہرا تعلق تھا، اور مودودی نظریات رکھنے کی بنا پر انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کرنے پر مصر تھے۔ اور آپ اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کرتے ہوئے بعض طلباء کو ہم خیال بنانے کی کوشش میں رہتے لیکن مجموعی طور پر آپ کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ موصوف اسی پر بس نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے مجلات اور رسائل میں مضامین اور مستقل تصانیف کے ذریعہ بھی اکابر علماء امت کے مودودی صاحب پر اعتراضات کے جوابات اور ان کا دفاع کرنے لگے، اور دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد تو آپ کی تحریرات میں جذباتی ردِ عمل کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اسلاف کے مسلکِ موقف سے متصادم موقف کی حمایت سے ترجمانی کرنے لگے۔

آخر کار حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ اور حضرت اکابرین کی خواہش اور ان حالات کے پیشِ نظر رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو انہیں دارالعلوم حقانیہ سے الگ کر دیا۔

اس کے بعد راولپنڈی وغیرہ کے مختلف مدارس میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر حضرو کے مدرسہ مدینۃ العلوم میں منتقل ہو گئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔

**تلامذہ** آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، دارالعلوم حقانیہ میں قیام کے زمانے میں ہزاروں طلباء و فضلاء آپ سے مستفید ہوئے۔ دارالعلوم حقانیہ کے موجودہ نامور اساتذہ میں سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ، حضرت العلامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب المدنی اور مولانا عبدالحلیم دیروی استاذ تفسیر دارالعلوم حقانیہ وغیرہ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

# حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

**ولادت** آپ یکم شوال المکرم ۱۳۴۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۲۶ء بروز جمعہ بوقت طلوع فجر مولانا حبیب اللہ صاحب کے گھر زروبی ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مولانا حبیب اللہ صاحب ایک جید اور متبحر عالم دین تھے، بعض فنون اور کتابوں میں آپ کی علمی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں کے علاوہ بلوچستان اور افغانستان کے طلباء بھی آپ کے حلقۂ درس میں پہنچ کر کسب فیض کرتے، اور آج بھی ان علاقوں کے بڑے بڑے علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔

چونکہ گھر میں علمی ماحول تھا اس لیے آپ کو حصول علم کے لیے ابتداء میں سفر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ فنون کی تمام کتابیں از ابتداء تا انتہاء اپنے والد محترم ہی سے پڑھیں۔ ۱۳۶۲ھ میں جب آپ کے والد محترم وفات پا گئے تو آپ نے منطق و فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتابیں حضرت العلامہ مولانا نعمان بہادر صاحب عرف مار تونگ مولانا صاحب، حضرت مولانا محمد نذیر صاحب بکیمرو اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب شاہ منصور اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھیں، حدیث میں کتب صحاح ستہ آپ نے محدث کبیر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی قدس سرہ سے پڑھیں اور

۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۵ء کو آپ کا امتحان لے کر دستارِ فضیلت سے نوازا۔ مولانا نور محمد کی
کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے بھی آپ
کو کتب حدیث پڑھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

**تدریس** ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں زروبی میں اپنی دینی درسگاہ میں پڑھانا شروع کیا۔ ایک سال کے بعد آپ کوہاٹ خٹک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ کے منتظمین کی دعوت اور اصرار پر بحیثیت مدرس جامعہ اسلامیہ تشریف لائے۔ یہاں آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی شروع کیا اور سات سال تک بحیثیت مدرس و مفتی خدمات انجام دینے کے بعد بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مستعفی ہو کر دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ چلے گئے۔ یہاں آپ صدر المدرسین اور استاذ الحدیث کی حیثیت سے لائے گئے تھے، چنانچہ تین سال تک مختلف علوم و فنون کی کتب کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد آپ کے زیر درس رہیں اور ساتھ ساتھ افتاء کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

۱۹۶۶ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی۔ ۱۳۸۶ھ میں دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی تقرری ہوئی اور آپ دارالعلوم حقانیہ تشریف لے آئے ـــــ اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے ایک دفعہ مولانا سمیع الحق صاحب سے فرمایا کہ جب حضرت مولانا مرحوم نے مجھے دارالعلوم حقانیہ آنے کی دعوت دی تو میں متردد تھا اور سوچ ہی رہا تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے بیرونی گیٹ پر ایک بڑا بورڈ یا پوسٹر لگا ہے جس پر نہایت نمایاں الفاظ میں آیت کریمہ ومن دخله کان آمنا لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد فوراً شرح صدر ہوا اور دارالعلوم آنے کی دعوت قبول کرلی۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقریباً تیس سال (۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۵ء) تک درس و تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دی۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، عموماً نماز جامع مسجد دارالعلوم میں آپ خود پڑھاتے۔ ایک دن (          ) نماز فجر کے دوران آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے زبان اور جسم کا کچھ حصہ متاثر ہوا۔ ہر ممکن علاج معالجے کے باوجود آپ تدریس و افتاء کے فرائض انجام دینے کے قابل نہ ہو سکے اور دارالعلوم حقانیہ آپ

اعلیٰ تعلیمات سے محروم ہو گیا۔

**بیعت** آپ ۱۳۷۵ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ سے قادری، چشتی، نقشبندی تینوں سلسلوں میں بیعت ہوئے، جلد ہی شیخؒ کی طرف سے بیعت کرنے کی اجازت مل گئی، چنانچہ اصلاح باطن کے لیے علماء، طلباء اور عوام کی کثیر تعداد آپ سے بیعت ہونے لگی۔

**تصانیف** ایک مقبول مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایہ مصنف بھی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف و تالیفات طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں جو کہ علمی و دینی حلقوں میں بے حد مقبول ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں: (۱) عطایۃ القاری شرح صحیح البخاری مختصر (۲) منہاج السنن شرح جامع الترمذی ۵ جلد (۳) العقائد الاسلامیہ (۴) البشریٰ (۵) التقاریر (۶) مسائل حج (۷) رسالۃ التوسل ـــ ان کے علاوہ آپ کے سینکڑوں فتاویٰ، مقالات اور وقیع علمی مضامین بھی دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ "الحق" میں چھپتے رہے ہیں جو کہ مجموعہ فتاویٰ حقانیہ میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

**قضاء و افتاء** جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ ایک جید مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مفتی بھی ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک صدر مفتی کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کی علمی شہرت و مرتبہ کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک میں آپ کے فتاویٰ کسی بھی مسئلے میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نہایت مختصر مگر جامع فتویٰ لکھتے ہیں جو کہ تفقہ اور آپ کے عبور کا بین ثبوت ہے۔ اتنے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہونے اور ہزاروں فتاویٰ لکھنے کی بنا پر اگر آپ کو مفتی اعظم سرحد کہا جائے تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

چونکہ آپ دارالعلوم حقانیہ میں عرصہ دراز تک دارالافتاء کی خدمت پر فائز رہے ہیں اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد دارالعلوم کے دوسرے تمام مفتیان کرام سے زیادہ ہے۔ ہر ایک مفتی کا فتویٰ دینے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے جو اس کے فتویٰ میں جھلکتا ہے۔ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دام ظلہ کے ہزاروں فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے آپ کے فتاویٰ کا انداز

اور خصوصیت محسوس کی گئی وہ مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے۔

(۱) آپ کے تمام فتاویٰ میں نہایت ہی ایجاز و اختصار ہوتا ہے اور آپ اطناب سے بھی پہلو تہی فرماتے ہیں۔ تاہم فتویٰ کی نوعیت کے اعتبار سے اگر ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو بقدر ضرورت تفصیل بھی فرما دیتے ہیں، لیکن آپ کے جن فتاویٰ میں ایجاز و اختصار ہوتا ہے اہل علم حضرات کو ان کے سمجھنے میں کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آتی بلکہ ایجاز و اختصار اہل علم حضرات کے لیے ایک عجیب علمی ذوق اور کشش کا باعث ہوتا ہے۔

(۲) کمال فقاہت سے باریک قیود ذکر فرما کر مسئلے کو جامع بنا دیتے ہیں تاکہ اس بنیاد پر کوئی اپنے لیے غلط استدلال نہ کر سکے اور مسئلہ بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اس احتیاط کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا فتویٰ ایک قانونی دستاویز اور آئینی دفعہ کی طرح جامع اور مختصر ہوتا ہے۔

(۳) آپ کے فتووں میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ آپ کو فقہی جزئیات پر مکمل عبور حاصل ہے، آپ فتویٰ لکھتے وقت معتبر فقہی جزئیات سے استدلال کرتے ہیں گویا فتویٰ نویسی میں آپ انہی جزئیات کو بنیاد و اساس بناتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلے میں قرآن پاک کی کوئی واضح نص یا احادیث مبارکہ میں سے کوئی صحیح حدیث موجود ہو جو حکم کو ذکر کرتی ہو تو اس کو بھی بطور دلیل کے ذکر فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلے میں قرآن و حدیث سے کوئی واضح حکم موجود نہ ہو یا کوئی فقہی جزئیہ موجود نہ ہو تو آپ قواعد کلیہ و اصول کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے مطابق حکم فرماتے ہیں۔

(۴) مسند افتاء پر فائز ہوتے ہوئے یہ ضروری نہیں کہ آپ کا فتویٰ جزئیات کے نقل کرنے تک محدود ہے بلکہ کبھی کبھار آپ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حسبِ ضرورت فقہاء و مفتیانِ دین سے اختلاف کا اظہار فرما دیتے ہیں، تاہم بغیر کسی سند اور حوالے کے فتویٰ نہیں دیتے بلکہ اس میں مضبوط دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

(۵) آپ کے فتویٰ میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ جہاں کہیں حوالہ دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو زیادہ تر شامی، عالمگیری، بدائع الصنائع، البحر الرائق اور دوسرے قدیم فقہی ذخائر

کا سہارا لیتے ہیں، تاہم جدید مسائل میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر گہری نظر رکھتے ہیں
چونکہ آج کا دور جدید دور ہے اور نت نئے مسئلے سامنے آتے رہتے ہیں ایسے مسائل میں
بھی دیگر اہل علم کی طرح آپ کے فتاوی بھی موجود ہیں، مثلاً بیمہ زندگی، انعامی پرائز بانڈ
وغیرہ وغیرہ۔

## حضرت العلامہ مولانا عبد الحلیم زروبوی صاحب رحمہ اللہ

**ولادت اور ابتدائی تعلیم**

آپ سنہ ۱۹۰۸ء کو مولانا خلیل الرحمن کے ہاں موضع زروبی ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ پرائمری تک سکول پڑھنے کے بعد خاندانی روایت کے مطابق فارسی نظم اور صرف و نحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد بزرگوار سے شروع کیے، والد بزرگوار نے جب اپنی فراست ایمانی سے آپ کے چہرے پر ذہانت و فطانت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میرا یہ بچہ ان شاء اللہ بہت بڑا عالم و فاضل بنے گا کیونکہ اس کی جبین سے علم و فضل کا نور جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ آپ فطرتاً انتہائی کم گو اور عزلت پسند طبیعت کے مالک تھے، اسی وجہ سے ہمہ تن اور ہمہ وقت مطالعہ کتب میں مصروف رہتے

مختلف ابتدائی رسائل، فارسی نظم اور کافیہ تک کتابیں اپنے علاقہ میں پڑھنے کے بعد علاقہ چھچھ تشریف لے گئے اور وہاں پر بمقام ویسہ اور جلالیہ میں شرح جامی اور الفیہ و سعدیہ کی تکمیل۔ ان ہر دو مقامات پر علم نحو و صرف کا مشہور درس ہوا کرتا تھا اور مختلف مقامات کے طلباء یہاں پر صرف و نحو کی کتابیں پڑھنے کے لیے آتے تھے۔

بعد ازاں آپ علاقہ دوابہ ضلع پشاور کے موضع عمرزئی آئے اور یہاں پر مشہور عالم دین مولانا صاحب حق صاحب عمرزئی سے منطق کے چند رسائل اور بعض بڑی کتابوں میں درس لیا۔ یہاں کا درس علم منطق میں مشہور تھا اور دور دراز سے یہاں پر شائقین علم منطق اپنی علمی تشنگی بجھاتے۔
چونکہ اس زمانے میں اس علاقہ میں باقاعدہ مدارس دینیہ کا رواج نہ تھا صرف مسجدوں

میں علمی درس ہوا کرتے تھے، اس لیے طالبانِ علمِ دین ان درسوں میں شرکت کے لیے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں مختلف کتابیں پڑھنے لیے جاتے۔ اس لیے حضرت صدر صاحب رحمہ اللہ نے کچھ عرصہ موضع شاہ منصور میں مولانا عبدالرزاق صاحبؒ عرف بادہ مولوی صاحبؒ سے استفادہ کیا، علاوہ ازیں مردان میں مولانا محمد عثمان صاحبؒ سے بھی بعض روایات کے مطابق مستفید ہوئے۔

موضع کڈی جو صوابی کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں پر استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ سے علمِ نحو اور کئی دوسری کتابوں میں درس لیا۔

مختلف مواضعات اور درسوں میں شرکت کرنے کے بعد آپ علاقہ چھچھ کے مشہور موضع نور غشتی تشریف لائے اور یہاں پر علامہ دوران حضرت مولانا قطب الدین صاحب نور غشتویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ مولانا قطب الدین صاحبؒ کی نگاہِ شفقت ہمیشہ آپ پر مرکوز رہی، اس لیے کہ آپ نہ صرف ایک ذی استعداد اور ذہین و فطین طالب علم تھے بلکہ علامہ صاحبؒ حضرت صدر صاحبؒ کے نانا مولانا شاہ صاحبؒ کے شاگرد بھی تھے۔ یہاں پر لائق آپ نے مسلم العلوم، ملا حسن، نور الانوار، غلام یحییٰ، قاضی مبارک، امور عامہ، اقلیدس جیسی اہم کتابوں میں درس لیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کو اپنے اس ہونہار شاگرد اور تلمیذ رشید کی ذہانت و فطانت پر از حد ناز تھا۔ بعض کتابیں باوجودیکہ آپ کے پاس وقت نہیں تھا، آپ کو پڑھائیں اور سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے ؎

جس چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

بعد ازاں آپ موضع گنڈیر یوں ضلع ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا قاضی غلام نبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چشتی حمد اللہ سے منطق اور دوسری فنون کی کتابوں میں درس لیا۔ حضرت صدر صاحبؒ ان کے ہاں جتنی مدت رہے اُن کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان سے استفادہ کا کافی موقعہ ملا۔ آپ نے ان سے شرح عقائد، سبع المعلقات، مقامات حریری، میبذی، قصیدہ اور حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور ان کی زندگی کے آخری لمحات تک ان سے

وابستہ رہے۔

گیدڑ پور سے واپسی پر آپ اپنے ماموں مولانا محمد صاحب قدس سرہ کے ساتھ بکھول چلے گئے اور وہاں پر مختصر المعانی، معقول، مشکوٰۃ شریف، جلالین اور بہت سی اہم کتابیں پڑھیں۔

ان تمام ادوار میں ضعف و نقاہت اور بیماری آپ کے بدن کا جزو لاینفک رہی لیکن اس کے باوجود یہ تمام عوارض آپ کے شوق علم کے سامنے زنجیر پا نہ ہو سکے۔ آپ بہت کم دیوانا ہوئے اور جس طرف حدیث مقصود کی تلاش میں نکلے تھے اسی کے حصول میں مگن رہے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

**دارالعلوم دیوبند میں داخلہ**

فنون کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ تبنیت برصغیر کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۵۱ھ میں داخلہ لیا۔ وہاں پر آپ نے صحاح ستہ و دیگر کتب فقہ، تفسیر و حدیث [illegible] اساتذہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ موقوف علیہ اور دورۂ حدیث پڑھ کر آپ نے ۱۳۵۵ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

**تدریسی سفر کا آغاز**

۱۳۵۵ھ میں آپ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ یہاں ابتداء ہی سے اہم کتابوں کی تدریس آپ کو تفویض کی گئی اور بہت جلد آپ کا شمار کامیاب مدرسین میں ہونے لگا۔

۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند عمل میں آئی تو آپ دوبارہ دہلی نہ جا سکے اور اپنے ہی گاؤں میں مخدوم محمد بھائی خیل میں درس نظامی شروع کیا اور دور دراز سے طلباء آپ کے درس میں شرکت کے لیے آتے۔ بیضاوی شریف اور خیالی و شرح عقائد جیسی مغلق اور اہم کتابوں کی تدریس میں آپ خوب مشہور تھے۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصے کے لیے مکھڈ ضلع اٹک تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے۔

**دارالعلوم حقانیہ آمد**

خرابیٔ صحت کی بنا پر آپ جامعہ اسلامیہ سے اپنے گاؤں آگئے اور وہاں پر بشرط صحت یابی پڑھاتے رہے اور ذریعہ معاش کے طور پر مطب کھولا۔ جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو معلوم ہوا تو آپ کو مؤرخہ ۱۵ شوال ۱۳۹۶ھ کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لے آئے مگر یہاں بھی خرابیٔ صحت درس و تدریس میں حائل رہی اور چار ماہ بعد مؤرخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لے آئے اس دوران آپ اپنے علاقہ میں مصروف رہے۔

**دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ کراچی**

علاج معالجہ اور تبدیلی آب و ہوا کی خاطر آپ کراچی تشریف لے گئے۔ محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ آپ کے خصوصی مراسم تھے اس لیے انہی کے مشورہ اور تعاون سے آپ دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔

**دارالعلوم حقانیہ دوبارہ تشریف آوری**

کراچی سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ گاؤں میں رہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کی خواہش پر ۲۷ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ کو دوبارہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور تادم واپسیں دارالعلوم حقانیہ ہی کی خدمت دین متین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔ اس دوران دوسرے اداروں اور مدرسوں سے بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں جنہیں آپ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میرا مقصد حصول دین ہے نہ کہ حصول معاش، اور خدمت دین یہاں پر بطریقہ احسن ہو رہی ہے۔ یہاں دورۂ حدیث میں مسلم شریف، بخاری شریف جلد ۲۔ تفسیر میں بیضاوی، اصول فقہ میں توضیح تلویح اور مسلم الثبوت زیر درس رہیں، ان کے علاوہ شرح عقائد، خیالی اور جلالین شریف بھی پڑھائیں۔

**بیعت وارادت**

دوران قیام دیوبند آپ کا تعلق بیعت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ساتھ تھا۔ بعد ازاں آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ قریب تھا کہ شیخ آپ کو خلافت سے نوازتے کیونکہ آپ نے تمام اسباق مکمل کر لیے تھے لیکن شیخ کا وقت موعود

آن پہنچا اور یوں اپنے شیخؒ سے خلافت کی تمنا دل میں ہی رہ گئی ۔

قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبد المالک صاحب صدیقیؒ آف خانیوال جن کے حلقۂ ارادت میں علماء و صلحاء شامل تھے اور خود شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحبؒ بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے اس لیے جب کبھی آپ صوبہ سرحد کے دورہ پر تشریف لاتے تو ایک رات قیام کے لیے ضرور دارالعلوم حقانیہ ورود فرماتے۔ اس دوران علماء، طلباء اور مریدین و مسترشدین کا ایک جم غفیر خانقاہ شریف کا عجیب و غریب منظر پیش کرتا۔ چنانچہ اپنے دونوں شیوخ (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ) کی وفات کے بعد آپ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے بیعت کا عندیہ ظاہر کیا تو پہلے ہی مراقبہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ بعد ازاں سفر افغانستان کے دوران مجددی خاندان کے مشہور بزرگ اور پیر طریقت حضرت ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددیؒ نے بھی آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت دی تھی اور خرقہ بھی عطا فرمایا تھا۔

**سفر سعادت**

ہر مسلمان کی طرح آپ کی بھی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ مہبط وحی و دیار رسولؐ و گذرگاہ جبرئیل امینؑ کی زیارت نصیب ہو۔ ایک سچے عاشق رسولؐ کی طرح آپ کے دل میں بھی یہ تڑپ تھی کہ ایک بار اس حیات مستعار میں حج بیت اللہ سے شرف یاب ہو جاؤں۔ چنانچہ دس سال تک آپ مسلسل درخواست دیتے رہے تا آنکہ آپ کو منظوری آئی اور شاداں و فرحاں اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے ۔

**تلامذہ**

آپ اپنے مضبوط حافظہ اور قوی استعداد کے باعث دوران طالب علمی ہی سے فارغ اوقات میں طلبہ کو کتابیں پڑھانے لگے اور فراغت کے بعد تو ہمہ تن اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سوائے ان اوقات کے جن میں آپ صاحب فراش رہے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو اس حساب سے محتاط اندازے کے مطابق آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ مجاہد کبیر اور جہاد افغانستان کے سالار اعظم مولانا جلال الدین حقانی، مولانا محمد یونس خالص، مولانا سید شیر علی شاہ صاحب شیخ الحدیث والتفسیر و فاضل مدینہ یونیورسٹی، مولانا فضل الرحمن بن مولانا مفتی محمود صاحبؒ، مولانا عبد الغنی صاحب ایم این اے، جناب مولانا سمیع الحق صاحب

مولانا عبدالحی حقانی کراچی، مولانا احمد گل حقانی شہید قابلِ ذکر ہیں۔

**اندازِ فتویٰ**

جیسا کہ تفسیر و حدیث، فقہ اور عقائد و معقولات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام سے نوازا تھا اسی طرح فتاویٰ کی اکثر کتابیں بھی آپ کے ذخیرۂ حافظہ میں تھیں۔ فتاویٰ شامی، قاضی خان، عالمگیری، ہدایہ، البحر الرائق اور فتح القدیر کی بعض عبارتیں آپ کو ازبر تھیں مگر چونکہ افتاء وغیرہ آپ کا شعبہ نہ تھا اس لیے آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت قلیل ہے۔ آپ کے فتاویٰ زیادہ تر عقائد و کلامیات کے متعلق ہوتے اور انہی اختلافات کے بارے میں آپ جواب تحریر فرماتے اور عام کردہ معرکۃ الآراء مسائل جن میں علماء و مدرسین حضرات کو الجھن پیش آتی تو آپ ان کی گتھیوں میں حل فرما دیتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ فتاویٰ عام افہام کے فہم سے بالاتر ہوتے۔ البتہ عام مستفتی کے متعلق آپ کا جواب انتہائی واضح، دو ٹوک اور مدلل و مفصل ہوتا۔

**تصانیف**

گو کہ آپ علمی دنیا میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے اور ایسے لطیف و باریک نکات دورانِ درس بیان فرماتے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی تصنیف یا تالیف کا ارادہ ظاہر نہ فرمایا۔ چنانچہ راقم نے ارادہ کیا کہ آپ کی حیات ہی میں آپ کے حالات و تذکرہ مع آپ کی تقاریر اور درسی افادات جمع کرا کر ان پر کام شروع کیا جائے اور خود بھی حضرت صدر صاحبؒ کی توجہ اس اہم ضرورت کی طرف مبذول کرائی۔ لیکن حضرتؒ کی خاکساری ملاحظہ ہو کہ باوجود اس علمی تفوق و تعمق کے ارشاد فرماتے کہ ”حضرات اکابر کی بیسیوں تصانیف کی موجودگی میں میری کسی تصنیف یا تالیف کی کیا وقعت ہوگی اور ان حضرات کی تصنیفات یا تالیفات میں کون سی تشنگی باقی ہے کہ میں اس کو پر کر دوں“ لیکن بالآخر بندہ کے شدید اصرار پر آپ نے حامی بھر لی۔ مسلم شریف کتاب الایمان کا کافی حصہ جو بندہ نے دورانِ درس قلمبند کیا تھا وہ مسودہ آنمحترم کے حوالہ کیا۔ آپ نے اس پر نظرِ ثانی اور اس کی تبییض کرنے کا آغاز کیا۔ لیکن بقول شاعر ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ یُدْرِکُہٗ

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ

ابھی آپ نے لکھنے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ نامعلوم وجہ کی بنا پر دائیں ہاتھ میں درد شروع

ہوگیا تقریباً چار ماہ اسی درد و کرب میں گذارے، بہرحال مجھ کو شرف تلمذ حاصل رہا۔

(۱) **امالی ترمذی** | دوران تعلیم دارالعلوم دیوبند آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے ترمذی شریف کے افادات اردو میں قلمبند کیے تھے بندہ نے اس کی تخریج وغیرہ کا کام شروع کیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ ہوں گے۔

(۲) **تقریر مسلم شریف** | آپ کے تلامذہ دوران درس آپ سے مسلم شریف کی تقریر قلمبند کرتے رہے، بندہ نے بھی کتاب الایمان کا کافی حصہ قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الایمان اور مقدمہ مسلم شریف بشمول کتاب البیوع بندہ کے پاس محفوظ ہے۔

(۳) **تقریر بیضاوی شریف** | تفسیر بیضاوی شریف پر آپ کے درسی افادات دوران آپ کے مختلف تلامذہ کے پاس موجود ہیں۔

(۴) **حل معلقات مسلم الثبوت** | توضیح و تشریح اور مسلم الثبوت کے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح پر مشتمل افادات۔

(۵) **مباحث کلامیہ بخاری ج ۲** | بخاری شریف میں جہاں پر علم کلام سے متعلق بحث ہے حضرت صدر صاحبؒ نے اپنی شان تکلم سے بہت خوبصورت دردمندانہ انداز میں اس کی تشریح کی ہے۔

(۶) **امالی شرح عقائد و خیالی** | آپ جس وقت اپنے گاؤں میں درس دیتے تھے اس وقت کے تلامذہ نے شرح عقائد و خیالی کے افادات آپ سے قلمبند کیے۔

(۷) **افادات حلیم** | راقم نے یہ مختصر رسالہ جو کہ بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح اور مسلم شریف کے باب الطہارۃ و آخر باب پر مشتمل ہے اور ساتھ ساتھ حضرت صدر صاحبؒ کی مختصر سوانح[1] بھی اس میں شامل ہے شائع کیا ہے۔

**اولاد** | آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں اور دوسرے دو صاحبزادے محمد اسمٰعیل اور عبدالحفیظ تجارت وغیرہ سے وابستہ ہیں۔

---

[1] آپ کے مفصل حالات زندگی اور علمی سوانح جاننے کیلئے [illegible] مؤلفہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ملاحظہ ہو۔

**سفرِ آخرت** ۲ جنوری ۱۹۸۸ء کو آپ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء، صلحاء، طلباء اور عوام الناس نے شرکت کی۔ رحمہ اللہ

---

# حضرت مولانا مفتی محمد علی سواتی رحمہ اللہ

**نام و نسب و جائے پیدائش** مولانا محمد علی ۱۹۱۹ء کو جناب عنایت اللہ صاحب کے گھر موضع خوازہ خیلہ ضلع سوات مالاکنڈ ڈویژن میں پیدا ہوئے۔

**ابتدائی تعلیم و اساتذہ** آپ نے ابتدائی تعلیم سوات میں حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا مفتاح الدین صاحب کے اسماءِ گرامی نمایاں ہیں۔ ان حضرات سے آپ نے مطول، مختصر المعانی، شرح عقائد، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

**اعلیٰ تعلیم اور اساتذہ** اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۳۳ء میں آپ مظاہر العلوم سہارنپور (دیوبند) تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تین سال تک مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث سے فراغت کی سند حاصل کی۔

دورۂ حدیث میں آپ کے اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری صدر المدرسین مظاہر العلوم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم مظاہر العلوم جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

**تدریسی خدمات** فراغت کے بعد ایک سال آپ نے دارالعلوم سہارنپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، تقسیمِ ہند کے بعد آپ اپنے وطن پاکستان آ گئے اور حکمت آباد چارسدہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو کہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ ۱۹۵۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ کی تقرری ہوئی اور آخری دم تک یہاں سلسلۂ تدریس جاری رہا۔

**اولاد** آپ کی اولاد میں مولانا محمد اکرم، مولانا عبدالملک صاحب اور مولانا صدیق احمد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں۔

**فقہی مقام** آپ اپنے وقت کے نامور فقیہ تھے، ہدایہ آخرین جیسی مشکل کتاب پڑھانے میں خاص مہارت رکھتے تھے جس کی وجہ سے دور دراز کے طلباء آپ سے ہدایہ پڑھنے کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آتے تھے۔ آپ اپنے وقت میں ایک خاص حلقے کے اندر فقہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔

فقہ کے علاوہ آپ علم معانی اور علم نحو سے بھی خاص شغف رکھتے تھے۔

**سفر آخرت** یکم محرم الحرام ۱۴۰۳ھ کو آپ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ آخرین کے درس سے فارغ ہو کر ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور کتاب ہی پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ یوں آپ ۶۰ برس کی عمر میں اپنے رب کے پاس پہنچ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

---

# حضرت مولانا مفتی قاضی انوار الدین صاحب مدظلہ

**نام و نسب** مولانا قاضی انوار الدین صاحب قاضی زین العارفین کے گھر [illegible] کو اٹک میں پیدا ہوئے۔ قاضی زین العارفین صاحب قاضی لطیف الدین کے فرزند تھے۔ نسب کے لحاظ سے آپ حسنی سادات میں سے ہیں۔

**خاندانی پس منظر** قاضی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد علمی قابلیت اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں۔

قاضی صاحب کے آباؤ اجداد اشاعت دین کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے اور بلخ و بخارا میں علم دین کی روشنیاں بکھیرتے ہوئے غزنہ کی طرف چلے گئے۔

آپ کے آباؤ اجداد اپنی علمی بصیرت کی وجہ سے ظہیر الدین بابر کے دربار میں نمایاں مقام پایا۔ جب بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو قاضی صاحب کے اسلاف منصب قضا

پر فائز تھے۔

پہلے افغانستان اور پھر ظہیر الدین بابر کے ساتھ ہندوستان آنے کے بعد آپ کے اسلاف مختلف ادوار میں منصبِ قضاء پر فائز رہے اور حق کی اشاعت کرتے رہے۔ بابر کے لیے مختلف خدمات اور وفاداریوں کی وجہ سے بابر کے دربار میں صاحبِ مقام لوگ تھے۔ قاضی انوار الدین صاحب خود بھی منصبِ قضاء پر فائز ہیں اور اکوڑہ خٹک میں اپنے فرائض بطریقِ احسن انجام دے رہے ہیں۔

## ابتدائی تعلیم

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اکوڑہ خٹک ہی سے کیا اور دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ "تعلیم القرآن سکول" سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم القرآن سکول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے مدرسہ تعلیم القرآن میں جاری کردہ "درجہ عربیہ" مولانا قاضی حبیب الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند سے پڑھا۔ اس درجہ میں صرف، نحو، منطق، فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، بعض ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ کافیہ، شرح جامی اور ھدایۃ الحکمۃ وغیرہ اکوڑہ خٹک ہی میں حضرت مولانا سید محمد کرم علی شاہ المعروف باچا گل صاحب سے پڑھیں۔

## اساتذہ کرام

آپ کے ابتدائی اساتذہ کرام مندرجہ ذیل ہیں:۔
(۱) شیخ غلام حمید صاحب (۲) شیخ محمد عمر صاحب (۳) شیخ غلام جیلانی صاحب (۴) شیخ عبداللطیف صاحب۔

یہ حضرات تعلیم القرآن سکول میں آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں آپ کے والد ماجد مولانا قاضی زین العابدین صاحب، قاضی حبیب الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا سید مبارک شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحیم صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

قاضی صاحب نے فارسی نظم کی کتابیں مثلاً گلستان، بوستان، تحفہ نصائح، سکندر نامہ، یوسف زلیخا اور مثنوی مولانا روم وغیرہ شیخ عبدالرحیم صاحب سے پڑھیں۔

آپ نے دورۂ حدیث شریف دارالعلوم حقانیہ سے مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ علم حدیث میں آپ جن حضرات سے فیضیاب ہوئے ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق

صاحبؒ، صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم زروبویؒ اور مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

**تدریسی خدمات**

فراغت کے بعد ۱۳۷۶ھ میں آپ کا دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس و نائب مفتی تقرر ہوا جبکہ بعد میں مفتی مقرر ہوئے۔

قاضی صاحب نے افتاء میں مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ، مولانا عبدالحق قدس سرہٗ اور مولانا عبدالحلیم زروبوی صاحبؒ سے استفادہ کیا ہے۔ دورِ تدریس میں آپ نے صرف، نحو، فقہ، اصولِ فقہ، علم معانی اور علم بیان کی کتابیں پڑھائیں۔ بحیثیت مدرس و مفتی تقریباً دس سال آپ نے مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کی۔

**افتاء و قضاء**

قاضی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کے دوران ہی افتاء کا کام شروع کر دیا تھا، اس وقت سے لے کر تا دمِ تحریر بندگانِ خدا کے تنازعات کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل فرماتے ہیں۔ آپ یہ سب خدمات بلامعاوضہ انجام دیتے ہیں اور مقصود صرف رضائے الٰہی ہے۔

**اندازِ فتویٰ**

آپ کے اکثر فتاویٰ مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے فتووں سے ماخوذ ہیں۔ کچھ وقت تک تو آپ صرف مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کے تحریر کردہ فتووں کو رجسٹر میں درج کرتے تھے، بعد ازاں ترقی دے کر آپ کو مفتی مقرر کیا گیا۔ اندازِ بیان میں آپ پر مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ کا اثر زیادہ ہے لیکن آپ فقہی ذخائر پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اب بھی علاقے میں آپ کے فتویٰ اور فیصلے کو اہمیت دی جاتی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ فتاویٰ میں آپ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے۔ ۱۳۸۵ھ میں بعض ذاتی مجبوریوں اور معاشی تقاضوں کی وجہ سے از خود جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے الگ ہو گئے۔

**بیعت**

تصوف و سلوک میں آپ سلسلہ قادریہ و نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہاجر مدنیؒ مدینہ منورہ سے پہلی مرتبہ جب اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو آپ نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور مریدی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اور مکہ مکرمہ کے شیخ علوی مالکیؒ نے آپ کو اعزازی اسناد اور اجازت حدیث سے نوازا۔

## اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں ولی کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد علی وجودیؒ اور شیخ العصر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ وغیرہ اکابرین شامل ہیں۔

## تدریس

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۰ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ابتدائی کتب سے کتب حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے جو کہ آج تک جاری و ساری ہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء میں آپ نے ماہنامہ الحق کے نام سے ایک دینی و علمی جریدے کا آغاز کیا، جسے بہت جلد ہی ملک اور بیرون ملک مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی اور تا دم تحریر بھی آب و تاب سے جاری ہے۔

## تحریکات اور ملی خدمات

درس و تدریس کے ساتھ آپ نے مختلف تحریکات میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ صدر ایوب خان کے دور حکومت میں جب ماڈرن ازم کے داعی ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ نے اس کا بھرپور تعاقب کیا جس پر ماہنامہ الحق میں شائع شدہ آپ کے اداریے دال ہیں۔

۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو آپ نے اس تحریک میں بھی اپنے والد محترم اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دوسرے اکابر علماء کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے قومی اسمبلی میں امت مسلمہ کی ترجمانی کرتے ہوئے "قادیانیت کے بارہ میں ملت اسلامیہ کا موقف" جو سنایا تھا اس کا اکثر حصہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

۱۹۷۷ء میں جب تحریک نظام مصطفےٰ شروع ہوئی تو اس میں بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا جس کی پاداش میں آپ نے ہری پور جیل میں قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

## تصنیف و تالیف

تدریسی، سیاسی اور دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے بوجھ کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص و عام میں بے حد مقبول ہیں۔

(۱) قادیانیت کے بارے میں ملت اسلامیہ کا موقف (۲) شریعت بل کا معرکہ
(۳) کاروانِ آخرت (۴) قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ (۵) اسلام اور عصر حاضر
(۶) دعوات حق ۲ جلد (۷) نظام اکل و شرب میں شریعت کی راہنمائی۔
(۸) شرح شمائل ترمذی۔

**اندازِ فتویٰ**

درس و تدریس، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دیگر مصروفیات کے باوجود آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات بھی دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے اکثر فتاویٰ ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جس طرح آپ کی طبیعت تحقیق پسند ہے تو وہی رنگ آپ کے فتاویٰ پر بھی غالب ہے آپ کے اکثر فتاویٰ طویل اور اپنے موضوع کے جملہ پہلوؤں کو شامل ہوتے ہیں۔

اسی حوالے سے آپ کے چند اہم مضامین الفتاویٰ بالحوادث والنوازل [illegible] حقوق نسائی اور خصوصاً خواتین کے حقوق وغیرہ وغیرہ ماہنامہ "الحق" میں شائع ہوتے رہتے ہیں جو کہ افادۂ عام کے لیے "فتاویٰ حقانیہ" میں بھی شامل کیے گئے ہیں۔

**سیاسی خدمات**

درس و تدریس، تصنیف و تالیف، ماہنامہ الحق کی ادارت اور دارالعلوم کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی آپ نے اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں جب اکابرین جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو عام انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کیا تو آپ (مولانا سمیع الحق صاحب) نے بھرپور حصہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی تمام انتخابی مہم کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی کامیابی کے بعد قومی اسمبلی میں ساری کارروائی پس پردہ آپ ہی چلاتے رہے۔ تحاریک التواء کی قراردادیں اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم پیش کرنے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دور مارشل لاء میں آپ کو وفاقی مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا تو زکوٰۃ و عشر، حدود، قصاص و دیت، امتناع قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ اور آئین میں چند اسلامی

شقوں اور دفعات کا حصول آپ ہی کی شبانہ روز جدوجہد کی بدولت ممکن ہو سکا۔ اور جب ۱۹۸۵ء میں سینیٹ آف پاکستان کے آپ ممبر بنے تو آٹھ سال کی طویل تاریخی جدوجہد کے بعد سینیٹ سے شریعت بل منظور کروایا۔

### اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام

مملکت خداداد پاکستان پر جب سیکولرازم کے منحوس سائے دوبارہ پھیلنے لگے تو ان کے تدارک کے لیے آپ ہی نے اس وقت اسلامی جمہوری اتحاد کی بنیاد رکھی جس میں نو سیاسی و مذہبی جماعتیں شامل ہوئیں اور متفقہ طور پر آپ کو اس اتحاد کا سینئر نائب صدر منتخب کیا گیا۔

### متحدہ علماء کونسل کا قیام

۱۹۸۸ء میں جب بینظیر کی حکومت قائم ہوئی تو آپ نے اس کے خاتمہ کے لیے متحدہ علماء کونسل کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتب فکر کے علماء اور اکابرین کو جمع کیا جس کی بدولت نسوانی حکومت کا خاتمہ ممکن ہو سکا۔

### متحدہ دینی محاذ کی تشکیل

بھارت میں جب بابری مسجد کے انہدام کا دلخراش سانحہ پیش آیا تو ملک میں دینی اقدار و آثار کو تباہی سے بچانے کے لیے ۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایک بار پھر تمام دینی جماعتوں کے قائدین کو جمع کر کے "متحدہ دینی محاذ" کی تشکیل کی۔

### تحریک تحفظ مدارس دینیہ

۱۹۹۵ء میں جب بینظیر حکومت نے مدارس دینیہ کے خلاف بے بنیاد الزامات لگا کر مدارس کی انکوائریاں اور تحقیقات کرانے کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا صاحب نے یکم جنوری ۱۹۹۶ء کو تمام مکاتب فکر کے علماء اور ارباب مدارس کو جمع کر کے "تحریک تحفظ مدارس دینیہ" قائم کی اور حکومت کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

اب جبکہ جنرل مشرف کی فوجی حکومت اور اس کے نااہل اندرونی وزراء نے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مدارس دینیہ کے خلاف مہم شروع کی تو آپ ہی مرد مجاہد نے ۳۰ جون ۲۰۰۲ء کو دارالعلوم حقانیہ میں تمام مدارس کے منتظمین کو جمع کر کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

۱۹ مئی [illegible] کو کراچی میں تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کا مشترکہ مرکزی اجلاس طلب کیا اور حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عمل کرنے کا نوٹس دیا اور بصورت دیگر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔

---

# حضرت مولانا محمد ہاروت صاحب

مولانا محمد ہاروت صاحب نے ضلع سوات کے ایک پسماندہ گاؤں میں آنکھیں کھولیں۔

**ابتدائی تعلیم** آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ریاست سوات سے کیا، اس وقت سوات میں بلند پایہ علماء و فقہاء موجود تھے جس کی وجہ سے ریاست سوات کو علمی مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور تشنگان علوم نبوت دور دراز علاقوں سے یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا خان بہادر صاحب مارتونگ، مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا محمد تدبیر صاحب حق صاحب، مولانا عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

سنہ [illegible]ھ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اور دوسرے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ کا شمار دارالعلوم حقانیہ کے ممتاز فضلاء میں ہوتا ہے۔

**درس و تدریس** فراغت کے بعد آپ نے دران اور حسن آباد (اٹک) میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ بعدازاں ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۳ء کو دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا اور آخری دم تک اسی مرکز علم و عرفان میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آخرکار اگست ۱۹۹۰ء میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔

**افتاء** اگرچہ دارالعلوم میں آپ نے مستقل طور پر کبھی بھی استفادہ تو نہیں کیا لیکن فقہ و منطق میں کمال مہارت کی وجہ سے اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ چونکہ آپ تدریس اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے فتویٰ نویسی کے لیے مستقل طور پر فارغ نہیں تھے اس لیے دارالعلوم کی طرف سے آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی تھی تاہم سالانہ تعطیلات میں مفتیان کرام مقیم ہوتے اور آپ کے دارالعلوم میں ہی مقیم ہونے کی وجہ سے دارالعلوم

کی انتظامیہ نے آپ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ رجسٹروں میں درج شدہ فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر میراث کے مسائل کے جوابات دیئے ہیں چونکہ فن میراث میں آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

**بیعت وسلوک**

تصوف وسلوک میں آپ نے حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت خواجہ صاحب نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

**تصانیف**

چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت تدریس میں گزرتا تھا اس لیے آپ تصنیف وتالیف کی طرف بھرپور توجہ نہ دے سکے البتہ اس کے باوجود آپ نے حضرت تھانویؒ کی کتاب "ابواب تصوف" پر کچھ "تعلیقات" لکھی تھیں جو "افادات اشرفیہ" کے نام سے [illegible] میں شائع ہو چکی ہیں۔ [illegible] کتاب [illegible] جو آپ کی حیات میں تو شائع نہ ہو سکی البتہ بعد از وفات شائع ہو چکی ہے۔

---

## حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے حالات جو ہمیں فراہم کیے گئے وہ درج ذیل ہیں آپ ۱۹۵۱ء کو ضلع مانسہرہ تحصیل اوگی کے مختلف علاقے جلیان میں مولانا شمس الحق صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔

**ابتدائی تعلیم**

آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول جلیان میں حاصل کی پرائمری کی تکمیل کے بعد آپ نے قاری غلام حبیب صاحب سے ۱۹۶۹ء میں قرآن کریم کو حفظ کر لیا۔ ابتدائی علوم کی تحصیل کے لیے دو سال کا عرصہ جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں گزارا اور مزید تعلیم کے لیے اکابر برصغیر کے دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور آٹھ سال تک دارالعلوم میں رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تعلیم کی تحصیل بھی جاری رکھی اور ۱۹۷۳ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۸۰ء میں آپ نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت دورہ حدیث کا امتحان پاس کیا اور ملک بھر کے مدارس میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ [illegible] کیا۔ علوم دینیہ کے

ساتھ ساتھ آپ علوم عصریہ سے بھی فیضیاب ہوتے رہے، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں پشاور یونیورسٹی سے بی اے، ۱۹۸۳ء میں ایم اے اسلامیات اور ۱۹۹۶ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

**اساتذہ حدیث**

آپ کے حدیث کے مشائخ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا عبدالحلیم زروبوی صاحب، مولانا محمد علی سواتی صاحبؒ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب زروبوی، مولانا محمد حسن جان صاحب مدنی، مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوار الحق صاحب جیسی نامور ہستیاں شامل ہیں۔

**تدریسی خدمات**

دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں آپ بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی ہدایت پر دارالعلوم میں ہی تدریس کا آغاز کیا، آٹھ سال درس نظامی کی تدریس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی شفقت سے جامع ترمذی جلد ۲، اور سنن نسائی کی تدریس آپ کے حوالہ کی گئی اور ۱۹۸۳ء میں مستقل طور پر سنن ابی داؤد جلد ۱ کی تدریس آپ کے سپرد کر دی گئی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے ناظم تعلیمات، نائب مفتی اور شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے نگران بھی رہے۔ اور ۱۹۹۰ء میں آپ پشاور میں اپنے قائم کردہ دینی ادارے جامعہ عثمانیہ تشریف لے گئے۔

**افتاء**

۱۹۷۵ء میں دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا طریقہ بھی آپ کو سونپا گیا۔ ابتداء میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فتاویٰ رجسٹر میں درج کرنے کی ذمہ داری تھی، بعد ازاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے حکم پر خود فتویٰ لکھنا شروع کیا۔

**تصانیف**

حضرت مفتی صاحب نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں (۱) دفاع ابوہریرہؓ، (۲) عقیقہ کی شرعی حیثیت (۳) حیات جیلانی (۴) دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک "سفرنامہ" (۵) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت وغیرہ اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل ہیں۔ آجکل آپ ماہنامہ "العصر" پشاور کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

# حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم کلاچوی

**سلسلہ نسب**: آپ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے ہاں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشہور و معروف گاؤں کلاچی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے سلسلہ نسب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نجیب الطرفین اور ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔

**ابتدائی تعلیم**: آپ بچپن ہی سے تعلیم کے شوقین تھے۔ اس لیے آپ نے بچپن ہی میں اپنے والد صاحب کے قائم کردہ دینی مدرسہ نجم المدارس کلاچی سے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا۔ زیادہ تر کتابیں اپنے والد صاحب ہی سے پڑھیں اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اساتذہ کرام سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا کی عظیم دینی یونیورسٹی دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ اور [illegible] میں یہاں سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ تکمیل کی کتابیں جامعہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت مولانا موسیٰ خان صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد التخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور وہاں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے استفادہ کیا۔

**اساتذہ کرام**: آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمہ اللہ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

**درس و تدریس** | فراغت کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ہی سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نائب مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ تھانیوالی کی مشہور دینی درسگاہ میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے وہاں ایک سال گزارنے کے بعد آپ جامعہ اقرا اسلام آباد تشریف لائے یہاں بھی آپ صرف ایک سال رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ نجم المدارس کلاچی چلے گئے اور تادم تحریر بفضلہ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

**بیعت و سلوک** | ۱۹۶۲ء میں آپ نے حضرت العلامہ شمس الحق افغانی صاحبؒ سے بیعت کی، ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سواتی سے بیعت اور اصلاح نفس کا تعلق وابستہ کیا۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

---

# حضرت مولانا عبدالحق قندہاروی

---

آپ کا شمار بھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم مدرسین میں ہوتا ہے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے جامعہ کے دارالافتاء میں بھی بہت خدمت کی اور آپ کے قلم سے سینکڑوں فتوے جاری ہوئے۔ آپ کے فتاویٰ نہایت محققانہ ہیں۔ آپ کے لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افغانستان کے صوبہ قندہار کے رہنے والے ہیں۔ کوشش و تلاش بسیار کے باوجود آپ کے مزید حالات کا پتہ نہیں چل سکا اس لیے صرف نام پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

# حضرت مولانا مفتی محبوب الرحمٰن صاحب

**پیدائش** آپ محرم ۲۸، دسمبر ۱۹۴۵ء کو حکیم عبدالرحمٰن کے ہاں ترنڈو ڈھیری ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم** ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں یہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

**اساتذۂ حدیث** اساتذۂ حدیث میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ جیسے جبابرہ سے کسبِ فیض کیا۔

**درس و تدریس** تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے دارالافتاء میں نقل فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

**اندازِ فتویٰ** چونکہ آپ اکثر نقلِ فتاویٰ کا کام کرتے تھے اس لیے از خود فتویٰ لکھنے کا ان کو کم ہی موقع ملتا تھا لیکن جو فتاویٰ آپ کے قلم سے صادر ہوئے ان میں آپ کی کوشش یہ رہی کہ جواب مکمل، مفصل، مدلل اور باحوالہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جواب میں سلیس انداز اختیار کیا ہے جو کہ انتہائی عام فہم ہے اور ہر خاص و عام اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

# حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب صدیقی مدظلہ

**نام نسب اور مولد** مولانا رشید احمد صاحب صدیقی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے گھر زروبی ضلع صوابی میں ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد چھ پشتوں سے اسلام کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل چلے آ رہے ہیں اور دنیا کے کونے کونے میں علم و معرفت اور رشد و ہدایت کی روشنی پھیلاتے ہوئے ہیں۔

**ابتدائی تعلیم** آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز ایشیا کی مشہور و معروف دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے کیا اور وہیں سے فارغ ہوئے۔

جہاں پر آپ کو انتہائی قابل اور شفیق و مہربان اساتذہ کرام ملے جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبویؒ والد محترم آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، حضرت مولانا انوار الحق صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

**افتاء** درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی اور افتاء میں اپنے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور دارالعلوم ہی میں منصب افتاء پر فائز ہوئے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا جو کہ بیس سال تک جاری رہا اس دوران ہزاروں کی تعداد میں طالبان علوم نبویہ آپ سے مستفید ہوئے۔

**بیعت و سلوک** آپ نے اپنے والد محترم مولانا مفتی محمد فرید صاحب کے دست حق پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور انہی کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔

**تصانیف** درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کافی مفید کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں آپ کی گرانقدر تالیف "ضروری مسائل" کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو کہ مقبول خاص و عام ہے۔ اس کے علاوہ "مفید الواعظین" اور "دعا بعد السنۃ" وغیرہ بھی آپ کی مایہ ناز تصنیفات ہیں۔

# حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی

(مرتب فتاویٰ حقانیہ)

**نام نسب و مولد** آپ ۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو جناب حبیب اللہ صاحب کے ہاں جہانگیرہ ضلع صوابی میں پیدا ہوئے آپ کا خاندانی تعلق یوسف زئی شاخیل قبیلہ سے ہے۔

**ابتدائی تعلیم** آپ نے مڈل تک عصری تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جہانگیرہ سے حاصل کی، اس کے ساتھ ساتھ اپنے علاقہ کے جید عالم دین مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ فاضل دیوبند سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مڈل کے بعد حضرت الاستاذ کی مشورے سے مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جون ۱۹۸۵ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی چلے گئے اور فروری ۱۹۹۳ء میں وہاں سے دورہ حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ کے زیر نگرانی فتویٰ نویسی سیکھتے رہے۔ تخصص سے فراغت کے بعد پشاور یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم اے (ماسٹر) کی ڈگری حاصل کی۔

**تدریسی خدمات** ۱۹۹۶ء میں جامعہ منظور العلوم آبادیہ تحصیل و ضلع صوابی تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک درس و تدریس کے علاوہ افتاء کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ بعد ازاں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ ہو گئے اور تادم تحریر جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں افتاء اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

**اساتذہ کرام** آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار (کراچی)، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا

# پیش لفظ

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد المصطفیٰ و
علیٰ آلہ النجباء و اصحابہ الشرفاء الیٰ یوم الجزاء۔

تقسیم ہند سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے، رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی سالانہ تعطیلات میں جب اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو جلد ہی تقسیم ہند کا مسئلہ در پیش آیا جس کی وجہ سے ہر جگہ وحشت و بربریت اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، ان حالات کی وجہ سے دیوبند واپس جانا آپ کے لیے ممکن نہ رہا چنانچہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء کو آپ نے اپنے گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں توکلاً علی اللہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو بعد میں ایک عظیم اسلامی درسگاہ کی صورت اختیار کر گیا۔

تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ اسی مسجد میں شہتوت کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے جامعہ حقانیہ کی تاسیس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے کہ اس کی ابتداء بھی ایک مسجد میں انار کے درخت کے نیچے محمود معلم اور محمود متعلم سے ہوئی تھی مگر اخلاص نیت اور للہیت کی برکت سے ترقی کرتے کرتے دارالعلوم دیوبند نے بے پناہ شہرت حاصل کر لی اسی طرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے جامعہ حقانیہ کی خدمات اور مختصر عرصہ میں ہر دلعزیزی دیکھ کر اسے دیوبند ثانی کا خطاب دیا جو اخلاص اور للہیت ہی کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی افادیت کا چرچا بہت ہی کم مدت میں چاروں سو ہونے لگا اور ملک کے کونے کونے سے علوم دینیہ کے شائقین حضرات تحصیل علم کے لیے جامعہ حقانیہ کا انتخاب کرکے یہاں آکر مستفید ہوتے رہے۔ اور اسی طرح عوام الناس میں سے دین کا درد رکھنے والے حضرات بھی خط و کتابت (سوال و جواب) استفتاء و فتاویٰ کے ذریعہ اپنے مسائل کے حل کے سلسلہ میں جامعہ حقانیہ سے رجوع کرنے لگے۔

## شعبہ دارالافتاء

جس طرح ابتداء ہی میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تبلیغ دین اور اشاعت علم کے شعبے قائم کیے گئے تھے اسی طرح دارالافتاء جیسا اہم ترین شعبہ بھی قائم کیا گیا چنانچہ عوام ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے علماء کرام، سکالرز اور وکلا حضرات اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل جامعہ حقانیہ سے طلب کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے ذاتی تنازعات اور جھگڑوں کو بھی جامعہ کے اسی شعبے سے حل کراتے ہیں اور یہاں سے کیے گئے فیصلوں کو بھرپور اعتماد کے ساتھ بلا چون و چرا قبول کر لیتے ہیں اور بفضل باری تعالیٰ یہ سلسلہ ابتداء سے آج تک قائم و دائم ہے اور دارالافتاء میں کسی بڑی عدالت کی طرح فیصلے کروانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔

اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ دارالافتاء سے جن استفسارات کے جوابات جاری ہوتے ہیں ان میں سے اہم مسائل کے بارے میں جامعہ کے اکابر اساتذہ کرام سے بھی مشورہ لیا جاتا ہے اور ان پر ان سے تصدیقات لیے جاتے ہیں، خصوصاً شیخ دارالافتاء، جو کہ بھی جوابوں کی نظر ثانی سے تقریباً تمام فتاوی گزرتے ہیں جن پر وہ اپنے تصویبی کلمات اور دستخط ثبت کرتے ہیں جنہیں اصل ریکارڈ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ ملکی و دینی لاقومی اہم مسائل پر خود بھی اشارات کرتے تھے اور دیگر اساتذہ سے بھی مشورہ لیتے تھے اسی طرح جامعہ کے موجودہ مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ بھی فتاوی سے متعلق تمام خطوط اور ڈاک خود دیکھ لیتے ہیں اور فتاوی کو ان کی نوعیت و اہمیت کے مطابق حضرات مفتیان میں تقسیم کرتے ہیں اور بعض پیچیدہ ہائے کے کسی متعلقہ مفتی کو اپنے ساتھ مشاورت کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

ان مسائل ہی کی بنا پر ملک کی اکثر عدالتوں خصوصاً صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ جات، قبائل اور ایجنسیوں میں زیر سماعت مقدمات کے بارے میں دارالعلوم حقانیہ ہی سے شرعی حل طلب کیا جاتا ہے اور اس کی روشنی میں جج صاحبان قانونی تقاضوں کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ حقانیہ کے شعبہ دارالافتاء کے کام میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، ابتداء میں دو ایک مفتیان اس فریضہ کو سرانجام دیتے تھے، جب اس کام میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہوگئی اور بیرون ملک سے بھی استفسارات کثرت سے موصول ہونے لگے تو اس کام کو کرنے کے لیے جلیل القدر مفتیان کرام اور معاونین کی تعداد بھی بڑھا دی گئی۔ اور جامعہ حقانیہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی و الافتاء کے طلباء بھی دارالافتاء کے کاموں میں اور اہم

کام میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔

## فتاویٰ کا ریکارڈ

ابتداء ہی سے فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام جامعہ ھذا میں موجود ہے اور اس کے لیے کئی تحریری حضرات دارالافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ کو رجسٹروں میں نقل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بالشافہ سوالات اور استفتاء کے جوابات کی فوٹو کاپیاں بھی ریکارڈ میں رکھی جاتی ہیں۔

فتاویٰ کا یہ ریکارڈ درجنوں رجسٹرڈ اور ہزاروں صفحات کی فوٹو کاپیوں پر مشتمل ہے دارالعلوم حقانیہ سے تادم تحریر جاری شدہ فتاویٰ کی تعداد بلاشبہ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ یہ فتاویٰ فقہ، عقائد، حدیث، تفسیر، عصر حاضر کے جدید مسائل اور حوادث و نوازل کے احکامات پر مشتمل ہیں۔

## دارالافتاء کی اہمیت

دارالافتاء کا قیام تمام تر دینی مدارس میں اس خلوص نیت سے عمل میں لایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے مسائل کا حل یہاں سے بلا فیس طلب کریں اور اپنے تنازعات بغیر کسی تاخیر اور ٹال مٹول کے ختم کرا سکیں۔

ہماری عدالتوں میں تنازعات اور مقدمات کے حل کا طریقہ کار کسی سے مخفی نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں روپیہ وکلاء فیس، کورٹ فیس وغیرہ جیسے بار گراں کا بوجھ اٹھانے کا تحمل استطاعت سے باہر ہے علاوہ اس کے ساتھ طویل مدت تک تاریخوں اور پیشیوں سے گزر جانے کے بعد فیصلہ کا انتظار الگ کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی داد رسی اور انصاف کی شکل میں بڑی رشوت اور منشی و مدعی علیہ کے مالی مقابلہ کے تابع ہوتا ہے۔

اس کے برعکس دینی مدارس کے شعبہ دارالافتاء میں تنازعات کے تصفیہ کے لیے نہ تو تاریخ پر تاریخ دی جاتی ہے نہ کورٹ فیس وغیرہ کی لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے بلکہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قانون کے مطابق انصاف مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں انصاف خریدنے اور بیچنے کی چیز نہیں۔ اگر لوگ اس کو غنیمت جان کر اور شرعی حکم پر متفق ہو کر ان مراکز اسلامیہ کی طرف رجوع کریں تو لاکھوں پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ لوگ اپنی انا کی جنگ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کرکے مختلف قسم کے بیسیوں مسائل اور پریشانیاں سر پر اٹھا کر عدالتوں میں دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ اس دوران ایک تنازعہ سے دیگر کئی تنازعات اور مسئلے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

بحمداللہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا شعبۂ افتاء اس کام کو بخوبی سرانجام دے رہا ہے اور اکثر متعدد تنازعات کو فریقین کی باہمی رضامندی سے بہت ہی مختصر وقت میں حل کر دیا جاتا ہے اور فریقین بخوشی اس فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی برکات سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

**فتویٰ میں احتیاط**

فتویٰ نویسی اپنی نوعیت کا اہم منصب ہے اس میں احتیاط سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ اکابر علماء امت کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے تبحر علمی کے باوجود کتاب دیکھ کر خوب تحقیق کرنے کے بعد سوال کا جواب بصورت فتویٰ دیتے تھے بلکہ کبھی کبھار بنا بر احتیاط جواب دینے سے گریز بھی کیا کرتے تھے۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے اس اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں کافی احتیاط سے کام لیتا چلا آ رہا ہے۔

زیادہ اہمیت کے حامل فتاویٰ کے حل کے سلسلے میں جامعہ ہذا کے علماء کا قول یہ رہا ہے کہ سوچ سمجھ اور خوب غور و خوض کرنے کے بعد باہم متفق ہو کر مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔

اختلافی مسائل ملکی سیاسی مسائل اور متنازعہ مسائل میں بڑے استدلال سے فتویٰ جاری ہوتا چلا آ رہا ہے جن پر صد ہا دلائل قرآنی کی تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ کسی شخص یا جماعت کی تکفیر یا تفسیق کے بارے میں حتی الامکان تمام تر تحقیقات کے بعد ایسا کوئی فتویٰ جاری کیا جاتا ہے تو وہ حتی الوسع کسی شخص فرد اور جماعت کے بارہ میں غلط استعمال نہ کیا جا سکے۔ اکثر استفتاء کے جواب میں کسی معتمد اور معتبر کتاب کا سہارا لیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایک سے زیادہ کتابوں سے حوالہ دینے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور بسا اوقات کثرت کار کی وجہ سے صرف ایک کتاب سے حوالہ دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو سوالات ڈاک یا دوسرے ذرائع سے دارالافتاء کو موصول ہوتے ہیں اگر سوال پوری طرح منقح نہ ہو، مبہم اور گول مول ہو جس سے صورت مسئلہ واضح طور پر سمجھ میں نہ آ سکے اور مستفتی اس سے غلط فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسے سوالات کو نظر انداز کر کے اس سے دوبارہ مسئلہ واضح طور پر لکھ کر بھیجنے کا کہا جاتا ہے۔

اہم اور متنازعہ استفسارات کی تنقیح کے لیے بعض دفعہ فریقین کو سوال کی وضاحت کے لیے طلب کیا جاتا ہے، خصوصاً متنازعہ مسائل میں فریقین کی حاضری کے بغیر جواب

(۶) مولانا جاوید اقبال کرک (۷) مولانا محمد حنیف ۔ مردان (۸) مفتی عبدالولی کنڑ افغانستان
(۹) مولانا حبیب حضرت منگل افغانستان (۱۰) مولانا محمد خلیل سواتی (۱۱) عطاء اللہ جہانگیرہ۔
(۱۲) مولانا محمد عارف چارسدہ (۱۳) مولانا گوہر علی تنگی چارسدہ (۱۴) مولانا شمس الرحمٰن ۔ تمبولک مردان۔
(۱۵) مولانا ذاکر حسین مصری بانڈہ نوشہرہ (۱۶) مولانا محمد جمیل ۔ بنوں (۱۷) مولانا نور الحق ۔ بنوں
(۱۸) مولانا ثناء الدین مہمند ۔ خوگیانی افغانستان (۱۹) مولانا عبدالحمید نوشہرہ (۲۰) مولانا ارشاد احمد
(۲۱) مولانا محمد کمیل ۔ شموزئی سوات۔ (۲۲) مولانا دلبر ۔ صوابی (۲۳) مولانا محمد فرید ۔ پشتون
(۲۴) مولانا گلزار احمد ۔ حکیم خان صوابی (۲۵) مولانا فدا محمد ۔ زیدہ صوابی (۲۶) مولانا امداد اللہ ۔ راولپنڈی
(۲۷) مولانا حیات اللہ ۔ افغانستان۔

اس طرح ہر سال ایک خاص مجموعہ تیار ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ عثمانیہ پشاور تشریف لے گئے۔ ان کے بعد درجہ تخصص کے اساتذہ اور مشرفین کو تخصص کی نگرانی و تدریس کا موقع ملا، ان میں علامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنی (جو جامعہ حقانیہ کے فیض یافتہ، فاضل اور اب استاذ الحدیث ہیں) حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب اور حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب حقانی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے جامعہ حقانیہ سے پشاور چلے جانے کے بعد فتاوی کی ترتیب کا کافی کام باقی رہ گیا تھا، مسائل کی تخریج تقریباً نصف باقی تھی، بعض مسائل میں حوالہ جات کی تخریج بھی نامکمل تھی، البتہ حضرت مفتی صاحب کے جامعہ ہذا سے جاتے وقت فتاوی کے حوالہ جات کی تصحیح، دوبارہ نظر ثانی کے لیے جامعہ کی انتظامیہ نے باہمی مشورہ سے راقم الحروف کا نام تجویز کیا۔ چنانچہ یہ اہم اور مشکل کام اس ناچیز کے حوالے کر دیا گیا۔

اگرچہ یہ بار گراں مجھ جیسے کمزور و ناتواں طالب علم کے لیے بہت مشکل تھا لیکن جامعہ کے مشفق و مہربان اساتذہ کے زیر سایہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الحج تک جب متعلقات پر نظر ثانی کی گئی تو فی الجملہ ان میں کافی کمی پائی گئی، جسے محنت شاقہ کے بعد پورا کیا گیا۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر کچھ عرصہ کے لیے یہ کام معطل رہا۔

۱۹۹۶ء کو اس ناچیز کی دارالعلوم حقانیہ میں تقرری ہوئی تو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ کے حکم پر فتاوی کی ترتیب و تحقیق اور فتاوی حقانیہ کے مدوّنہ فتاوی سے مزید فتاوی کی

تخریج اور جو مقالہ جات میں درج نہیں ہوئے تھے ان کا کام اور اس کے ساتھ ساتھ کتابت کی نگرانی بھی سونپی گئی۔ یہ کام اگرچہ مشکل اور ذمہ داری کا تھا مگر احقر نے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود حضرت مہتمم صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ جہاں جہاں مشکلات پیش آتی رہیں حضرت مہتمم صاحب اور جامعہ حقانیہ کے مشفق اساتذہ و مفتیان کرام سے مشورہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ان حضرات کی راہنمائی سے کام آسان ہوتا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب بھی تو اگرچہ مصروفیات دینی و ملی، جامعہ حقانیہ کے اہتمام اور ملک بھر کی سیاسی تگ و دو کے ساتھ ساتھ اول سے آخر تک اس سارے کام کی ترتیب و تخریج و تبویب اور کتابت کی نگرانی کے لیے بھی وقت نکالتے رہے اور اس سارے کام کی دیکھ بھال کے لیے احقر کی ان کے ساتھ کئی طویل نشستیں بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی کو بار آور اور مقبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ (آمین)

اس نئی ترتیب کا آغاز ۱۴۰۵ھ میں ہوا تھا اور تین چار سال کے اس عرصے میں فتاویٰ کے مسودہ و فائل کے نصف حصہ کی تخریج مع تحقیق و ترتیب اور جو ترتیب کنندگان سے رہ گئی تھی مرتب شدہ مقالہ جات کی نظر ثانی اور ان میں باقی رہ گئی کمی کی تکمیل اور اس کے ساتھ جدید طرز پر حوالہ جات کی تحریر تکمیل ہوگئی۔ فتاویٰ کے مسودہ و فائل میں مسائل کی تخریج و تحقیق کا کچھ حصہ ارباب جامعہ نے بعض شرکاء شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی و دارالافتاء کو بطور مقالہ جات تفویض کیا جس کی نگرانی جامعہ نے راقم الحروف کے حوالہ کی۔ ان طلباء میں (۱) مولانا محمد وہاب منگلوری سواتی (۲) مولانا طیب حزیز جہانگیر پوری (۳) مولانا سجاد احمد کشمیری پار سوو کے اسماء شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ شرکاء شعبہ تخصص کی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

## طرز ترتیب اور خصوصیات

فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ کی ترتیب کا انداز اور طریقہ کار دیگر عصری فتاویٰ سے مختلف رکھا گیا ہے تاکہ عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء کرام اور مفتیان عظام کو مسئلے کا حل با حوالہ مل سکے۔ حوالہ جات کے سلسلے میں صرف ایک کتاب پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ کئی کتابوں سے عبارات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل طریقہ کار پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۱) فتاویٰ حقانیہ چونکہ مسودہ فائل و رجسٹر اور ہزاروں فوٹو کاپیوں پر مشتمل تھا جن میں تکرار کا امکان تھا، تکرارات حذف کر کے فتاویٰ کو حتمی شکل دی گئی ہے۔

(۲) فتاویٰ کی اشاعت جدید اور فتاویٰ کی طرز ترتیب پر رکھی گئی ہے جن میں کتاب العقائد، تفسیر، حدیث، بدعات و رسومات وغیرہ کا ذکر مقدم رکھا گیا ہے اور باقی فقہی ابواب کا ذکر قدیم طرز ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے البتہ کتاب الکراہیۃ والا باحۃ کو بدعات و رسومات کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

(۳) جواب مختصر الفاظ میں مگر اس کے جامع و مانع ہونے کا لحاظ کر کے دیا گیا ہے۔

(۴) تمہیدی کلمات کو اکثر مقامات سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ہر جلد کے ساتھ تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے جس کی وجہ سے مسائل کی تخریج میں سہولت رہے گی۔

(۵) ہر جواب کا حوالہ تلاش کیا گیا ہے اور ہر جواب کے دو تین حوالے تحریر کیے گئے ہیں۔ جواب کے ساتھ جواب دینے والے مفتی کا نام نہیں لکھا گیا کیونکہ بعض فتاویٰ میں مفتی کا نام نہیں مل رہا تھا مگر ہر مفتی کا تحریر علمی اور فقاہت مسلّم رہی۔ اس لیے تمام فتاویٰ کی نسبت مجموعی طور پر دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف کی گئی۔

(۶) حوالہ جات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ایک حوالہ جواب کے ساتھ رکھا گیا ہے اور دو حوالے حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں مگر ان میں سے ایک حوالہ مع عبارت تحریر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے حوالے کے لیے صرف کتاب کا جلد نمبر اور صفحہ نمبر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ حوالہ جات میں کتاب کا نام، جلد نمبر، صفحہ نمبر کے علاوہ باب و فصل ذکر کرنے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قدیم و جدید نسخوں اور ایڈیشنوں کے اختلاف کی وجہ سے اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

(۷) کوشش یہ کی گئی ہے کہ فتاویٰ کے جملہ مسائل اپنے متعلقہ ابواب میں ان کے ذیلی عنوانات کے تحت ذکر کیا جائے لیکن اگر کسی جگہ ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو ہر کتاب کے آخر میں مسائل شتیٰ کا عنوان دے کر اس کتاب سے متعلق مسائل اس میں درج کیے گئے ہیں۔

(۸) ہر کتاب میں جو ذیلی ابواب ہیں ان کو بطور ضرورت بے شکل کر اس کے متعلقہ مسائل اسی میں لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ مسئلہ تلاش کرنے والے کے لیے آسانی ہو۔

(۹) دارالعلوم حقانیہ کے موقر جریدہ ماہنامہ "الحق" میں وقتاً فوقتاً حالات حاضرہ سے متعلق جدید مسائل کے حل میں دارالعلوم کے مفتیان اور دارالافتاء کی جانب سے جو مضامین اور فتاویٰ شائع ہوتے رہے انہیں بھی مناسبت کی وجہ سے اپنے متعلقہ ابواب میں درج کر کے فتاویٰ میں شامل کر دیا گیا۔

بالخصوص موجودہ جدید مسائل ، درپیش حوادث و نوازل میں حضرت مہتمم صاحب کے تحریر کردہ یا ان کی میں پیش کردہ مباحث وغیرہ بھی شامل کئے گئے ہیں ۔

**اظہار تشکر** راقم الحروف اول اس ذات مالک کا شکر گزار ہے جس نے اس عظیم کام کی تکمیل کی ہمت عطا فرمائی ، اور پھر ان حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس گراں قدر اور مشکل کام کی تصحیح اور بیرونی رہنمائی میں حصہ لیا ، ان میں مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ ، مخدوم زادہ مولانا حافظ راشد الحق سمیع استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مدیر ماہنامہ الحق ، جناب سراج الاسلام سراج صاحب ، جناب پروفیسر محمد افضل رضا صاحب جناب پروفیسر مفتی محمد الیاس صاحب خصوصی طور پر شکریہ کے مستحق ہیں ۔

محترم جناب ابو عثمان محمد لطیف گیلانی صاحب (کاتب فتاوی حقانیہ) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اردو محاورات کی تصحیح میں کافی معاونت فرمائی ۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔ (آمین)

**ضروری گزارش** اہل علم حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ اگرچہ فتاوی حقانیہ کی تصحیح و درستگی کے کام پر خاص توجہ دی گئی ہے مگر پھر بھی الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کے مطابق اغلاط کا در آنا ممکنات میں سے ہے ، اس لیے اگر کسی قسم کی کوئی غلطی یا خامی کہیں نظر آ جائے تو ازراہ کرم اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے ۔ شکریہ

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی
خادم شعبہ تخصص و دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

کتاب
العقائد
والفرق

الحمد لله رب العالمین

# کتاب العقائد والایمانیات

## (ایمان اور عقائد کے مسائل واحکام)

**اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا**

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کے ساتھ ذاتی عناد کے باعث اللہ تعالیٰ کی شان عالیہ میں توہین آمیز کلمات بکے ہیں اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے اوامر ونواہی کے بارے گستاخانہ کلمات استعمال کرنا موجب کفر وارتداد ہے تاہم اگر یہ شخص توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو توبہ کے بعد تجدید نکاح کرنا بھی لازمی ہے۔

لما قال فی الهندیة: ویکفر اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده۔

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی المرتدین) [1]

**قرآن مجید کی توہین موجب کفر ہے**

سوال:۔ قرآن مجید کی اہانت کرنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شعائر الٰہی میں قرآن مجید سب سے بڑا شعیرہ ہے جس کا احترام اور تعظیم مسلمانوں پر فرض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب۔ (سورة الحج آیت ۳۲) اور اس کی توہین واہانت سے کفر لازم ہوتا ہے۔

لما قال ملا علی القاری رحمه الله: ومن استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۶۸ فصل فی القراءة والصلوٰة)

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ویکفر اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده ...الخ

(البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ احکام المرتدین)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۳ کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی۔

لہٰذا قرآن مجید کی توہین کرنے والے کو تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے فعل بد کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد الزنا وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱۲ باب المرتد، مطلب جملة من لا یقتل اذا ارتد)۔ ط

### کلمہ طیبہ کو گالی دینے والا کافر ہے

سوال: اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو ازروئے شرع اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص کلمہ طیبہ کو گالی دے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کو گالی دینا دین اسلام کے ساتھ استخفاف ہے اور استخفاف دین موجب کفر و ارتداد ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ویظهر من هذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف لانه لو توقف علی قصده لما احتاج الی زیادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصدیق۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۲۲ باب المرتد، مطلب فی منکر الاجماع)۔ ط

### اسلامی نظام کو "فرسودہ نظام" کہنا کفر ہے

سوال: اگر کوئی مسلمان ہوش و حواس کے عالم ہوتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ اسلامی نظام فرسودہ ہے تو شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات امن و سلامتی کا نظام ٹھہرایا ہے لہٰذا اس کو "فرسودہ نظام" کہنا شریعت کا

---

ط قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل یقرأ القرآن فقال له رجل این چه بانگ طوفان است فهذا کفر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۹۲ کتاب احکام المرتدین، فیما یتعلق بالقرآن)

ط وقال الملا علی القاریؒ: من قال لا ادری صفة الاسلام فهو کافر قال شمس الائمة الحلوانیؒ: هذا رجل لا دین له ولا صلوٰة ولا صیام ولا طاعة ولا نکاح واولاده اولاد الزنا۔
(شرح الفقه الاکبر ص۲۶۱ فصل فی الکفر صریحا وکنایة)
ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۲ ص۳۹۲ احکام المرتد۔

ط قال العلامة ملا علی القاریؒ: من اهان الشریعة او المسائل التی لا بد منها کفر۔
(شرح الفقه الاکبر ص۱۲۳ فصل فی العلم والعلماء)

استہزاء ہے اور ایسی کی صورت وحواس شریعت مقدسہ سے استہزاء کرنے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ما یکون دلیل الاستخفاف یکفر به وإن لم یقصد الاستخفاف۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۱ باب المرتد)۱ه

## شاتم رسول کی توبہ کا حکم

سوال:- اگر کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرے اور بعد میں پشیمان ہو اور توبہ بھی کرے تو از روئے شریعت اس کی توبہ مقبول ہے کہ نہیں؟

الجواب:- جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: اجمع المسلمون ان شاتمه کافر وحکمه القتل۔
(رد المحتار ج۴ ص۲۳۲ باب المرتد مطلب مہم فی حکم ساب الانبیاء)

تاہم اگر شاتم رسول اپنے اس فعل پر نادم ہوکر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے اور تجدید ایمان کے بعد دوبارہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

قال ابو الحسن علی بن الحسین السغدیؒ: من سب رسول اللہ فانه مرتد ویفعل به ما یفعل بالمرتد۔ (النتف فی الفتاوی ج۲ ص۶۹۳ باب المرتد)

قال العلامة ابن عابدینؒ: ناظر فی قبول توبته کما لا یخفی۔
(منحة الخالق علی البحر الرائق ج۵ ص۱۳۵ باب المرتد)۲ه

## انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنا

سوال:- ایک شخص کا یہ کہنا کہ انبیاء کرام نعوذ باللہ

---

۱ه قال العلامة ملا علی القاریؒ: ومن قال الشرع واشاله لا یفید فی ولا ینفع عندی کفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲۶۳ فصل فی العلم والعلماء)

ومثله فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۲ ص۳۵۴ احکام مرتد۔

۲ه قال ابن عابدینؒ: ان مذهب ابی حنیفةؒ والشافعیؒ ان حکمه حکم المرتد وقد علم ان المرتد تقبل توبته ویدل ما نقله عن النتف۔ (رسائل ابن عابدین ج۱ ص۳۴۲ تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام)

## سبِّ شیخینؓ موجبِ فسق ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! شیعہ حضرات شیخینؓ کو گالیاں دیتے ہیں تو کیا سبِّ شیخینؓ سے کفر لازم آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں گستاخی کرنا اور گالیاں دینا محققین علماء کے نزدیک کفر نہیں ہے البتہ فسق اور گمراہی ضرور ہے اور اس فعلِ بد سے توبہ لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع وتخطئتهم وسبّ احدٍ من الصحابة وبغضه لا یکون کفرًا لکن یضلل۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲۱ باب المرتد مطلب حکم سب الشیخین)[1]

البتہ اگر کوئی شیخینؓ کی توہین کو حلال سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو پھر کفر سے خالی نہیں۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: والاستحلال اشنع واقبح فهو کفر لا محالة۔ (شرح فقه الاکبر ص[illegible])

## امیر معاویہؓ کی شان میں گستاخی جائز نہیں ہے

سوال: بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں زبان درازی کرتے ہیں اور ان کے مشاجرات کو علانیہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؓ اہلِ بیتِ رسول کے دشمن تھے، تو ان باتوں کی شرعاً کیا حقیقت ہے؟ اور بحیثیت مسلمان آپؓ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: جتنی احادیث حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب میں وارد ہیں وہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ آپؓ اجلہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی عمیرة وکان من اصحاب النبی صلعم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لمعاویة: اللّٰهم اجعله هادیًا مهدیًا واهد به۔

(ترمذی ج۲ ص۲۲۴ مناقب معاویہ بن ابی سفیانؓ)

اور ان کے درمیان جو مناقشات جاری رہے تھے تو وہ بنا بر اجتہاد تصویب کے تھے۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: قال ابو منصور البغدادیؒ: واما معاویة فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخیار، والحروب التي جرت بینهم کانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفسها بها وکلهم متأوّلون فی حروبها ولم یخرج به

---

[1] قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله: ان سبّ الشیخین لیس بکفر کما صححه ابو الشکور السالمی فی تمهیده وذلك لعدم ثبوت مبناه وعدم تحقق معناه فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت۔ (شرح الفقه الاکبر ص[illegible] الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الایمان)

احد منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون في مسائل ولا يلزم من ذلك نقص احد منهم. (مرقاة ج ۱۱ ص ۲۴۷ باب مناقب الصحابة) ـ

## صحابیتِ حسینؓ کا ثبوت

سوال: بعض لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بوقتِ وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عمر پانچ سال تھی اور آپ نابالغ تھے، اسکے بارے میں وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب: جمہور محدثین اور ارباب فتویٰ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیگر فضائل و مناقب کے ساتھ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے بلکہ تمام فضائل میں اہم الفضائل صحابیت ہے اور ثبوتِ صحابیت میں کم سنی کو مانع سمجھنا کوئی قابلِ توجہ بات نہیں۔ عام محدثین کے نزدیک صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، خواہ کسی بھی عمر میں ہو۔ بعض علماء نے صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلوغ کی قید لگائی ہے لیکن جمہور محدثین کے نزدیک یہ قول ضعیف و مردود ہے، باقی بوقتِ وفاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر کا پانچ سال ہونا قطعی اور یقینی نہیں بلکہ اس بارے میں سات سال تک کی روایات ملتی ہیں، اور سات سال کی عمر میں بچہ فہم و شعور کو پہنچ جاتا ہے بلکہ کتبِ حدیث میں آپ کی روایات اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہیں اور محدثین نے ان کو معتبر قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی صورت میں آپ کی عدمِ صحابیت کا قائل ہونا بے اصل و بے بنیاد ہے۔

لما قال الامام محمد بن اسماعيل البخاريؒ: من صحب النبي صلى الله عليه وسلم او رآه من المسلمين فهو صحابي. (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۱۵ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وقال العلامة ابن حجر العسقلانی رحمه الله: ومنهم من اشترط في ذلك ان يكونوا حين اجتماعه بالغا وهو مردود لانه يخرج مثل الحسين بن عليؓ ونحوه من احداث الصحابة والذي جزم به البخاري هو

---

؎ قال العلامة ابن تيمية: ان هذه الآثار المروية في مساويهم ..... والصحيح منه هم فيه معذورون اما مجتهدون مصيبون واما مجتهدون مخطئون وهم مع ذلك لا يعتقدون ان كل واحد من الصحابة معصوم من كبائر الاثم وصغائره بل يجوز عليهم الذنوب في الجملة ولهم من السوابق ما يوجب مغفرة ما يصدر منهم ان صدر۔ (شرح العقيدة الواسطية ص ۱۴۱ تعيين مراتب تقدم)

قول احسن والجمہور من المحققین۔ (فتح الباری شرح البخاری ج۳ ص۔ فی باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل) ملخصاً

## علماء دیوبند کو وہابی کہنے کا حکم

سوال: علماء دیوبند کے لیے وہابی کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ لفظ کس فرقے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

الجواب: علماء دیوبند کے متعلق لفظ "وہابی" کا استعمال بے بنیاد اور بے اصل ہے "وہابی" اصل میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور آپ حنبلی تھے جبکہ علماء دیوبند امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اس لیے ان کو غیر مقلد یا وہابی کہنا سراسر جہالت اور تعصب ہے۔

## عالم دین کی تحقیر کرنا موجب کفر ہے

سوال: علماء دین کو گالی دینا یا ان کو حکومت پسند یا کسی کی طرف منسوب کرنے سے انسان کافر ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ذاتی رنجش وعداوت یا دنیوی معاملات کی وجہ سے کسی کو گالی دینا موجب فسق ہے۔ لقولہ علیہ السلام: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (ترمذی ج۲ ص۱۹ باب ماجاء فی الشتم)

ہاں اگر کسی عالم دین کی اس کے علم کی وجہ سے تحقیر کرنا مقصود ہو تو فقہائے کرام نے ایسے شخص پر کفر وارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔

لما قال العلامۃ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)

قال العلامۃ ملا علی قاریؒ: قلت الظاہر انہ یکفر لانہ اذا ابغض العالم من غیر سبب دنیوی او اخروی فیکون بغضہ لعلم الشریعۃ ولا شک فی کفر من انکرہ فضلاً عمن ابغضہ۔ (شرح فقہ اکبر)

---

ل قال العلامۃ ابن کثیرؒ: فانہ من سادات المسلمین وعلماء الصحابۃ وابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ہی افضل بناتہ، وقد کان عابداً وشجاعاً وسخیاً۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۲۰۳ فصل بعد ما قتل الحسین رضی اللہ عنہ)

ومثلہ فی المشکوٰۃ ص۵۶۹ فی مناقب اہل بیت۔ وکذا فی المرقاۃ المفاتیح۔

ت قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: ومن شتم عالماً او فقیہاً لامر غیر صالح فی ذاتہ وعداوۃ لاخلاقہ الشرع لایکون کفراً ولاخطأ۔ (فتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۶ ص۳۳۶)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر والکلام۔

اسی طرح کسی مسلمان کو سکھ، ہندو یا برہمن کی طرف منسوب کرنا بھی موجب کفر ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: ومن قال یا کافر فسکت المخاطب کان الفقیہ ابوبکر البلخیؒ یقول یکفر هذا القائل۔ ای الشاتم۔ الخ (شرح الفقه الاکبر ص۱۸۵ فصل فی الکفر صریحاً وکنایة)

## کسی مسلمان کو گدھا کہنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کسی مسلمان کو گدھا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بلا کسی سبب کے کسی مسلمان کو قبیح چیز کی طرف منسوب کرنا جرم اور گناہ ہے لیکن کسی مسلمان کو گدھا کہنے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا ہے تاہم ایسا کہنے والا شخص قابل تعزیر ضرور ہے کہ حاکم وقت ایسے شخص پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ تعزیر نافذ کرنا صرف حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے، رعایا میں سے کسی کو قانون ہاتھ میں لے کر از خود تعزیر جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: رجل قال لصالح یا فاسق یا حمار یا فاجر یا خبیث یا مسخرہ۔۔۔۔ ذکر الناطفیؒ: ان علیه التعزیر فی هذه الالفاظ۔[1]

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۳ ص۳۴۹ فصل فیما یوجب التعزیر)

## داڑھی رکھنے والوں کو گالی دینے والے کا حکم

سوال:۔ داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو کافر اور ان کو برا بھلا کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ داڑھی رکھنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبوب سنت نہیں بلکہ سنت الانبیاء ہے اور شعائر دین اسلام میں سے ہے، اس لیے داڑھی کی وجہ سے کسی مسلمان کی تحقیر کرنے اور اس کو برا بھلا کہنے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے لہٰذا اس قسم کے کلمات سے ایک مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

لما فی الهندیة: ولو قال این چہ رسم است بیہودہ بست کردن دستار بزیر گلو آوردنا

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ان المسبوب من الاشراف کالفقهاء والعلویة یعزر لانه یلحقهم الوحشة بذلک وان کان من العامة لا یعزر۔
(رد المحتار ج۳ ص۱۸۳ باب التعزیر مطلب فی الجرح المجرد)

## سنتِ نبوی کی توہین کرنا کفر ہے

سوال:۔ سنتِ نبوی کی توہین کرنے اور اس کے ساتھ استہزاء کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی بھی عمل کا سنت ہونا دلیلِ شرعی سے ثابت ہو جائے تو اس کی توہین اور تضحیک کرنا موجبِ کفر ہے۔

لما قال فی الہندیۃ:۔ در روزِ عاشوراء یکے را گویند کہ سرمہ دریں روز سنت است او گوید کارِ زنان و مخنثان بود کافر گردد۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۲ ص۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین) ؎

## نماز کی تحقیر کرنا

سوال:۔ ایک شخص کو کہا گیا کہ نماز پڑھو تو اس نے جواب میں کہا کہ نماز کوئی چیز نہیں اور نماز میں کیا رکھا ہے، تو نماز کے متعلق ایسے الفاظ کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز شعائر اللہ میں سے ہے اور واجب التعظیم عمل ہے جو دینِ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اس کے بارے میں ایسے تحقیر آمیز الفاظ کہنا موجبِ کفر ہے۔

لما قال فی الہندیۃ:۔ وقال نماز [illegible] چیزے [illegible] او قال نماز کردی چیزے [illegible] ..... فہذا کلہ کفر کذا فی الخزانۃ المفتین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۲ ص۲۶۸ احکام المرتدین) ؎

## علماءِ کرام کے حق میں توہین آمیز کلمات بولنا

سوال:۔ ایک عالمِ دین کو برا بھلا کہنا اور اس کو بے دینی کی طرف منسوب کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ ایک عالمِ دین اور متبعِ شریعت شخص کی اہانت کرنا اور عدم تدین کی طرف

---

؎ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: بل بالمواظبۃ علی ترک سنۃ استخفافاً بہا بسبب انہ فعلہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادۃ او یستقبحہا کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامۃ تحت حلقہ او حفی شاربہ۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

ومثلہ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۲ استحلال المعصیۃ صغیرۃ ..... کفر۔

؎ قال العلامۃ ابن عابدین: قلت ویظہر من ہذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

ومثلہ فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج۳ ص۵۷۵ باب ما یکون کفراً من المسلم۔

کی طرف اس کی نسبت کرنا اگر دنیاوی یا کسی ذاتی عداوت کی بناء پر ہو تو اگرچہ یہ کفر و ارتداد تو نہیں ہے لیکن فسق اور عدم مروت ضرور ہے البتہ اگر کسی عالم دین کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت اور دشمنی نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک عالم دین متبع شریعت ہے اور اس کی وضع قطع سنت نبوی کے عین مطابق ہے تو بنا بریں اس کی اہانت و تذلیل کرنا درحقیقت شریعت مطہرہ کی اہانت و تذلیل کے مترادف ہے اور شریعت مطہرہ کی اہانت اور اس کے ساتھ بغض و استہزاء موجب کفر ہے۔ لہٰذا کسی عالم دین کی اسکی دینداری کی وجہ سے توہین کرنا کفر کے مترادف عمل ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ وفی الخلاصة: من ابغض عالمًا من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر قلت الظاهر انه یکفر لانه اذا ابغض العالم من غیر سبب دنیوی او اخروی فیکون بغضه لعلم الشریعة ولا شك فی کفر من انکر فضلا عمن ابغضه۔

(شرح الفقه الاکبر ص۱۷۲ فصل فی العلم والعلماء) ¹

## مسجد کے متعلق نازیبا کلمات کہنا

سوال: ایک شخص نے مسجد کے متعلق ایسے نازیبا کلمات کہے ہیں کہ انہیں الفاظ میں دہرایا نہیں جا سکتا ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی توہین بعض اوقات موجب کفر بنتی ہے اور گالی دینے سے زیادہ توہین اور کیا ہو گی؟ ایسے شخص پر کفر کا شدید خطرہ ہے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اپنے اس قول سے توبہ اور استغفار نہ کرے تاہم کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق ایسے کلمات منسوب نہیں کرنے چاہئیں جو اس نے نہ کہے ہوں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله: من استخف بالقرآن او بالمسجد او نحوه²

---

¹ ونحوه فی الهندیة: فی النصاب من ابغض عالمًا من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر و اذا قال لرجل مصلح دیدار و بے ترا دشمن است کہ دیدار خرے بماند علیه الکفر کذا فی الخلاصة: اذا شتم عالمًا او فقیهًا من غیر سبب۔

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۷۰ ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۳۶، ۳۳۷ الثانی فی الاستخفاف بالعلم۔

مما یعظم فی الشرع کفر۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۲۵۹ فصل فی القرأۃ والصلوٰۃ)[1]

### ختم نبوت کا منکر کافر ہے

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے یا سنت یا مستحب؟ اور انکار ختم نبوت کفر ہے یا معمولی گناہ؟

الجواب: عقیدۂ ختم نبوت بنص قرآن وحدیث فرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء والمرسلین اور آپ کے لائے ہوئے دین کو خاتم الادیان سمجھنا فرض ہے، آپ کی ختم نبوت کا منکر اور آپ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا معتقد کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔[2]

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل وفی روایۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔ متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ ج۳ ص۱۶۰۱ حدیث ۵۷۴۵)

### حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے

سوال: عوام الناس میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے یا ولی؟

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (من هزل بلفظ کفر) ای تکلم بہ باختیارہ غیر قاصد معناہ ... لان التصدیق وان کان موجوداً حقیقۃ لکنہ زائل حکماً لان الشارع جعل بعض المعاصی امارۃ علی عدم وجودہ کالهزل المذکور ... وبالجملۃ فقد ضم الی التصدیق بالقلب او بالقلب واللسان فی تحقیق الایمان امور الاخلال بها اخلال بالایمان اتفاقاً کترک السجود لصنم وقتل نبی والاستخفاف بہ وبالمصحف والکعبۃ۔

(رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

[2] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۲۰۲ فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ)

شرعاً ان دونوں میں کون سے قول پر عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

**الجواب:۔** جمہور علماء امت حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں اور آپ کی نبوت پر قرآن مجید کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

قال العلامة القرطبیؒ تحت قوله تعالیٰ (وعلمناه من لدنا علما) والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحی وايضاً فان الانسان لا يتعلم ولا يتبع الا من كان فوقه وليس يجوز ان يكون فوق النبی من ليس بنبی۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۱۶)

قرآن مجید میں مذکور آپ کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے مثلاً بچے کا قتل کرنا وغیرہ کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ایسا اقدام جائز نہیں۔

قال العلامة الآلوسیؒ تحت قوله (وما فعلته عن امری) والجمهور على انه نبی وقد اطلقت على ذلك فی مواضع من القرآن۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۲۰)[1]

البتہ اگر کوئی ان کے نبی ہونے کا معتقد نہ ہو تو اس کو کافر نہیں سمجھا جائے گا۔

## انبیاء علیہم السلام قبل النبوۃ بھی معصوم تھے

**سوال:۔** ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام سے نبوت سے پہلے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو چکا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے جنت میں قصداً گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور یہ شخص قرآن کریم کی آیت ربنا ظلمنا انفسنا۔ الآیۃ کو بطور استدلال اپنے اس عقیدہ پر مصر ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:۔** تمام اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی قصداً جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، البتہ بعض مواقع میں بشری تقاضے کی بناء پر بعض انبیاء سے بلا قصد سہو اور لغزش کا ارتکاب ہوا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام نے کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی و تقرب کے لیے کیا لیکن فی الواقع وہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور

---

[1] قال العلامة اسمٰعيل حقی البروسویؒ وفی تفسير ابن حيان والجمهور على ان الخضر نبی وكان علمه معرفة بواطن امور اوحيت اليه۔ (روح البيان ج ۵ ص ۲۸۱ سورة الكهف پ ۱۶)

ومثله فی عمدة القاری ج ۲ ص ۱۰۶ باب ما ذكر فی ذهاب موسىٰ فی البحر۔

منشاء کے خلاف نکلا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت میں بھی اپنے برگزیدہ انبیاء کو اپنی منشاء کے خلاف کام پر برقرار نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً تنبیہ نازل فرماتے رہے۔ لہذا اس طرح کی چھوٹی لغزش و سہو انبیاء کی عصمت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس لیے کہ حقیقت میں گناہ اس کو کہتے ہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر کرے۔ اس قسم کی معصیت سے حضرات انبیاء علیہم السلام منزہ اور پاک ہیں۔ مخالفین نے جو قرآن پاک کی آیت عصیان و غوایت ظلم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ارتکاب کبیرہ پر استدلال کیا ہے اور اس کو حقیقی عصیان ظلم پر محمول کیا ہے یہ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت کے مخالف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵) یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے قصداً و عمداً نافرمانی سے شجر ممنوعہ نہیں کھایا تھا بلکہ ہمارے وعدے کو بھول گئے تھے اور بھول کر بلا قصد ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو جتنا زیادہ مقرب و نزدیک ہوتا ہے اس کے خلاف اولیٰ کام کو بھی قابل عتاب سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اور لفظ ظلم سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ وضع الشیٔ فی غیر محلہ ظلم ہے اور یہ عام ہے کبیرہ صغیرہ ترک اولیٰ وغیرہ۔ لہذا اس آخری معنیٰ پر محمول کرنا نص قرآن کے عین مطابق ہے۔ لہذا جو شخص عصمت انبیاء کا قائل نہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے البتہ احتیاط کی بنا پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ لوجود الاختلاف۔

قال ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری رحمہ اللہ: و ذہبت جمیع اہل الاسلام من اہل السنۃ والمعتزلۃ والنجاریۃ والخوارج والشیعۃ الی انہ لایجوز البتۃ ان یقع من نبی اصلاً معصیۃ بعمد لا صغیرۃ ولا کبیرۃ وھو قول ابن مجاہد الاشعری شیخ ابن فورک والباقلانی المذکورین۔

قال ابو محمد وھذا قول الذی ندین اللہ بہ ولا یحل لاحد ان یدین بسواہ ونقول انہ یقع من الانبیاء السہو عن غیر قصد و یقع منہم ایضاً قصد الشیٔ یریدون بہ وجہ اللہ تعالیٰ والتقرب بہ منہ فیوافق خلاف مراد اللہ تعالیٰ الا انہ تعالیٰ لایقرہم علی شیٔ من ہذین الوجہین اصلاً بل ینبہہم علی ذلک ولابد اثر وقوعہ منہم ویظہر عز وجل

ذلک عبادۃ وتبیین لھم۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج۲ ص۲ فصل تعصی الانبیاء)

## لغزشاتِ انبیاء عصمت کے منافی نہیں

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء کرام سے بمقتضائے بشریت غلطی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی نہیں ہوسکتی تو بعض انبیاء کرام جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو اس کو کس پر محمول کریں گے؟

الجواب:- انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ عمل ان سے سرزد ہوجاتا ہے وہ از قسم لغزشات ہیں گناہ قصداً نہیں ہے، لغزشات و زلات کا صدور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں، اس میں قصد اور ارادہ کا دخل نہیں رہتا۔

کما قال الامام الاعظم ابوحنیفة نعمان بن ثابت رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر وقد کانت منھم زلات وخطیئات۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۵۶)[1]

---

[1] قال الامام ابوحنیفة رحمہ اللہ: والانبیاء علیھم السلام کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منھم زلات وخطیئات۔ وقال ملا علی قاری تحت قولہ وقد کانت منھم زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبة الی ما لھم من علی المقامات وسنی الحالات کما وقع لآدم علیہ السلام فی اکلہ من الشجرة علی وجہ النسیان او ترک العزیمة واختیار الرخصة ظناً منہ ان المراد بالشجرة المنھیة المشار الیھا بقولہ تعالی "ولا تقربا ھذہ الشجرة" ھی الشخصیة لا الجنسیة فاکل من جنس لا من الشخص بناء علی الحکمة الالھیة لیظھر ضعف قدرة البشریة وقوة اقتضاء مغفرة الربوبیة۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۵۶ الانبیاء منزھون عن الکبائر والصغائر)
ومثلہ فی شرح العقائد ص۱۳۹ (طبع خیر کثیر)

[2] وقال ابومحمد علی بن احمد بن حزم الظاھری: ونقول انہ یقع من الانبیاء السھو من غیر قصد ویقع منھم ایضاً قصد الشیء یریدون بہ وجہ اللہ تعالی والتقرب بہ منہ فیوافق خلاف مراد اللہ تعالی الا انہ تعالی لا یقرھم علی شیء من ھذین الوجھین اصلاً بل ینبھھم علی ذلک۔ الخ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج۴ ص۲ فصل تعصی الانبیاء)
ومثلہ فی شرح العقائد النسفی ص۱۳۹ طبع خیر کثیر۔

چیز کسی کے بس ہی میں نہ ہو اختیار کرنے پر قدرت ہو اور نہ کرنے پر قدرت نہ ہو اسی کا نام مجبوری
ہے اور اس طرح کی مجبوری بندوں کے کسی فعل میں نہیں پائی جاتی ہے ۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بندوں کے تمام افعال اختیاری ہیں تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اختیاری افعال
کے ساتھ تعلق کا معنی یہ نہیں کہ وہ افعال بہرحال لازمی طور پر صادر ہوں گے ورنہ پھر تو بندہ ان
افعال میں مجبور ہو جائے گا بلکہ ان کے ساتھ تقدیر کے تعلق کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ ان افعال کا مصمم
ارادہ کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام کرے گا تو وہ صادر ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ارادہ
کر کے باختیار خود اس کی طرف اقدام نہ کرے گا تو وہ صادر نہ ہوں گے ۔ تقدیر کے اس تعلق
سے بندہ اپنے تمام افعال میں مجبور نہیں بن جاتا بلکہ مکمل خود مختار رہتا ہے اور جب اس کو
مکمل خود مختاری مل گئی تو جائز اور نیک اعمال پر اس کو اجر ملنا چاہیے کیونکہ اس نے اپنے اختیار
سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے اور حرام و ناجائز کاموں پر اس کو سزا ملنی چاہیے کیونکہ خود
اختیار سے اس نے ارادتاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہے ۔

اب قتل کے معاملہ کو لیجئے کہ زید نے بکر کو جب قتل کر دیا تو اس میں دو چیزیں ہیں ایک
بکر کی موت دوسری چیز زید کا مار ڈالنا جسے ہم قتل کہتے ہیں ۔ موت بھی تقدیری ہے اور قتل
بھی تقدیری ہے مگر موت کی تقدیر مبرم (اٹل) ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بکر بہرحال اس ساعت
میں مر ہی جائے گا یا کسی کے مار ڈالنے سے یا اپنی موت سے اور قتل کی تقدیر مبرم نہیں بلکہ
زید کے اختیار اور ارادے پر معلق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ زید اگر اپنے اختیار سے بکر کے
قتل کا ارادہ کر کے اقدام کرے گا تو قتل پایا جائے گا ورنہ نہیں اب چونکہ زید قتل کے اختیار اور
ارادے پر مجبور نہیں بلکہ خود مختار ہے اس لیے قتل اس ہی کا فعل شمار کر کے بکر کا وہ قاتل قرار
دیا جائے گا ۔ اور چونکہ زید کا یہ اختیاری فعل قانون کی رو سے حرام بھی ہے اس لیے اس سے
وہ سزا کا بھی مستحق ہو گا تو قتل اس معنیٰ کے لحاظ سے تقدیر ہو کر بھی زید کا سنگین جرم قرار دیا جا
سکتا ہے اور زید اس پر سزا کا مستحق گردانا جا سکتا ہے ۔ جب یہ تحقیق آپ کو معلوم ہو گئی
تو مذکورہ دونوں دوستوں میں سے ایک کا یہ کہنا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور
دونوں کی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے بالکل درست ہے لیکن اگر اس سے اس کا مطلب یہ ہو کہ
قتل کی وجہ سے زید مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ قتل زید کا ایک اختیاری
فعل ہے اور اختیاری افعال کے تقدیر ہونے سے ان کا جرم ہونا ناممکن نہیں ہوتا جیسا کہ اس کی

تحقیق ترمذی، اور دوسرے کا یہ کہنا کہ "یہ تقدیر کی نہیں ہے" سراسر غلط ہے، واضح رہنا چاہیئے کہ اس سے توبہ کرے، تقدیر سے انکار کرنا اسلام کے ایک اجماعی عقیدے سے انکار کرنا ہے جو قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ (۱) انا کل شیء خلقناہ بقدر (۲) خلق کل شیء فقدرہ تقدیرا (۳) والذی قدر فھدیٰ۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنۃ۔

(مشکوٰۃ ص ۔ باب الایمان بالقدر) ؎۱

## حیاتِ عیسیٰؑ کا عقیدہ نص قرآنی سے ثابت ہے

سوال:- کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے یا دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں؟ بحیثیت ایک مسلمان کے اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب:- تمام امت محمدیہ کا یہ منصوص اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سلامت اٹھایا گیا ہے اور بعض فرائض کی انجام دہی تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ (سورۃ النساء آیت ۱۵۸) اور اسی طرح احادیث نبویہ بھی آپ کی زندگی پر ناطق ہیں۔

اخرج اسماعیل بن کثیرؒ قال الحسنؒ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ سورۃ النساء) ؎۲

---

؎۱ قال الامام الرازیؒ: فالمقضی ما الاجل ... ما الکفر والفسق والایمان والعصمۃ فکل ذلک مقضیا فان العبد فاذا کتب اللہ تعالیٰ ذلک فانما یکتب بعلمہ من اختیار العبد وذلک لا یخرج العبد من ان یکون ھو الملوم او الممدوح۔

(تفسیر الکبیر ج ۲۸ ص ... تحت یرید ثواب الدنیا)

؎۲ قال الامام البخاریؒ: ان سعید بن المسیب سمع ابا ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰)۔ وھٰذا فی عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام۔

## عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند شبہات کا ازالہ

**سوال:** از جناب ... صاحب۔ ہم صبح و شام سنتے ہیں کہ اسلامیہ کتاب ہے اسلام وہ کتاب ہے جو جب جو بات پوچھا جائے تو کبھی کسی طبری، کسی ابن کثیر یا کسی غزالی کا نام بتا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات صوفیانہ رموز، بھی مشاہدات کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ کسی بات کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لیے کسی انسان کے منہ کی بات کافی نہیں ہو سکتی ہے خدا اور رسول کے علاوہ کسی کو حوالے کے طور پر پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ حالات کا خیال و متقاضی جزو اسلام نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ بہر حالت میں دین کامل ہو چکا ہے۔ براہ کرم درج ذیل سوالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) مریم سلام اللہ علیہا صاحب سال تھیں؟ اچھا تو بتائیں کہ وہ خود فرماتی ہیں کہ ولدت و لم اتزوج۔

(۲) کیا کبھی عیسیٰ علیہ السلام نے خود اقرار کیا ہے ولدتنی امی مریم الصدیقۃ ولم تتزوج

(۳) کیا قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ ولدته مریم ولم تتزوج

(۴) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ کو بغیر نکاح جنا ہے۔

(۵) یا کبھی یوں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں باپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر ان سب صورتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ کب سے رائج ہے اور سب سے پہلے کس نے اس کا اظہار کیا ہے اور بغیر نکاح کے حمل کی کیا حقیقت ہے؟

کیا ہر نبی علیہ السلام کا حلال نکاح سے پیدا ہونا لازم تھا؟ جیسا کہ ظاہر ہے وہیں وضاحت ہوتی ہے، کہ ہمارے سلسلہ نسب میں کوئی بھی بغیر نکاح کے پیدا نہیں ہوا ہے جتنا قدر بھی انبیاء نبوت سے سرفراز ہوئے سب شریف النسب اور نجیب الطرفین تھے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اعتقادیات اور ایمانیات سے ہے تو پھر اس کا ثبوت اہل حق کے نزدیک متواترات شرعیہ سے لازم ہے۔ ورنہ استدلالات پر اس کا ثبوت درست نہیں۔ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ثبوت میرے ذمہ نہیں بلکہ نظام عالم میں یہ طے شدہ ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور کلام الٰہی میں بھی اصل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَىٰ (سورۂ حجرات) وَبَثَّ مِنْهُمَا

رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (سورۃ النساء آیت ۱) یعنی بچہ میاں بیوی دونوں سے ہوتا ہے صرف مرد اور عورت سے نہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: فکانت النفخة التی نفخها فی درعها فنزلت حتی ولجت فرجها بمنزلة لقاح الاب الام۔ (تفسیر ابن کثیر)

جبریل نے حضرت مریم کے گریبان میں جو پھونک ماری تھی وہ اس طرح ان کی فرج میں داخل ہوئی جس طرح کسی کا باپ حمل ٹھہرنے کے لیے اس کی ماں سے میل ملاپ کرتا ہے۔

آپ لوگ اس عبارت کو مانتے ہیں جبکہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کیونکہ یہ فعل ملائکہ کا نہیں بلکہ شوہر کا ہے۔ مجھے ہم جنس شریف انسان کو باضابطہ شرعی نکاح سے باپ ٹھہرانا پسند ہے جبکہ آپ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنا رکھے ہیں، کسی نے بلا نکاح کے باپ ٹھہرایا، کسی نے جبریل فرشتے کو باپ ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ باپ کا کوئی منکر نہیں ہم جنس اور نکاح کا انکار ہے اور یہ سارے عقیدے شریعت کے خلاف ہیں۔ میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ہم جنس مسلمان پاکباز سے نکاح مان کر باپ ٹھہراتا ہوں چاہے یوسف ہو یا کوئی دیگر بنی آدم ہی کیوں نہ ہو۔ جو کوئی بھی نبوت سے سرفراز ہوا ہے وہ شریف النسب اور نجیب الطرفین ہے، کسی نبی کا نسب اس کے معاصروں کے نزدیک اندھیرے میں نہیں ہوتا؟

الجواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کے ثبوت کے لیے جتنے مقدمات آپ نے بیان کئے ہیں وہ تمام باطل اور استدلالات غلط اور ناقص ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے لیے قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی کافی ہے: وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا (سورہ مریم آیت ۲۰) اس میں حرام و حلال دونوں قسم کے جماع کی نفی ہے، نیز اس آیت کے سیاق و سباق سے خارق العادت طور سے پیدا ہونا بھی ظاہر ہے۔

## مہاتما بدھ کے متعلق عقیدۂ نبوت درست نہیں ہے

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۃ الرعد آیت ۷) (۲) وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ۲۴)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی پیغمبر آیا ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی پیغمبر آیا ہوگا، چونکہ مہاتما بدھ کی تعلیمات بھی انبیاء کرام کی تعلیمات کے مطابق ہیں تو کیا ان کو بھی نبی ماننا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:۔** مذکورہ بالا آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی قوم یا امت ایسی نہیں گذری ہے جس میں ہادی (راہ بتلانے والا) نذیر (ڈرانے والا) نہ آیا ہو لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ جو بھی مذہبی راہنما دنیا میں گذرے ہیں وہ پیغمبر ہی ہوں گے، مہاتما بدھ بھی نبی ہو سکے۔

گذشتہ اقوام کے نبیوں کے بارے میں اسلامی شریعت کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جن انبیاء کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق ہم اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھیں گے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے وہ نبی ہوگا اور جس کو یہ منصب نہیں ملا وہ نبی نہیں اگرچہ اس کی تعلیمات شرائع آسمانی کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں، زیادہ سے زیادہ اگر اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہ یہ کہ اس کی تعلیمات اگر شرک سے پاک اور توحید پر مشتمل ہوں تو وہ ایک نیک آدمی ہوگا۔ الحاصل: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بجز ان حضرات کے جن کی نبوت پر قرآن و حدیث میں تصریح کی گئی ہو کسی دوسرے شخص کے بارے میں خصوصی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نبی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نبی نہیں، احتمال ہے کہ نبی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی نہ ہو۔

باقی رہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا معاملہ تو اس کے متعلق اسلام کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تا قیامت کسی شخص کو کسی قسم کی نئی نبوت نہیں مل سکتی، خواہ وہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، اور جس کسی نے بھی اس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا اور جو بھی اس کو نبی مانے گا وہ بھی کافر ہوگا۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: قال الموفق فی المغنی: ومن ادعی النبوۃ او صدق من ادعاها فقد ارتد لان مسیلمة لما ادعی النبوۃ فصدقه قومه صاروا بذلك مرتدین. اھ

(اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۵۹۵ من ادعی النبوۃ او صدق من ادعاها)[1]

---

[1] وقال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ: اس لیے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی و رسول پیدا ہوا ہو البتہ دعوت رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا آنا ثابت ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۱۶۳ تحت الآیة: ولکل قوم ھاد)

فی الظہیریۃ ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۲ باب المرتد)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے

سوال:- یہ عقیدہ رکھنا کہ ابلیس کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے یا درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو پھر براہین قاطعہ میں جو اس کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کا اتنا حصہ دیا ہے کہ پوری کائنات میں کوئی بھی آپ کے علم کی برابری تک کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کا ہمارا عقیدہ ہے کہ اولین و آخرین کے تمام علوم جو شایانِ نبوت کے مناسب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا مجموعہ آپ کو عطا فرمایا ہے۔ رہی "براہین قاطعہ" کی بات تو وہ بالکل بجا اور درست ہے کہ "شیطان کا علم حضور سے زیادہ ہے" سے مراد علم غیر نافع ہے، اور علم غیر نافع شیطان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے کیونکہ آپ نے خود اس قسم کے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع وقلب لا یخشع ۔ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب الدعوات باب ما جاء فی جامع الدعوات)

اور یہی علم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور شرف و اکرام کا باعث نہیں ہے۔

اور جو کوئی علم نافع شیطان کے لیے زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

و نعتقد ان سیدنا و شفیعنا محمد اعلم الخلق و افضلھم جمیعاً فمن اعتقد ان علمه صلی اللہ علیه وسلم القبیح والمجنون و ... من ... المطلق او اعتقد بان ابلیس الملعون اعلم منه صلی اللہ علیه وسلم فھو کافر ملعون لعنة اللہ علیه ۔ (امداد الفتاوی ج ۶ ص ۳۳ کتاب العقائد والکلام)

---

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائیاً ابلغته ۔ (المشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷ فی باب الصلوٰۃ علی النبی فی الفصل الثالث)۔

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۰ باب الغسل یوم الجمعة ۔

## جمیع ما کان و ما یکون کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

سوال:- اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان و ما یکون کا علم دیا گیا ہے اور آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- علم غیب کلی اور علم محیط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ساتھ علم غیب ہے اور نہ ہی علم محیط ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب کلی نہیں تھا بلکہ بعض غیبیات کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تو بعض غیبیات کی اس کو اطلاع کر دیتے ہیں، اس بات کا اعلان آپ کی زبان مبارک سے یوں کرایا۔

(۱) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۔ (سورۃ النمل آیت ۶۵)

(۲) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸)

لہٰذا ہمارے نزدیک حق بات یہی ہے کہ یہی علم اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ما کان و ما یکون کے علم کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نص قطعی کا مخالف ہے اس لیے ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اس کو تجدید ایمان اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔

لما صرح به ملا علی القاری رحمه الله: فاعلم ان الغیب تفرد به سبحانه وتعالى ولا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه او الهام بطريق المعجزة او الكرامة او الارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك ولهذا ذكر في الفتاوى ان قول القائل عند رؤية هالة القمر يكون مطر مدعيا علم الغيب لا بعلامة كفر۔ (شرح الفقه الاكبر ص [illegible] تحقيق ان دعوى علم الغيب)[1]

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: واما ما وقع لبعض الخواص كالانبياء والاولياء بالوحي او الالهام فهو باعلام من الله تعالى فليس مما نحن فيه۔ قلت وحاصله ان دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن فيكفر بها۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۲۴۳ باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں

سوال:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں یا نور؟ اور قرآن مجید میں جو بجا بجا آپ کیلئے نور کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن کا معنی کیا ہے؟ وضاحت سے بیان کریں؟

**الجواب:۔** اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں لیکن یہ نور دو معنوں میں آتا ہے۔ ایک یہ کہ الظاهرة بنفسها المظهرة لغيرها۔ اور دوسری یہ کہ عالم عناصر کی کیفیات و آثار بخصوصہ سے خالی ہو کر ہوا کی طرح غیر مرئی ہو۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بمعنی اول ہیں بمعنی ثانی نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعنی ثانی نور ہیں اور بالکل ہی بشر نہیں ہیں اور دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۔ اور یہ حدیث بھی دلیل میں لاتے ہیں۔ اول ما خلق اللّٰه نوری۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں بھی فرمایا ہے۔ واجعلنی نورا۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلقت کے اعتبار سے بشر ہیں اور قرآن حکیم آپ کی بشریت پر گواہ ہے۔

(۱) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)
ترجمہ: تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں۔

(۲) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۴) ترجمہ: اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت مگر یہی کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی پیغام دے کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سب کی نظروں میں مسلّم تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۔ (سورۃ الاسراء آیت ۹۵) ترجمہ: اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے مگر چونکہ زمین پر بسنے والے لوگ بنی آدم ہیں اس لئے ہم نے ان کی راہنمائی کے لیے بنی آدم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ افادہ و استفادہ آسان ہو۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

مِنْ اَنْفُسِهِمْ بھی اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرح بشر ہیں فرشتوں کی طرح نور نہیں۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (آیت ۱۵۱) مِنْكُمْ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں ہیں۔

بعض مقامات پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لفظ نُوْر استعمال ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق مجاز ہے باس معنی کہ النور کیفیۃ ظاهرۃ بنفسها مظهرۃ لغیرها۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہر بنفسہا اور بالصفت جو کہ نبوت ہے اور مظہر للحق ہے۔ اور حدیث اول ما خلق اللہ نوری کا جواب یہ ہے کہ بشرط صحت حدیث اس میں بھی نور کا اطلاق مجازاً ہے۔

قال اسماعيل بن كثير رحمه الله تحت قوله "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" اى من جنسهم ليتمكنوا من مخاطبته وسؤاله ومجالسته والانتفاع به۔ (تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۴۲۲) ؎

**یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا**

سوال: یا محمد اور یا رسول اللہ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یا محمد اور یا رسول اللہ درود وسلام کے ساتھ پڑھنے والا اگر یہ سمجھ کر ندا کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری آواز بذات خود ہر وقت اور ہر جگہ سنتے ہیں یا یہ کہ بنفس نفیس خود مجلس درود میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو یہ ندا ناجائز بلکہ موجب کفر ہے اس لیے کہ یہ تصور غیر اللہ کے لیے علم غیب کو ثابت کرنے کو متضمن ہے اور علم غیب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفت خاصہ ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات مختصہ بذاتہ یا عبادت میں کسی غیر خدا کو شریک کرنے کا نام شرک ہے۔ كما هو مصرح في كتب الكلام۔

ومنها ما قال العلامة ملا علي القاري رحمه الله: وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به سبحانه وتعالى ولا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة والكرامة والارشاد

---

؎ قال العلامة الزركشي رحمه الله: بانه صلى الله عليه وسلم سراج ونوره كالشمس في هذا العالم مثال نوره في العوالم كلها مثل نور الشمس فكما ان الشمس يرونها من المشرق الى المغرب في ساعة واحدة وبصفات مختلفة كذلك هو صلى الله عليه وسلم (تهذيب الارشاد ص ۱۲ المقصد السادس في الصلوة على النبي. الفصل الثالث)

الا الاستدلال بل لا علامات فيما يمكن فيه ذلك ــــ وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ" (شرح الفقه الاكبر ص۱۵۱ حكم تصديق الكاهن الخ)

قال العلامة ابن البزاز رحمه الله: وعلى هذا قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۲۶ الثاني فيما يتعلق بالله)

اور اگر مذکورہ بالا عقیدہ نہیں ہے بلکہ محض تخیل کے طور پر شاعرانہ اور عاشقانہ انداز میں خطاب کرتا ہے تو یہ صورت فی ذاتہ جائز ہے جیسا کہ اہل معانی و بلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت ہے جو قرآن پاک میں بھی بکثرت موجود ہیں اشعار اور نظم میں یہ نوع بلاغت بلا کسی نکیر کے تمام علماء کے نزدیک جائز ہے بلکہ خود بڑے بڑے علماء کا معمول رہا ہے اور اس میں درحقیقت کسی باطل عقیدہ کا دخل نہیں ہوتا بلکہ ایک کیف محبت کے آثار میں سے ہے لہٰذا فرط محبت میں اور ذوق میں اگر بلا عقیدہ حاضر ناظر کے کلمات خطابیہ بولے تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ موہم معنی شرک ہونے کی وجہ سے مجالس و مجامع میں پڑھنا ناجائز ہے اس لیے کہ اس سے عوام الناس کا عقیدہ خراب ہوتا ہے اور شرعاً ایسا لفظ یا فعل جو مفضی الی القبیح ہو ممنوع ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو جو کہ پکے اور سچے مسلمان تھے لفظ "راعنا" بولنے سے منع فرمایا حالانکہ صحابہ کرامؓ معنی قبیح مراد نہیں لیتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴)

قال العلامة ابن عابدينؒ: فينبغي او يجب التباعد عن هذه العبارة التي توهم المعنى الشرك۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۸۴ باب المرتد)

البتہ بلا درود و سلام یا محمد یا رسول اللہ کہنا کسی صورت میں جائز نہیں اس لیے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی باطل عقیدہ علم غیب، حاضر ناظر، استمداد وغیرہ کا نہ بھی ہو تب بھی ناجائز ہے اور اگر کوئی کفر و شرک کا اعتقاد بھی ہو تو پھر ہلاکت در ہلاکت ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ قرآن کریم کی آیت إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات) کے شان نزول میں اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ آداب نبوت سے ناواقف دیہاتی لوگ حجرہ نبوی کے پیچھے کھڑے ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد وفی روایۃ یا رسول اللہ کے ساتھ آواز دیتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ناگواری کا اظہار فرما کر جواب نہ دیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت اقرع بن حابس تمیمی کے متعلق نازل ہوئی جو حجرہ مبارکہ کے باہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ یا محمد یا محمد وفی روایۃ یا رسول اللہ زور زور سے آوازیں دے رہا تھا، لہٰذا جن الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین حیات میں پکارنا منع کیا گیا تو بعد الوفات ان الفاظ سے پکارنا کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن کثیرؒ: وقد ذکر انہا نزلت فی الاقرع بن حابس التمیمی فیما اوردہ غیر واحد قال الامام احمد فی مسندہ حدثنا عفان ثم ذکر سندہ عن الاقرع بن حابس انہ نادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد یا محمد وفی روایۃ یا رسول اللہ فلم یجبہ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۶ سورۃ الحجرات)

وقال فی تفسیر القرآن العظیم تحت قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ الآیۃ وذکر انہا نزلت فی الاقرع بن حابس التمیمی فیما اوردہ غیر واحد قال الامام احمد حدثنا عفان ثم ذکر السند عن اقرع بن حابس التمیمی انہ نادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد یا محمد وفی روایۃ یا رسول اللہ فلم یجبہ الخ (تفسیر القرآن العظیم ج ۴ ص ۲۰۹)[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد یا رسول اللہ کے لفظ سے پکارنا بے وقوفوں کا کام ہے اور ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے میں ناگواری ہوتی تھی لہٰذا بعد الوفات بھی ناگواری ہوگی لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد اور یا رسول اللہ کے الفاظ سے پکارنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے نہ زندگی میں اور نہ بعد الوفات۔ البتہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہوں تو لفظ یا رسول اللہ سے ہلکی آواز میں مخاطب کرنا بے ادبی نہیں ہے اور جب پاس یا روضہ شریف قریب ہوں تب بھی لفظ یا رسول اللہ کے ساتھ زور زور سے آوازیں دینا بے ادبی ہے۔ لہٰذا اتنی دور مسافت پر زور زور سے آوازیں دینا ضرور بے ادبی ہوگی جیسا کہ آیت کے شان نزول سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

## حیاتِ حضرت خضر علیہ السلام کا عقیدہ

سوال: حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ ان دونوں میں کونسا عقیدہ

---

[1] ومثلہ فی تفسیر روح المعانی للعلامۃ آلوسیؒ ج [illegible] ص [illegible]

شریعت کے موافق ہے؟

الجواب:- حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ یا انتقال کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ وابستہ نہیں ہے، اگر کوئی دلائل کی رو سے ان کی حیات کا قائل ہو جائے تو اس کے عقیدۂ اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور جو کوئی ان کی وفات کا قائل ہو تب بھی وہ مسلمان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ متعلق نہیں ہے اس لیے کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم ان دونوں میں اقرب الی الصواب یہ ہے کہ (لنا فیہ بحوث لطیفۃ والجمہور علی انہ مات ج۲ ص۱۲۱) اور بعض بزرگوں کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت ہے تو اس کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:-

من المحتمل واللہ اعلم انہ حین سئل عن حیوۃ الخضر علیہ السلام ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ مستعلماً من جنابہ عن ھذا الامر فرأی الخضر علیہ السلام حاضراً عندہ فسألہ عن حالہ فقال أنا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی روحنا قوۃ تتجسد بہا ونفعل بہا افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثۃ الملہوف اذا شاء اللہ وتعلم العلم اللدنی۔ (تفسیر المظہری ج۵ ص۱۲۲ سورۃ الکہف)[1]

## امام مہدیؑ کے آنے کے منکر کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص مہدی آخر الزمان کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت کہے اور نزولِ مہدی سے صاف انکار کرے تو از روئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- قیامت کے قریب امام مہدی کا آنا صحیح احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اس سے انکار کرنا صحیح احادیث اور اجماع سے انکار کرنے کے مترادف ہے جبکہ احادیث سے انکار کفر ہے۔

عن ابی سعیدؓ قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاءً یصیب ھذہ الأمۃ

---

[1] قال العلامۃ البغوی رحمہ اللہ: اختلف الناس فی ان الخضر حیٌّ ام میت، قیل ان الخضر والیاس حیان یلتقیان کل سنۃ بالموسم وکان سبب حیاتہ فیما یحکی انہ شرب من عین الحیوۃ۔ الخ

(تفسیر المظہری ج۵ ص۱۲۲ سورۃ الکہف)

حتی لا یجد الرجل ملجاء یلجأ الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلاً من عترتی اھل بیتی فیملأ بہ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً یرضی عنہ ساکن الارض۔ رواہ الحاکم وقال صحیح وھو ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوری امام الحدیث فی وقتہ۔ (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ ص۴۷۱ الفصل الثانی)

اس روایت سے امام مہدی کی پوری تفصیل واضح ہوتی ہے جبکہ اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی متعدد صحیح روایات موجود ہیں، تو اتنی صحیح روایات کے انکار کا کیا جواز ہے اور زبان کی ایک جنبش سے صحیح احادیث کے ایک مکمل باب سے انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ تاہم جو شخص مہدی آخر الزمان کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ احادیث نبویہ کا انکار کرتا ہے اور اس پر وہی حکم لگایا جائے گا جو ایک منکر حدیث پر لگایا جاتا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: وفی المحیط من قال الفقیہ یذکر شیئاً من العلم او یروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لا موضوعاً ھذا لیس بشیء کفر۔
(شرح الفقہ الاکبر ص۱۷۳ فصل فی العلم والعلماء)

## کرامت کی حقیقت

سوال: جناب مفتی صاحب! کرامت کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: کسی متبع شریعت نیک شخص سے ایسے خارق عادت کام کا صادر ہونا جس سے عام لوگ عاجز ہوں شریعت کی روشنی میں "کرامت" کہلاتا ہے، تاہم منصب ولایت کے لیے کرامت کا ظہور لازم نہیں اور نہ یہ کوئی کمال کی نشانی ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: فالحاصل ان الامر الخارق للعادۃ بالنسبۃ الی النبی معجزۃ...... وبالنسبۃ الی الولی کرامۃ لخلوہ عن

---

لہ قال العلامۃ التفتازانیؒ: قد وردت الاحادیث الصحیحۃ فی ظہور امام من ولد فاطمۃ الزہراءؓ۔ (شرح المقاصد ج۲ ص۳۰۷)

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: واما ظہور المہدی فی آخر الزمان وانہ یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً وانہ من عترتہ من ولد فاطمۃ رضی اللہ عنہا فثابت۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۳۶ مسئلہ نصب الامام)

دعوی النبوۃ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۶ فصل فی ثبوت النسب، مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء) [۱]

**کراماتِ اولیاء کا حکم**

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کرامات اولیاء شرعاً ثابت ہیں یا نہیں؟ اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور متبع الشریعت بندوں سے مختلف زمانوں میں بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ وغیرہم کی حیات طیبہ اور سیرت میں کثرت سے ایسے مستند واقعات پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جو لوگ کرامات اولیاء کو نہیں مانتے اور ان کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور معتزلہ کے گروہ میں داخل ہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وعبارۃ النسفی فی عقائدہ وکرامات الاولیاء حق فتظہر الکرامۃ علی طریق نقض العادۃ للولی من قطع المسافۃ البعیدۃ فی المدۃ القلیلۃ ........ ولا یلتبس بالمعجزۃ جواب عن قول المعتزلۃ المنکرین لکرامات الاولیاء۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۵۵ فصل فی ثبوت النسب، مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء) [۲]

**قرآن کریم کو مخلوق کہنا کفر ہے**

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص قرآن کریم کو حادث اور مخلوق کہتا ہے جبکہ دوسرا شخص قرآن کریم کو قدیم کہتا ہے اور مخلوق ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ان دونوں میں

---

[۱] قال الشیخ ابن ابی العز الحنفیؒ: فالمعجزۃ فی اللغۃ تعم کل خارق للعادۃ وکذلک الکرامۃ فی عرف ائمۃ المتقدمین ولکن کثیر من المتأخرین یفرقون فی اللفظ بینہما فیجعلون المعجزۃ للنبی والکرامۃ للولی۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۵۵۵ فی قولہ: ونؤمن بما جاء من کراماتہم وصح عن الثقات من روایاتہم)

ومثلہ فی النبراس ص ۲۷۳ فی بحث علی المعجزات واقسام خوارق سبعۃ۔

[۲] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: والکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنۃ ولا عبرۃ بمخالفۃ المعتزلۃ واہل البدعۃ فی انکار الکرامۃ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۱۳ بحث فی ان الخوارق العادات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق)

ومثلہ فی النبراس ص ۲۹۵ کرامات الاولیاء۔

من الانبیاء علیهم السلام ومن فرعون وابلیس وهامان وقارون وسائر الاعداء فان لا فرق بین اخبار الله تعالیٰ عن اخبارهم واحوالهم واسرارهم کسورة تبت وآیة القتال (الخ) (ص۲۸) ومع هذا لا یجوز لاحد ان یقول القرآن اللفظی مخلوق لما فیه الایهام المؤدی الی الکفر ——— فاذا قیل مطلقاً یحمل علی الصفة الازلیة (ص۲۹) فلا یجوز ان یقال القرآن مخلوق علی الاطلاق ——— وبالجملة اهل السنة کلهم من اهل المذاهب الاربعة وغیرهم من السلف والخلف متفقون علی ان القرآن غیر مخلوق (ص۳۰) — (شرح الفقه الاکبر ص۲۹ تا ۳۰ القرآن کلام الله)

## انبیاء کرامؑ کو فواحش کی طرف منسوب کرنے سے ایمان زائل ہوجاتا ہے

سوال: ایک شخص جو زید کے واقعہ کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت پر فریفتہ ہوگئے تھے اور ایک بار اس سے اس کے نفس کا مطالبہ بھی کیا تھا جس پر وہ عورت بہت برہم ہوئی، تو اس واقعہ کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کا ایمان سلامت رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عصمت انبیاء ایمان کا بنیادی اور ابتدائی اہم مسئلہ ہے، بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت تمام ناشائستہ امور سے محفوظ و مامون ہیں۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: الانبیاء معصومون قبل النبوة وبعدها عن کبائر الذنوب وصغائرها ولو سهواً علی ما هو الحق عند المحققین۔ (مرقاة ج۱ ص۱۲۴ باب الکبائر، الفصل الاول)

یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی فواحش کی نسبت کرنے سے اور خصوصاً[1] امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے واقعات کی نسبت کرنے سے ایمان کب سلامت رہ سکتا ہے۔

## پشتو زبان میں حضور انور پر "کینہ" کا اطلاق موجب کفر نہیں

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کو سراہتے ہوئے

---

[1] وفی الهندیة: سئل عمن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمهم علی الزنا ونحوه قال یکفر لانه شتم لهم واستخفاف بهم۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۳ الباب التاسع فی احکام المرتد)

شاید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اس عورت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اللہ تعالیٰ کی ذات زوجیت اور ولدیت سے پاک اور منزہ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی زوجہ ہے نہ بیٹا، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے زوجیت اور ولدیت ثابت کرنا یا اس میں شک کرنا موجب کفر ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (سورۃ الاخلاص ۱-۳)

وقال ایضاً: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

(سورۃ مریم آیت ۹۰، ۹۱)

تاہم اگر کسی کی زبان سے نادانستہ طور پر ایسا کلمہ نکل جائے تو موجب کفر نہیں اسلئے جہالت کی وجہ سے ایسا کلمہ زبان سے نکالنا اکثر علماء کے ہاں عذر نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: من اتى بلفظة الكفر مع علمه انها لفظة الكفر عن اعتقاده فقد كفر ولو لم يعتقد ولم يعلم انها لفظة الكفر ولكن اتى بها عن اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجهل وقال بعضهم الجاهل اذا تكلم بكفر ولم يدر انه كفر لا يكون كفرا ويعذر بالجهل ......

وقال ایضاً: وفي الاجناس عن محمد: من اراد ان يقول اكلت فقال كفرت انه لا يكفر۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۵ ص۴۵۸، ۴۵۹ کتاب احکام المرتدین) لہ

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع وبصیر ہونے کے عقیدہ کی وضاحت

**سوال:** جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمیع وبصیر ہونے کا عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** سمیع اور بصیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اگر سمیع وبصیر حضور اقدس کی

---

لہ وقال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ويكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه ...... او جعل له ولدا او زوجة ...الخ
(البحر الرائق ج۵ ص۱۲۹ كتاب احكام المرتدين)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۸۳ كتاب الفاظ الكفر - الفصل الثاني۔

ذات۔ تو مسلمان اس معنی پر یہ جانیں کہ آدمی خواہ کتنا ہی دور ہو جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے تو حضور اس کی پکار کو سنتے اور اس کو دیکھتے ہیں اور اس کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں، تو ایسے عقیدہ کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہاں معنی سمیع و بصیر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر جگہ دیکھتا ہے اور ہر کسی کی آواز ہر جگہ سنتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو خدا کے حکم سے فرشتے اس درود کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور جب کوئی قریب سے روضۂ مطہرہ کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود سنتا ہوں۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۸۷ باب الصلاۃ علی النبی)

## معراج النبی ﷺ سے متعلق ایک بے بنیاد واقعہ کی حقیقت

سوال:- بعض لوگ یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی تفصیل بیان فرما رہے تھے کہ وہاں بیٹھے ایک یہودی نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر بازار میں آیا اور ایک بڑی سی مچھلی خرید کر اپنی بیوی کو دی اور کہا کہ جلدی سے اس کے کباب بناؤ میں غسل کر کے آتا ہوں، جب وہ غسل سے فارغ ہوا تو اپنے آپ کو جوان عورت کی شکل میں پایا، اسی طرح اس نے سات سال گزارے اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے، سات سال کے بعد اس کی جنس پھر بدلی تو اپنے گھر آیا، کیا دیکھتا ہے کہ بیوی ابھی تک مچھلی صاف کر رہی ہے تب اس نے ایمان لایا۔ کیا اس واقعہ کے بیان کرنے سے معراج النبی ﷺ پر روشنی پڑسکتی ہے؟ اور اس ضمن میں یہ واقعہ بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بسلسلۂ معراج مذکورہ واقعہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، واقعۂ معراج کے ثبات کے لیے قرآنی و صحیح احادیث ہمارے لیے کافی ہیں، اس کا ثبوت غلط اور بے بنیاد حکایات سے درست نہیں اور اس کی صحت کا عقیدہ عقلاً و نقلاً قابل اعتبار نہیں ہے۔

---

۱؎ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی من امتی السلام۔ (مشکوٰۃ ص۸۶ کتاب الصلوٰۃ)

وقال العلامۃ ملا علی القاری: ھو مختص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۲ ص...)

واقعہ مذکورہ کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔ البتہ جہانگیر بکڈپو لاہور والوں نے "قصص الانبیاء" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے نامعلوم مؤلف نے اس واقعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے رطب ویابس اکٹھے کئے ہیں۔ ایسی کتابوں کے مطالعہ سے عوام کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہ سکتا اس لیے ان کے مطالعہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صیغۂ خطاب سے درود بھیجنے کا حکم

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خطاب کے صیغہ سے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول" درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حالت غیبت میں دور سے صیغۂ خطاب کے ساتھ درود شریف اگر اس نیت سے پڑھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں اور صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں تو ناجائز حرام ہے۔ اور اگر نیت یہ ہو کہ صلوٰۃ وسلام فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے ہیں تو پھر جائز ہے البتہ ایسے مشتبہ الفاظ میں درود پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

قال الشیخ رشید احمد گنگوہیؒ: جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کرکے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو یہ کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہ ہو تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے۔ البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ (تالیفات رشیدیہ ص۴۲ کتاب الایمان والکفر)[1]

## اگر میرے فیصلہ کے خلاف کی ہو تو قرآن کو جھوٹا کہوں گا۔

سوال: زید نے ایک فیصلہ کے بارے میں کہا "اگر میں اس فیصلہ کی خلاف ورزی کروں گا تو قرآن کو جھوٹا سمجھوں گا" بعد میں زید اس فیصلہ سے منحرف ہو گیا تو کیا

---

[1] قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یا رسول اللہ استعانت واستغاثہ یا محض ندا مراد ہو تو کفر ہے کہ حاضر ہے اور سنتا ہے اور بدون اس اعتقاد کے محض شوقاً واستلذاذاً جائز ہے۔ چونکہ اشعار پڑھنے کی غرض محض اظہار شوق واستلذاذ ہوتا ہے اس لیے نظم میں توسع کیا گیا لیکن اگر کسی جگہ اس کے خلاف دیکھیں تو منع کر دیا جائے گا۔ (امداد الفتاوی ج۵ ص۳۸۵ کتاب العقائد والکلام)

ومثلہ فی معارف القرآن ج۷ ص۲۳۳ سورۃ الاحزاب

زید اپنے قول کی وجہ سے کافر ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مذکورہ الفاظ موجب کفر نہیں ہیں عام طور پر ان کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ قرآن کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا اس لیے یہ فیصلہ ضرور تسلیم کروں گا اور کفر کا فتویٰ تب دیا جاتا ہے جب کہ تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو البتہ ان الفاظ سے یمین لازم ہو جاتی ہے اور یمین کا کفارہ ادا کرکے گناہ سے بری ہو سکتا ہے۔

قال فی الہندیۃ: ولو قال ان فعلت کذا فانا بریٔ من القرآن او القبلۃ او الصلوۃ او صوم رمضان فذلک یمین ہو المختار (الفتاوی الہندیۃ ج۲ ص۵۴ الباب الثانی فی الفاظ الیمین)[۱]

## لا الٰہ الا اللہ ایوب خان رسول اللہ کا قائل کافر ہے

**سوال:** ایک شخص نے بھری مجلس میں کہا کہ اگر صدر صاحب حکم دے دیں تو لوگوں کو غلط کلمے یعنی لا الٰہ الا اللہ ایوب خان رسول اللہ کہیں گے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** کلمہ طیبہ میں ایوب خان رسول اللہ کے الفاظ اگر اعتقاد رسالت کے معنی سے کہے گئے ہوں کہ کسی وقت "ایوب خان" بھی "رسول اللہ" ہو سکتا ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے بھی نبوت و رسالت کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی پر بطور تعریض کہے گئے ہوں مثلاً قوم کی خوشامدی اور ذہنی غلامی پر طنز کے طور پر یہ کلمات کہے گئے ہوں کہ یہ قوم اب اس قدر ذہنی غلامی میں گرفتار ہے کہ اپنے حکمرانوں کو کسی وقت بھی خدا کا پیغمبر کہنے کو تیار ہو سکتی ہے تو یہ کفر نہیں۔

صورت مسئولہ میں چونکہ ایوب خان رسول اللہ کہنے والے کے اعتقاد کا تعین پوری طرح معلوم نہیں ہے اس لیے یقینی حکم اس پر نہیں لگایا جاسکتا ہے۔[۲]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وقال العینی وعندی ان المصحف یمین لا سیما فی زماننا وعند الثلاثۃ المصحف والقرآن وکلام اللہ یمین زاد احمد والنبی ایضا ولو تبرأ من احدہا فیمین اجماعا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۳ ص۵۶ کتاب الایمان مطلب فی القرآن)

[۲] قال العلامۃ ظفر احمد العثمانی: قال الموفق والمعنی من ادعی النبوۃ او صدق من ادعاہا فقد ارتد لان مسیلمۃ ادعی النبوۃ فصدقہ قومہ فصاروا بذلک مرتدین۔

(اعلاء السنن ج۱۲ ص۶۲۳ من ادعی النبوۃ وصدق من ادعاہا)

## امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کفر نہیں ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل دینی اور دنیوی تعلیمات دونوں کی وجہ سے بعض لوگ علماء حق کی بے ادبی و گستاخی کرتے ہیں اور جب کسی شرعی مسئلہ میں کسی فقیہ عالم دین کا حوالہ دیا جائے تو بلا خوف و خطر انکار کر دیا جاتا ہے اسی طرح ہمارے گاؤں میں ایک صاحب نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک مسئلہ بیان کیا تو دوسرے شخص نے اس سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص امام غزالیؒ کے کسی قول سے انکار کرے تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی عالم یا فقیہ کا قول قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا اگر اختلاف دین کی وجہ سے انکار کیا جائے تو پھر باعث ذلت ہے البتہ اگر یہ انکار اختلاف شریعت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس عالم کے ساتھ ذاتی عناد اور بغض کی وجہ سے ہو تو پھر موجب فسق ہے کفر نہیں ___ واضح رہے کہ دوسرے مذاہب کے فقہ میں ان کی تقلید نہ کرنا اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

قال فخر الدين الاوزجندي رحمه الله: ولو قال ان لا اعمل بفتوى الفقهاء او ليس كما قال العلماء فانه لا يعذر ولا يكفر (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۳ ص ۵۷۶ كتاب الكراهية)

## اہل فترت کے بارے میں شرعی عقیدہ

سوال: بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال تک فترت کا زمانہ تھا جس میں کوئی نبی نہیں آیا، تو کیا زمانہ فترت میں جو لوگ گزرے ہیں ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ کیا وہ جنتی ہوں گے یا جہنمی؟

الجواب: زمانہ فترت میں جو لوگ کسی رسول کی تعلیمات سے روشناس نہ ہوئے ہوں بلکہ صرف توحید باری تعالیٰ کے قائل گزرے ہوں تو جمہور علماء ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں، ہاں اگر کوئی بعثت نبویؐ سے پہلے کفر و شرک کے عقیدے پر مر گئے ہوں تو ان کے مشرک اور جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں، البتہ اگر ان میں سے کسی کے عقیدے کا حال معلوم نہ ہو تو ان کے بارے میں توقف کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: فقد صرح النووي والفخر الرازي بان من مات قبل البعثة مشركا فهو في النار وبخلاف من اهتدى منهم

تعطلوا کقس بن ساعدۃ وزید بن عمرو بن نفیل فلا یخفی ان فی تعجب ... .
رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۲ کتاب الحظر والاباحۃ باب

## عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھنا

سوال: کیا یہ درست ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول صاحبِ ایمان مرا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اس کے کفن کے لیے دی تھی اور اس کی مغفرت کی دعا مانگی تھی جس سے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث سے اس بارے میں وضاحت مطلوب ہے؟

**الجواب:** قرآن و حدیث کی تصریحات سے منافقین کا جہنم میں جانا ثابت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء: ۱۴۵) اور عبداللہ بن ابی کا کفر پر مرنا اور جہنمی ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ تصریح قرآن فرماتے ہیں: إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (سورۃ التوبہ: ۸۴) یہ آیت عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ ابن ابی کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا اور جنازہ پڑھنا تو اس وقت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے دعائے مغفرت سے صراحتاً منع نہیں کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جنازہ پڑھتے وقت جب حضرت عمرؓ نے مزاحمت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اخّر عنی یا عمر، إن اللہ خیرنی فاخترت، قد قیل لی: استغفر لهم أو لا تستغفر لهم (الآیۃ)، فواللہ لو اعلم یا عمر انی لو زدت علی سبعین مرۃ ان یغفر له لزدت. ثم مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معه وقام علی قبرہ حتی دفن، ثم لم یلبث الا قلیلا حتی انزل اللہ: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ (التوبہ: ۸۴) فواللہ ما صلی بعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی احد من المنافقین. الخ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۴۵ سورۃ التوبہ)

---

لہ قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی: ایاک ان تحکم علی عبد اذا رأیت ... والدین ... بحکم ... الیواقیت ج ۲ ص ۔

ومثله فی ... الفتاوی ج ۵ ص ۔ ۔ ۔ کتاب ... والکلام۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کفن کے لیے اپنی قمیض عطا فرمانے کی توجیہ[1] ہیں:۔

قال الشیخ الرازی رحمہ اللہ: ما دفع القمیص الیہ فذکروا فیہ وجوہا الاول ان العباس عم رسول اللہ لما اخذ اسیرا ببدر لم یجدوا لہ قمیصا وکان رجلا طویلا فکساہ عبد اللہ قمیصہ۔ ۔ ان اللہ تعالیٰ امرہ ان لا یرد سائلا بقولہ واما السائل فلا تنہر فلما طلب القمیص منہ دفعہ الیہ لہذا المعنی ۔ وان ابنہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی کان من الصالحین وان رسول اللہ اکرمہ لمکان ابنہ۔

(تفسیر الکبیر ج ۱۶ ص۱۵۲ سورۃ یوسف) لے

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے انکار کفر نہیں

سوال:۔ کسی معاملہ پر زید اور بکر کے درمیان تلخ کلامی پیدا ہو گئی تو زید نے کہا کہ اگر اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی مجھ سے سفارش کریں تو میں ان کی بھی سفارش نہیں مانوں گا۔ شریعت مطہرہ کی رو سے زید پیٹے اس قول کی وجہ سے کافر ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے تاہم زید پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کا کہا ہوا جملہ تفصیل طلب ہے۔ زید نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان کی سفارش ماننے سے انکار کیا ہے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے ساتھ جب حتمی حکم نہ ہو تو محض سفارش خود حتمی حکم نہیں ہے[2] اس لیے بعض اوقات صحابہ کرامؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش و مشورہ پر عمل نہیں کرتے تھے۔

ما ورد فی الحدیث: عن ابن عباسؓ قال کان زوج بریرۃ عبدا اسود یقال لہ مغیث

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: قال الخطابی ہو منافق ظاہر النفاق وانزل فی کفرہ ونفاقہ من القرآن۔ (مرقاۃ مفاتیح ج ۳ ص۲۲ باب غسل المیت وتکفینہ۔ الفصل الثالث)

[2] قال العلامۃ الکردریؒ: وقع بین رجلین مخاصمۃ فقال لو امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم امرنی بامرہ لا یکفر۔ (فتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص۳۳۸)

## جمعہ کے دن مرنے والے پر عذابِ قبر نہ ہونے کا عقیدہ

سوال: کئی لوگوں سے سنتے میں آیا ہے کہ جو کوئی جمعے کے دن فوت ہو جائے تو اُسے عذابِ قبر نہ ہوگا، تو کیا اگر جمعے کے دن کوئی فاسق یا فاجر شخص فوت ہو جائے تو اُسے بھی عذابِ قبر نہ ہوگا؟ ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث مبارک میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعۃ او لیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر۔
(ترمذی ج۱ ص۱۲۰ باب ما جاء فی من یموت یوم الجمعۃ)

جمعہ کی عزت و تکریم کی وجہ سے جو کوئی بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہو جائے خواہ کتنا ہی عاصی ہو یا کوئی صالح مسلمان اور نیک ہو تو اس کو عذابِ قبر کی ایک جھٹک اور فقط ضغطۂ قبر ہونے کے علاوہ باقی عذابِ قبر سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔

ل قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی: وفیہ تجتمع الارواح وتزار القبور ویامن المیت من عذاب القبر ومن مات فیہ او فی لیلتہ امن من عذاب القبر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ باب الجمعۃ مطلب ما اختص بہ یوم الجمعۃ)

## جمعہ کی رات تک قبر کی حفاظت کرنے سے عذابِ قبر نہیں ہوتا

سوال: کنز مصلی کے حاشیہ باب الجمعۃ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: "ومن مات فی ہذا الیوم او فی لیلۃ الجمعۃ لا یکون عذاب القبر علیہ واحدۃ وان حفظ القبر الی لیلۃ الجمعۃ یقع العذاب ولا یعود الی یوم القیامۃ" بغرائب۔ جمعہ کے دن فوت ہو جانے والے پر عذابِ قبر اٹھ جاتا ہے، اگر جمعہ سے پہلے دفن ہو اور جمعہ کی رات تک اس کی قبر کی حفاظت کی جائے تب بھی عذابِ قبر سے

---

ل قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والمؤمن المطیع لا یعذب بل لہ ضغطۃ یجد ہول ذلک وخوفہ والعاصی یعذب ویضغط لکن ینقطع عنہ العذاب یوم الجمعۃ ولیلتہا ثم لا یعود وان مات یومہا او لیلتہا فیکون العذاب ساعۃ واحدۃ وضغطۃ القبر ثم ینقطع۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۱۲۵ باب الجمعۃ مطلب ما اختص بہ یوم الجمعۃ)

ومثلہ فی شرح العقائد للکبیری ص۲۲ ضغطۃ القبر وعذابہ حق۔

## عالم برزخ میں جسم و روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہے

سوال :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر یا برزخ میں عذاب و ثواب روح کو ہوگا اور بعض روح مع الجسم کا قول کرتے ہیں۔ تو جناب مفتی صاحب! عذابِ قبر کے بارے میں جمہور علماء کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ عذاب جسمانی ہے یا روحانی؟ نیز قرآن و حدیث سے اس کے کیا دلائل ہیں؟

الجواب :- جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برزخ میں جسم اور روح دونوں کی تعذیب یا تنعیم ہوگی۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم او یتلذذ۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۰۱ بحث عذاب القبر)[1]

اسی طرح قرآن و حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قال الله تعالیٰ : اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا۔ (ای فی البرزخ)۔ (سورة المؤمن آیت ۴۶)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تعوذوا بالله من عذاب القبر۔ (مشکوٰة ج ۱ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبر)

## قبر میں نابالغ بچوں سے سوال و جواب کی وضاحت

سوال :- جناب مفتی صاحب! نابالغ فوت شدہ بچوں سے قبر میں سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قبر میں نابالغ بچوں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر میں منکر نکیر کے سوال ہر ایک سے ہوں گے لیکن نابالغ بچوں کو ان کے سوالوں کے جواب کا منجانب اللہ الہام ہوگا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ کوئی سوال وغیرہ نہیں ہوں گے اس لئے کہ نابالغ بچے غیر مکلف ہیں اور راجح یہی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : والاموات الا الانبیاء لا یسئلون

---

[1] قال الشیخ ابو المعینؒ : فیعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسد فتالم الروح مع الجسد وان کان خارجاً عنه ــ الخ (ابو المعین علیٰ هامش شرح العقائد ص۲۲ عذاب القبر) ومثله فی شرح الفقه الاکبر ص۱۰۲ ابحاث من رحمة الله کفو۔

وکا طفال المومنین۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۹۱ مطلب فی التلقین بعد موت) [۱]

### قبر یا برزخ عذاب و ثواب میں دونوں برابر ہیں

سوال :- اگر کسی فوت شدہ شخص کو دفن نہ کیا جائے بلکہ اس کو جلا کر راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا دریا برد کر دیا جائے تو کیا اس کو بھی قبر کا عذاب و ثواب ہوگا یا نہیں؟ نیز عذاب قبر اور عذاب برزخ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :- میت کو قبر میں عذاب و ثواب کا ہونا قرآن مجید اور احادیث سے صراحت ثابت ہے۔ اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت کے اجزاء پڑے ہوں خواہ حسی یعنی معروف قبر میں ہوں یا نہ۔ مگر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ میت کے اجزاء کو خواہ ہوا میں اڑا دیا گیا ہو یا دریا برد کر دیا گیا ہو یا کوئی درندہ اس کو ہڑپ کر جائے تو بھی اس کو عذاب و ثواب قبر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ اور قبر دونوں ایک ہی نام ہیں اور موت کے بعد تا قیامت زندگی کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال الحافظ ابن القیمؒ : ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق العذاب نالہ نصیبہ منہ قبر او لم یقبر فلو اکلتہ السباع او احرق حتی صار رمادا و نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی القبور۔ (الروح ص۵۸ المسألۃ السادسۃ) [۲]

### قبر کو سجدہ کرنے کی اقسام کی تفصیل

سوال :- جناب مفتی صاحب! قبر کو سجدہ کرنے سے آدمی صرف گنہگار ہوتا ہے یا کافر؟ براہ کرم اس

---

[۱] قال العلامۃ ملا علی قاریؒ : واستثنی من عموم سوال القبر الانبیاء والاطفال والشھداء اھ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۲۱ سوال منکر ونکیر فی القبر حق)

ومثلہ فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۳۹۶ فی تشریح وسؤال منکر ونکیر فی قبرہ۔

[۲] قال العلامۃ فخر الدین الرازیؒ : ان عرض النار علیہم غدوا وعشیا ما کان حاصلا فی الدنیا فثبت ان ھذا العرض انما حصل بعد الموت وقبل یوم القیامۃ وذلک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق ھؤلاء واذا ثبت فی حقھم ثبت فی حق غیرھم لانہ لاقائل بالفرق۔ (التفسیر الکبیر ج۲۷ ص۷۳ سورۃ المومن)

اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: قبر کے قریب سجدہ کرنا جبکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور قبر کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام ہے اور سجدۂ عبادت کرنا شرک ہے اور بعض نے سجدۂ تعظیمی کو بھی شرک قرار دیا ہے لہٰذا کسی بھی قبر کو سجدہ کرنے سے پرہیز کیا جائے اور جو کرتے ہوں ان کو اس سے منع کیا جائے اور توبہ و استغفار کی تلقین کی جائے۔

لما قال في الهندية: من سجد للسلطان على وجه التحية او قبل الارض بين يديه لا يكفر ولكن يأثم لارتكابه الكبيرة وهو المختار وقال الفقيه ابو جعفر رحمه الله وان سجد للسلطان بنية العبادة او لم يحضره النية فقد كفر كذا في جواهر الاخلاطي۔
(الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٣٦٩ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك ...)

## غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جو جانور کسی ولی یا بادشاہ کی تعظیم یا خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا اس نیت کہ بادشاہ کی نظروں میں مقبول ہو جاؤں اور وہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا موجودہ عہدہ پہ برقرار رکھے تو اس مذبوحہ جانور اور ذبح کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو جانور کسی ولی کی تعظیم و تکریم یا بادشاہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے یا اس نیت سے ذبح کرے کہ بادشاہ کے ہاں مقبول ہو جاؤں یا یہ کہ مجھے کوئی عہدہ دے دے یا پہلے عہدہ پہ برقرار رکھے تو ان سب صورتوں میں مذبوحہ جانور حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور اکثر فقہاء کرام اس فعل کو موجب کفر بتاتے ہیں البتہ بعض نے کفر قرار دینے میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے۔ بہر حال ایسا مذبوحہ ما اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰه، مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُب

---

له قال العلامة ملا علي القاري رحمه الله: وفي الخلاصة ومن سجد لهم ان اراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر وان اراد به التحية اختار بعض العلماء انه لا يكفر اقول هذا هو الاظهر (شرح الفقه الاكبر ص ١٩٣ فصل في الكفر صريحا وكناية)
ومثله في رد المحتار ج ٥ ص ٢٦٢ كتاب الكراهية۔

اور بعض شکلیں ذبح لغیر اللہ میں فقہاء، محدثین اور مفسرین کے نزدیک داخل ہے، تاہم اگر خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتوں کے شکریہ میں ذبح کردیا یعنی اس نیت سے کہ نیک اور خیر خواہ بادشاہ کا ہم پر مقرر ہونا بہت بڑی نعمت ہے، پس اس نعمت کے شکریہ میں کوئی جانور ذبح کردیا بادشاہ کی خوشنودی مقصود نہ تھی تو یہ صورت جائز ہے اور مذبوحہ کا کھانا جائز اور حلال ہے، اور اگر بادشاہ وغیرہ کی دعوت پر ذبح کیا جائے تو بھی جائز اور حلال ہے۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو وصلية ذكر اسم الله تعالى ولو ذبح للضيف لا يحرم لانه سنة الخليل واكرام الضيف اكرام الله تعالى والفارق انه ان قدمها لياكل منه كان الذبح لله والمنفعة للضيف او للوليمة او للربح وان لم يقدمها لياكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم وهل هو يكفر؟ قولان بزازية شرح وهبانية قلت وفي صيد المنية انه يكره ولا يكفر لانا لا نسيء الظن بالمسلم انه يتقرب الى الآدمي بهذا النحر ونحوه في شرح الوهبانية عن الذخيرة وافاد فقال: وفاعله جمهورهم قال كافر وفضلي واسماعيل ليس يكفر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۹ کتاب الذبائح) مطلب

## جانور قبروں پر لے جا کر ذبح کرنا

سوال: بعض لوگ قبروں پر بکرے وغیرہ لے جا کر وہاں ذبح کرتے ہیں شرعاً ایسے جانوروں کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کسی بزرگ یا ولی کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کرنا ایک جائز صورت ہے لیکن بکرا وغیرہ ان کے

---

لـه قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وفي التتمة رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله تعالى عليها فقال يحل اكله ولو ذبح لاجل قدوم الامير او قدوم واحد من العظماء وذكر اسم الله تعالى يحرم اكله لانه ذبح لاجله تعظيما له۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۸ کتاب الذبائح)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۰۲ نوع من كتاب الصيد۔

ان کے مزارات پر لے جا کر ان کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے اور اس سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے خواہ ذبح کرتے وقت کئی مرتبہ بسم اللہ اللہ اکبر کیا گیا ہو۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم ولو ذکر اسم اللہ تعالی۔ (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۳۲ کتاب الصید والذبائح) لہ

## قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور چراغ روشن کرنا

سوال: اولیاء اللہ کی قبروں کو چومنا کیسا

ان پر پھولوں کی چادریں چڑھانا اور غلاف ڈالنا، ان کے مزاروں کو چومنا اور ان پر چراغاں کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ تمام افعال قبیحہ اور مفضی الی الشرک ہیں اس لیے کہ یہ امور بطور تعظیم کے کئے جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالی کے ماسوی کسی کی ایسی تعظیم کرنا ناجائز ہے اور اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور بے فائدہ کاموں میں مال کو صرف کرنا شرعاً منع ہے لہذا ایسے امور شنیعہ سے بچنا ضروری ہے اور جو کام طریقہ محمدیہ (قرآن وحدیث) سے ثابت ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔

لما ورد فی الحدیث: وعن جابرؓ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ رواہ مسلم۔ وقال ایضاً: عن ابی الہیاج قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سویته۔ رواہ مسلم۔ (مشکوۃ ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

قال العلامة العینیؒ: قال الفقہاء رحمہم اللہ لا یمسح القبر ولا یقبلہ ولا یمسہ فان ذلک من عادۃ النصاری۔ (البنایۃ فی شرح الہدایۃ ج ۳ ص [illegible] باب الجنائز) لہ

---

لہ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی التتمة رجل ذبح للضیف شاة فذکر اسم اللہ تعالی علیہا فقال رجل اکلہ ونحوہ لا [illegible] ذبح لقدوم واحد من العظماء وذکر اسم اللہ تعالی یحرم اکلہ لانہ ذبح لاجل تعظیمہ لا للہ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۳ کتاب الذبائح) ومثلہ فی البزازیة علی ھامش الہندیة ج ۶ ص ۳۰۲)

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیہم فھو بالاجماع باطل حرام ما لم یقصدوا صرفہا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک [illegible] (الدر المختار ج ۲ ص ۱۳۹ الصوم مطلب فی النذر [illegible]) ومثلہ فی الہندیة ج ۱ ص ۲۵۱ [illegible]

### پیر و مرشد کو سجدہ کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں ایک پیر آتا ہے لوگ اس کی قدم بوسی کرتے ہیں اور بعض سجدہ بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں بلکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں"۔ لہٰذا کسی صورت میں بھی غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے البتہ قدم بوسی کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے بشرطیکہ اس میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہو۔

قال العلامة الحصكفي: وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على الوجه العبادة والتعظيم كفر وإن على وجه التحية لا وصار آثماً مرتكباً للكبيرة.
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج٦ ص٣٨٣ كتاب الكراهية باب الاستبراء)[١]

### قبر بوسی کا حکم

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اولیاء کرام کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں، تو کیا قبروں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: قبر کو بطور تعظیم و تکریم بوسہ دینا کفر و ضلالت ہے اور بلا نیت تعظیم گناہ کبیرہ اور حرام ہے اس لئے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة الحصكفي: وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على وجه العبادة والتعظيم كفر وإن على وجه التحية لا وصار آثماً مرتكباً للكبيرة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج٦ ص٣٨٣ كتاب الكراهية باب الاستبراء)[٢]

---

١ قال العلامة ملا علي القاري: وفي الخلاصة ومن سجد لهم إن أراد به التعظيم تعظيم العبادة كفر وإن أراد به التحية اختار بعض العلماء أنه لا يكفر أقول وهذا هو الأظهر. (شرح الفقه الأكبر ص٢٩٣ فصل في الكفر صريحاً وكناية) ___ ومثله في الهندية ج٥ ص٣٦٩ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك۔

٢ قال العلامة ملا علي القاري: وفي الخلاصة ومن سجد لهم إن أراد به التعظيم أي تعظيم العبادة كفر وإن أراد به التحية اختار بعض العلماء أنه لا يكفر أقول وهذا هو الأظهر ... وأما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود. (شرح الفقه الأكبر ص٢٩٣ فصل في الكفر صريحاً وكناية) ___ ومثله في الهندية ج٥ ص٣٦٩ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك۔

## قبر کا طواف کرنا اور اسکی مٹی بدن پر ملنا

سوال:- کسی بزرگ کی قبر کی مٹی یا پتھر وغیرہ بدن پر ملنے یا اس کے ارد گرد طواف کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- کسی بزرگ کی قبر کا مسح کرنا، چھونا، بوسہ لینا یا اس کی مٹی اور پتھر وغیرہ کو بدن پر ملنا یہ سب امور ناجائز اور بدعات قبیحہ ہیں۔ اسی طرح قبر کا طواف کرنا بھی حرام ہے اسلئے کہ طواف عبادت ہے جو بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے۔ ان سب امور سے تمام مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان کو ایسے افعال بجالانا زیب نہیں دیتا۔

قال العلامة بدر الدين العينيؒ: قال الفقهاء الخراسانيون لا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسه فان ذلك من عادة النصارى قال وما ذكروه صحيح، وقال ابن الزعفراني لا ينبغي ان يقبله ولا يمسحه قال وعلى هذا مضت السنة وما يفعله العوام الآن فهو من البدع المنكرة شرعاً (البناية في شرح الهداية ج ۳ ص ۲۸۰ فى آخر باب الجنائز)

## مدد کن شاہ جیلانیؒ، مدد کن شاہ بغداد کے الفاظ سے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو پکارنا

سوال: اگر کوئی شخص شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اگر آپ کو مصیبت کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ سے پکارا جائے تو آپ پکارنے والے کی مدد کرتے اور اس کی مصیبت کو دور کرتے ہیں:-

اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات - یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ -

مدد کن شاہ شہبانی - مدد کن شاہ جیلانیؒ - مدد کن شاہ بغداد اھ -

اور یہ الفاظ خود بھی بطور وظیفہ پڑھتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہو تو ازروئے شرع ایسا عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر کوئی شخص یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس نیت اور عقیدہ کے ساتھ پکارتا ہے کہ آپ ہماری پکار کو سنتے ہیں، مدد کیا کرتے ہیں یا پکارنے پر پہنچ کر امداد بھی کرتے ہیں تو یہ ایک

---

لہ وفی الهندية: ولا يمسح القبر ولا يقبله فان ذلك من عادة النصارى -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۱ الباب السادس عشر فی زيارة القبور - الخ)

مشرکانہ عقیدہ ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس میں اس کا کوئی ہمسر و شریک نہیں ہے۔

ما قال العلامة الکردری رحمه الله: من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ (فتاوی بزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۶ الفصل الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ)[1]

### فوت شدہ بزرگوں کو حاضر و ناظر سمجھنا

سوال:- ایک شخص کہتا ہے کہ اولیاء اللہ وفات کے بعد بھی حاضر و ناظر ہیں اور مشکلات میں ان کو مدد کے لیے پکارنا صحیح ہے، اس کے خلاف ایک دوسرا شخص ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنے کا قائل ہے، شرعاً کس کی بات درست ہے؟

الجواب: مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ قادرِ مطلق ہے اس کو ہر چیز پر قدرتِ کاملہ حاصل ہے، قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ ان صفات میں کوئی نبی کوئی ولی اللہ تعالیٰ کا ساجھی اور شریک نہیں ہے البتہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے، قرآن پاک میں ہے کہ ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ“ (سورۃ المائدہ آیت ۳۵)، باقی غیر اللہ کو اس معنی میں پکارنا کہ سب کچھ ان کے اختیار میں ہے شرک جلی ہے جو دائمی جہنم کا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (سورۃ النساء آیت ۴۸) وقال الله تعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)[2]

---

[1] قال العلامة عبد الحی اللکھنوی رحمه الله: جواب او کافر است فی البزازیة من قال ارواح المشائخ حاضرون یعلمون یکفر۔
(مجموعة الفتاوی فارسی ج۳ ص۔ باب العقائد)

[2] وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ومنها لو ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله اعتقاده ذلك کفر۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۸ فصل فی بیان ما یوجب العبد علی نفسه بعد ما ذکر ما اوجبه الله تعالیٰ علیه)
ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۶ الفصل الثانی فیما یتعلق بالله۔

## اولیاءِ کرام کو متصرف فی الامور سمجھنا موجبِ کفر و شرک ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عقیدہ رکھے کہ اولیاء اللہ ہم پر بارشیں برساتے ہیں اور بارشوں کا بند ہو جانا ان کی ناراضگی کی دلیل ہے اور مصائب و مشکلات میں ہماری مدد کرتے ہیں یعنی تمام امور میں ان کو متصرف سمجھتا ہو تو ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اولیاءِ کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مقربین اور محبوب ترین بندے ہوتے ہیں مگر ان کو خدائی کا درجہ دینا اور متصرف فی الامور سمجھنا موجبِ کفر و شرک ہے۔ بارشیں برسانا، لوگوں کو نفع و نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے غیر اللہ کو اس میں شریک کرنا شرکِ جلی ہے، اسلئے اس قسم کے عقیدہ سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ومنها ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله اعتقاده ذلک کفر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۹۸ فصل عقد لبیان ما یوجب العید علی نفسه بعد ما ذکر ما اوجبه الله تعالیٰ علیه)[1]

## غیر اللہ کے متعلق یَعْلَمُ مَا فِی الصُّدُوْر کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نبی یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دلوں کے راز جانتے ہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: دلوں کے راز اور بھید جاننے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی انسان کے ما فی الضمیر پر بغیر کسی اخبار کے باخبر ہو سکے، غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال الله تعالیٰ: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ. (سورة النمل آیت ۶۵)

قال الله تعالیٰ: وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (سورة البقرة آیت ۲۸۴)

بلکہ فقہاءِ کرام نے غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے اور متصرف فی الامور سمجھنے والے کو

---

[1] قال الله تعالیٰ: قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ. (سورة الاعراف)

وقال الله تعالیٰ: قُلْ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا. (سورة الجن)

کافر لکھا ہے۔

لما فی الھندیۃ: رجل تزوج امرأۃ ولم یحضر الشہود وقال خدائے را و رسول را گواہ کردم، وقال خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم کفر۔ (فتاوی ہندیہ جزء ۲ ص ۲۶۶ الباب التاسع احکام مرتدین)

## مصائب و مشکلات میں غیر اللہ کو پکارنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و دین اس مسئلہ کے کسی مشکل یا مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مصائب و مشکلات میں غیر اللہ سے استمداد اور اعانت ناجائز اور حرام ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فوت شدہ نبی یا ولی دنیا میں بندوں کے امور میں مداخلت اور تصرف کر سکتے ہیں اور لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے یعنی مافوق الاسباب بغیر کسی سبب کے سہارا لینے کے شریعت نے اللہ تعالیٰ سے استعانت و استمداد کا حکم دیا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰۶)

## یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا شرک ہے

سوال:- یا شیخ عبد القادر جیلانی

---

لہ قال العلامۃ قاضیخانؒ: رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل والمرأۃ خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ جزء ۳ ص ۵۷۶ باب ما یکون اسلاماً و کفراً وما لا یکون)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ جزء ۶ ص ۳۲۵ (المسائل فیما یتعلق باللہ)

لہ وقال اللہ تعالیٰ ایضاً: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (سورۃ احقاف آیت ۵)

لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر)

شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ اس عقیدہ سے کہ ساتھ پڑھنا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں اور ہماری اس ندا اور وظیفہ کو سنتے ہیں صریح شرک ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے ۔

قال العلامة الکردریؒ : تزوج بلا شهود وقال رسول خدای را و فرشتگان را گواه کردم یکفر لانه اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب ۔
(الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۵ نوع فیما یتعلق باللہ) لہ

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھنا کفر ہے

سوال :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشکل کشا ہونے کا عقیدہ رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے کہ نہیں ؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق سے مافوق الاسباب افعال سرزد ہونے کا عقیدہ رکھنا شرک ہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ مخلوق کے مصائب اور مشکلات دور کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، البتہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجازاً مشکل کشا کہا جائے تو اس سے شرک لازم نہیں آتا، تاہم عوام چونکہ اس امتیاز کو نہیں پہچان سکتے اُن کو اس قسم کے عقائد رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ : منها ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقاده ذلک کفر ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۸ فصل لبیان ما یوجبه العبد علی نفسه)

## داڑھی منڈانے کو جائز اور گناہ نہ سمجھنا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ایسے شخص کے بارے میں جس کا یہ عقیدہ ہے کہ داڑھی منڈانا جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور وہ زبان سے بھی اپنے اس عقیدہ کا اظہار

---

لہ قال العلامة قاضیخانؒ : رجل تزوج امرأة بغیر شهود فقال الرجل للمرأة خدائے را و پیغامبر را گواه کردیم قالوا یکون کفرا لانه اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت ۔
(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۳ ص[illegible] باب ما یکون کفرا من المسلم وما لا یکون)

کرتا ہے اور دوسرے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں داخل ہے اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرامؓ کی سنت متواترہ میں سے ہے۔ فقہاء کے نزدیک اس کی حد مقرر ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے داڑھی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے۔ اگر ایک شخص ایسے گناہ کو گناہ نہ سمجھے اور دیدہ دانستہ اس کی جرأت کرے اور داڑھی رکھنے کو اپنی طرف سے خود ساختہ طریقہ سمجھے تو ایسے شخص کا عقیدہ موجب کفر ہے۔ تاہم اگر داڑھی منڈوانے کی حلت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو صرف زبانی طور پر اس پر اصرار کرتا ہو تو پھر بھی یہ اندیشۂ کفر سے خالی نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے یا اس کا اظہار کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: ومنها ان استحلال معصیة صغیرة کانت او کبیرة کفر اذا ثبت کونها معصیة بدلالة قطعیة وکذا الاستهانة بها کفر بأن یعدها هینة سهلة ویرتکبها من غیر مبالاة بها ویجریها مجری المباحات فی ارتکابها۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲۳۵ مسئلة فی استحلال المعصیة)[1]

## ضروریاتِ دین سے استہزاء کرنا کفر ہے

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس شخص کے بارے میں جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ توحید باری تعالیٰ (نعوذ باللہ) ایک مذاق ہے، اور شریعت سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا نظام کی حامی ہے، نماز روزہ کوئی چیز نہیں، یہ ایک مستقل دین ہے جس کے قبول کرنے میں لوگوں کی کامیابی ہے۔ شرعاً ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مرتد اور کافر ہے کیونکہ یہ ضروریاتِ دین کا منکر و گستاخ ہے، باقتدار اسلام و حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ تائب نہ ہونے کی صورت میں اس کو مرتد کی سزا دیں، اور تمام اہل اسلام اس سے قطع تعلق اختیار کریں۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: ومن وصف الله بما لا یلیق به او سخر باسم من

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: لکن فی شرح العقائد النسفیة استحلال المعصیة کفر اذا ثبت کونها معصیة بدلیل قطعی۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۹۲ مطلب استحلال المعصیة القطعیة کفر)

ومثله فی شرح العقیدة الطحاویة ص۳۶۳ لا نکفر احداً من اهل القبلة۔ الخ

استحلالها او بحرمت ... او امره او انکر وعده و وعیده یکفر وکذا لو انکر ما اجمع علیه وانکاره بعد العلم به یعنی من امور الدین یکفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲۲۴ مسئلۃ استحلال المعصیۃ ولو صغیرۃ کفر) لہ

## قرآن پاک کے اوراق کو پھاڑنا اور بےحرمتی کرنا موجب کفر ہے

سوال: قرآن حکیم کے اوراق کو توڑ پھوڑ کر بےادبی اور بےحرمتی سے زمین پر گرانے والے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی توہین اور استخفاف کفر ہے اگرچہ توہین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل اور معتقد ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص جس کے دل میں قرآن پاک کی عظمت نہ ہو یہاں تک کہ قرآن مجید کے اوراق کو پھاڑ کر زمین پر پھینکے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ووضع مصحفاً فی قاذورۃ فانہ یکفر وان کان مصدقا لان ذلک فی حکم التکذیب۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد) لہ

## حرام پر حلال کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ہے

سوال:- اگر کوئی شخص حرام چیز پر حلال کا عقیدہ رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ باوجود علم کے حرام پر حلال اور حلال پر حرام کا اعتقاد رکھنا موجب کفر ہے البتہ بعض استثنائی صورتوں کا حکم فقہاء نے علیحدہ ذکر کیا ہے کہ مذکورۃ الصدر حکم تب لازم ہوتا ہے کہ جب حرام بعینہ کو حلال سمجھے حرام لغیرہ کی حلت

---

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: او کذب او عاب القرآن او انکر ما اجمع علیه بعد العلم به لان ذلک علی ان التصدیق مفقود۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۲ باب المرتد)

ومثله فی البزازیۃ علی هامش الهندیۃ ج۶ ص۳۲۲ کتاب الفاظ الکفر ... فیما یتعلق ...

لہ قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوهما مما یعظم فی الشرع کفر ومن وضع رجله علی المصحف حالفاً استخفافاً کفر انتهی۔
(شرح الفقه الاکبر ص۲۳۳ فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ)

ومثله فی الهندیۃ ج۲ ص۲۶۶ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

کا عقیدہ موجب کفر نہیں ہے، حرام لعینہ کا عقیدہ حلال اس وقت موجب کفر ہے جبکہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر اس کی حرمت خبر واحد سے ثابت ہو تو پھر یہ موجب کفر نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ: ومن اعتقد الحرام حلالاً او علی القلب یکفر اما لو قال لحرام ھذا حلال لترویج السلعۃ او بحکم الجھل لا یکون کفراً وفی الاعتقاد ھذا اذا کان حراماً لعینہ وھو یعتقدہ حلالاً حتی یکون کفراً واما اذا کان حراماً لغیرہ فلا وفیما اذا کان حراماً لعینہ انما یکفر اذا کانت الحرمۃ ثابتۃ[1] بدلیل مقطوع بہ اما اذا کانت باخبار الآحاد فلا یکفر کذا فی الخلاصۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۲ ص۲۷۳ الباب التاسع فی احکام المرتدین)[1]

## رقص و سرود کو حلال اور جائز سمجھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص رقص و سرود اور گانے بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ گانا بجانا اور رقص و سرود از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے مگر اس کے ارتکاب سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ جو شخص کسی حرام فعل کو حلال سمجھ کر کرے اور اس کو حرام نہ سمجھے تو یہ موجب کفر ہے، لہٰذا جو شخص رقص و سرود اور گانے بجانے کو حلال اور جائز سمجھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لما قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: قال القرطبیؒ علی ان ھذا الغناء وضرب القضیب والرقص حرام بالاجماع عند مالک وابی حنیفۃ والشافعی واحمد فی مواضع کتابہ وسید الطائفۃ شیخ احمد صرح بحرمتہ ورأیت فتوی شیخ الاسلام سید جلال الملۃ والدین الکبیسی فیہ ان مستحل ھذا الرقص کافر ولما علم ان حرمتہ بالاجماع لزم

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والاصل ان من اعتقد الحرام حلالاً فان کان حراماً لغیرہ کمال الغیر لا یکفر وان کان لعینہ فان کان دلیلہ قطعیاً کفر والا فلا۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۲ باب المرتد)
ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۴۲ الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ۔

عند اهل السنۃ والجماعۃ لان یکون مستحلاً وهو غیر مختص بالحسین رضی اللہ عنہ ومع ان الاستحلال امر لا یطلع علیہ الا ذوالجلال۔ (شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری ص ۸۸)

## شریعت مطہرہ پر فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے

سوال:۔ دو آدمیوں کا آپس میں کسی بات پر تنازعہ پیدا ہو گیا ایک نے کہا کہ ہم شریعت محمدی پر فیصلہ کریں گے تو دوسرے نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور کہا کہ میں انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ کراؤں گا شریعت پر فیصلہ کرانے کے لیے تیار نہیں ہوں" اور وہ برابر اس بات پر مصر ہے بلکہ حاکم کے سامنے انکار بر شریعت پر دستخط بھی کر دیئے ہیں، شرعاً اس آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن اپنے تمام معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون صرف اور صرف خدائی قانون اور اسلامی شریعت کو تسلیم کرے، اور جو شخص دل سے اسلامی شریعت کو معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون تسلیم نہیں کرتا وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں بلکہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن اگر وہ دل سے اسلامی شریعت کو فیصلہ کن قانون تو مانتا ہے مگر اس پر فیصلہ کرنے سے گریز کرتا ہے تو ایسا کرنا منافقوں کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء ۶۵) اور منافقین کے بارے میں یوں فرمایا ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا۔ (سورۃ سورۃ النساء آیت ۶۱) اس لیے کسی بھی مسلمان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

لما قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: رجل قال لخصمه اذهب معی الی الشرع فقال الآخر تا پیاده نیاوردی نروم لا یکفر..... ولو قال

---

[1] وقال العلامۃ تفتازانی رحمہ اللہ: انما اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ وغیرها انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن لعن المصلین ومن کان اهل القبلۃ۔ (شرح العقائد ص ۱۱۷ بحث من ذکر المعاصی الا بجبر) ومثلہ فی مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۹ کتاب العقائد۔

## خدا اور رسول سے برأت کا اعلان موجب کفر ہے

سوال:۔ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں میں ان سے بری ہوں، اس قسم کا کلمہ بولنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ "میرا خدا اور رسول سے کچھ واسطہ نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ مجھے خدا اور رسول کی ضرورت نہیں لہٰذا اگر سمجھ بوجھ سے اس کلمہ کو کلمۂ کفر جان کر بولا گیا ہو تو اس بول سے خدا اور رسول کا استخفاف لازم آتا ہے جو کہ موجب کفر ہے، لہٰذا ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء انصاریؒ: ولو قال لرجل حکم خدای تعالیٰ چنین است فقال من چه کنم حکم خدا چه دانم فهذا استخفاف بالله فیکفر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۸ کتاب احکام المرتدین۔ متفرقات) ؎

## نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دل میں لانا

سوال:۔ حالت نماز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دل میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تشہد میں "صلوٰۃ و سلام" کے وقت آپ کا خیال مبارک دل میں لانا ضروری ہے تو ایسی حالت میں آپ کے شمائل کا تصور کرتے ہوئے "صلوٰۃ و سلام" کہنے کا ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اول تا آخر خالصۃً عبادتِ خداوندی ہے اس لیے بطورِ عبادت و بندگی اس کا ہر ہر جزو یادِ خداوندی اور اس کے خشوع و خضوع میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیے تو بطورِ عبادت و بندگی نماز میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی ذہن میں لانا قطعی حرام ہے۔

قال شرف الدین اسماعیل بن المقریؒ فی قصیدۃ تائیۃ: تخاطبه ایاک نعبد علی غیره فیها بغیر ضرورة۔ الی ان قال وبالجملة فالتفکر فی الصلوٰة لغیر ما یتعلق بها اعمال ان کان دنیویا فهو منکر وداخل الکراهة بل مفسد عند اهل الحقیقة

---

؎ قال العلامة ابن البزاز الکردری رحمه الله: ولو قال الله یعلم انی افعل ولا افعل او بری من الانبیاء والملٰئکة یکفر او علم انه کاذب۔

(فتاوی بزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۴ الثانی فیما یتعلق بالقدم)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۳ کتاب الفاظ الکفر۔

لفوات الرکن لا بمعنی المقصود بالذات۔ر)

ہاں اگر بطور عقیدت واحترام تشہد کے ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ذہن میں آجائے اور ذہن ان کی طرف منتقل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وقال الامام الغزالیؒ: واحضر فی قلبک النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل سلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ولیصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ما ہو اوفی منہ۔ (احیاء علوم الدین جز۱ ص۱۶۹ ما ینبغی ان یحضر فی القلب)

اسی طرح "صلوٰۃ وسلام" کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حاضر وناظر ہونے یا براہ راست درود سننے کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اس عقیدہ سے پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ ملائکہ یا کسی ذریعہ سے میرا صلوٰۃ وسلام آپ تک پہنچاتے ہیں۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے عقیدہ کی وضاحت

سوال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللھم اجعلنی نورا۔ اور قرآن مجید میں بھی جابجا آپ پر نور کا اطلاق ہوا ہے جب آپ نور تھے تو پھر نور کا سایہ بھی نہیں ہونا چاہیے؟ جبکہ آپ کا سایہ نہ ہونے کا بعض کتب میں تذکرہ بھی ملتا ہے، تو کیا یہ تحقیق ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟ مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:۔ اگر نقل صحیح سے ثابت ہو جائے کہ بطور معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا ہے، لیکن اس باب میں کوئی صحیح نقل موجود نہیں، احادیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث وارد نہیں ہے، البتہ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ میں اس مضمون کی ایک حدیث مرسلاً روایت کی ہے:۔

عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجۃ۔ قال السیوطیؒ: قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر لہ ظل۔

(خصائص الکبریٰ ج۱ ص۶۸ باب الآیۃ فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یر لہ ظل)

لیکن یہ روایت چند وجوہات کی بناء پر قابل اعتبار نہیں ہے:۔

ہے۔ ثانیاً روایت مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب اور واضع حدیث ہے۔

اور بعض حضرات نے جو عدم سایہ پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں نور فرمایا ہے، یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نورا فرمایا کرتے تھے، سو یہ استدلال بالکل ناقابل التفات ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث دعائیں نور ہونے سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کے کیفیات و آثار آپ میں نہ تھے، یا آپ کی دعا و خواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثار سے مخصوص طور سے علیحدہ ہو کر (معاذ اللہ) ہوا کی طرح ہو جائیں بلکہ باتفاق عقلاء و علماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعۂ ہدایت و بصیرت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعۂ ہدایت ہیں، اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شانِ نبوت و ہدایت درجۂ کمال میں ہو، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی دعاؤں میں اس کا سوال طلب فرماتے تھے، اور اسی معنیٰ کی بناء پر قرآن کو اور توریت کو بنصِ قرآن نور کہا گیا ہے، اسی معنیٰ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعا اللّٰھم اجعلنی نورا تو تمام امت کو تلقین فرمائی گئی ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی نہیں ہے۔

بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپ جس طرف چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابر رحمت سایہ فگن رہتا تھا، یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو دوسرے صحیح و صریح روایات اس کے معارض موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی حدیث باب ہجرت میں بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے: فقام ابوبکر للناس وجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم یر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحیی ابابکر حتی اصابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکر حتی ظلل علیہ بردائہ فعرف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک۔ کذا فی المواہب، وقال الزرقانی فی شرح المواہب: وعند ابن عقبۃ عن الزہری فطفق من جاء من الانصار یحسبہ ایاہ حتی اصابتہ الشمس قام ابوبکر بشیء اظلہ بہ۔

(شرح مواہب للزرقانی ج ۱ ص ۳۳۳)

ومثلہ یروی تظلیلہ علیہ السلام فی حجۃ الوداع وغزوۃ حنین وغیرہ مذکورۃ فی عامۃ الکتب۔)

اس لیے اگر سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے

اور یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہوگا بعد میں یہ صورت نہ رہی، علامہ ابن حجر قسطلانیؒ نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے چنانچہ حدیث ہجرت مذکورۃ الصدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

## کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرف سمجھنا شرک ہے

**سوال** :- کسی غوث یا قطب کو مافوق الاسباب متصرف کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان القاب کا استعمال ان کے لیے از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- احادیث میں نجباء اور صالح لوگوں پر ابدال، اولیاء اور مجددین کا اطلاق ثابت ہے۔

عن ام سلمةؓ عن النبی ﷺ قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربًا الی مکة فیأتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة فاذا رأی الناس ذلک اتاه ابدال الشام۔ (الحدیث)

(مشکوٰۃ ص۴۷۱ باب اشراط الساعة-الفصل الثانی)

جبکہ قطب اور غوث کا اطلاق احادیث رسول اللہ میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا ہے تاہم علماء کرام اور صوفیاء عظام ان الفاظ کو بھی اولیاء اللہ کے لیے استعمال کرتے ہیں

قال العلامة ملا علی القاریؒ: قلت ومنهم الاقطاب فی الاقطار ... ومنهم قطب الاقطاب المسمی بالغوث الاعظم فهم بمنزلة الوزراء تحت حکم الوزیر الاعظم (مرقاة المفاتیح ج۱۰ ص۱۴۸)[2]

---

[1] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: سایہ نہ ہونے کی کسی مرفوع روایت نہیں گذری مگر بعض ... نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا، چونکہ سایہ ظلمت ہوتی ہے ... روایت ہے کہ آپ ﷺ ... کا سایہ ... (امداد الفتاویٰ ج۵ ص... کتاب العقائد والکلام)

[2] قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانیؒ: المبحث الخامس والاربعون فی بیان ان الاولیاء ... نصب القطب ... علی خلاف فی ذلک ثم الامامان ثم الاوتاد ثم الابدال۔
(الیواقیت والجواهر ج۲ ص۹۹)

متبع شریعت ولی اللہ تھے، آپ کی ولایت اور مقام و مرتبہ خود ان کی کتب سے معلوم ہوتا ہے اس قسم کی کہانیاں بے اصل اور من گھڑت ہیں اور اس قسم کی کہانیوں کی صداقت پر اعتقاد رکھنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، تاہم اس قسم کی من گھڑت اور بے اصل کہانیوں کو ماننے والوں پر توبہ لازم ہے اگر توبہ نہ کریں تو اعتقاد صریحاً کفر اور شرک ہے۔

## جنت کی پیمائش دنیا میں ممکن نہیں

سوال:- کیا جنت کا طول و عرض معلوم کرنا دنیاوی پیمائشوں سے ممکن ہے؟

الجواب:- جنت کا طول و عرض دنیاوی پیمانوں سے کس طرح معلوم کیا جا سکے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳) اور اسی طرح متعدد احادیث میں بھی جنت کی وسعت کے متعلق مختلف قسم کے تشبیہات ذکر ہوئے ہیں۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والارض والفردوس اعلاها درجة منها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها يكون العرش فاذا سألتم الله فاسئلوا الفردوس۔

(مشکوٰۃ ص۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ۔ الفصل الاول) [۱]

## تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کی وضاحت

سوال:- تقویۃ الایمان مؤلفہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مندرجہ ذیل عبارات از روئے شریعت درست ہیں یا نہیں؟

(۱) وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۱۲-۱۳ فصل دوم شرک فی العلم کی برائی کا بیان)

---

[۱] قال الشيخ فخر الدين الرازي رحمه الله: المقصود المبالغة في وصف سعة الجنة وذلك لانه لا شيء عندنا اعرض منهما ونظيره قوله تعالى: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ فان اطول الاشياء بقاءً عندنا هو السموات والارض فخوطبنا على وفق ما عرفناه فكذا ههنا. (تفسير الكبير ج۳ ص۷ آل عمران ۱۳۳)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۔ یعنی جیسے سور، لہو اور مردار ناپاک ہیں ویسا ہی وہ جانور بھی ناپاک و حرام ہے جو کہ خود گناہ کی صورت بن رہا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا ٹھہرایا ۔ (تقویۃ الایمان ص۴۳ کتاب العقائد)

(۳) حدیث مشکوٰۃ ص۲۸۰ باب عشرۃ النساء: اونٹ کے سجدہ کرنے کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء، امام و امام زادہ، پیر و پیر زادہ و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ۔ (تقویۃ الایمان ص۵۸ کتاب العقائد)

ان عبارات کی شرعی حیثیت واضح کریں کہ ان عبارت کی رو سے حضرت شہید پر کفر کی نسبت درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو پھر حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کو کافر کہنے والے کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

**الجواب:** "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہے کہ:-

(۱) اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے کہ اس کی سب مخلوقات اگرچہ کسی درجہ کی ہو، اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ مثلاً کمہار مٹی کا خوبصورت اور پسندیدہ لوٹا بنا کر اسے نہایت احتیاط سے رکھتا ہے مگر وہ اسے توڑنے کا بھی اختیار رکھتا ہے لیکن لوٹے کو کسی بھی درجہ میں مساوات کمہار سے نہیں ہوتی، پس حق تعالیٰ کی ذات پاک جو کہ خالق محض قدرت سے ہے اس کے ساتھ کسی مخلوق کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ چمار کو شہنشاہ دنیا سے اولادِ آدم ہونے میں مناسبت اور مساوات ہے اور شہنشاہ چمار کا نہ خالق ہے نہ رازق ہے، تو چمار کو تو شہنشاہ سے مساوات بعض وجوہ سے ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس قدر بھی کسی کو مناسبت نہیں ہو سکتی۔ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ تمام مخلوق سے برتر و معزز اور افضل و اعلیٰ ہیں کہ کوئی ان کی مثل نہ ہوا ہے نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی ذات پاک کے مقابلہ میں وہ بھی بندۂ مخلوق ہیں تو یہ سب حق ہے لیکن کچھ کم فہم اپنی کم فہمی سے اعتراض بیہودہ کرکے شان حق تعالیٰ کو گھٹاتے ہیں اور اس کا نام محب رسول صلعم رکھتے ہیں ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۴۲ کتاب العقائد)

(۲) تقویۃ الایمان کی عبارت یعنی جیسے سور، لہو اور مردار ..... الخ

یہ عبارت بالکل صحیح ہے کیونکہ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے اصلی مطلب اور صحیح مدلول ترجمہ

نے نکالا ہے اور بہت بڑے شرکیہ عقیدے اور طریقے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا ہے کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ "وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ان جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت، جن یا کسی خبیث روح یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کرکے اور اس جانور کی جان اُن کی نذر کرکے ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور مقصد ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو تو ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ جان کو جان آفرین کے سوا کسی دوسرے کے لیے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس لیے کہ جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس جانور کی جان تو غیر اللہ کے نامزد کردی گئی جو کہ عین شرک ہے۔ سو جیسے خنزیر یا مردار کے کو تکبیر کہہ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہو سکتے اور مردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نامزد کردی گئی ہو اُس پر ذبح کے وقت نام الٰہی لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آسکتی۔ دیکھیے شاہ صاحبؒ نے کیسے اچھے الفاظ میں یہ حقیقت ظاہر کی۔

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

قال الرازيؒ قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتداً وذبيحته ذبيحة المرتد۔ (تفسیر کبیر جزء ۵ ص۲۲ سورۃ البقرۃ)

(۴) مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء میں اونٹ کے سجدہ کرنے کی حدیث یہ ہے:

وعن عائشةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في نفر من المهاجرين والانصار فجاء بعير فسجد له فقال اصحابه يا رسول الله تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربكم واكرموا اخاكم ولو امرت احدا ان يسجد لاحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها ولو امرها ان تنقل من جبل اصفر الى جبل اسود ومن جبل اسود الى جبل ابيض كان ينبغي لها ان تفعله۔ رواه احمد (مشکوٰۃ ص۲۸۳)

قال محمد الطيبيؒ يعني اكرموا من هو بشر مثلكم ومتفرع من صلب ابيكم آدم۔ (شرح طیبی ج ص باب عشرة النساء وما لكل واحد من الحقوق الفصل الثالث)

اس سے معلوم ہوا کہ اخ کا اطلاق شریک فی الوصف پر جائز ہے۔ تو اگر شاہ اسماعیل شہید نے "اگر مولانا کو" سے اقتباس ذکر کر کے یہ فرمایا کہ انبیاء و اولیاء وغیرہم اللہ کے مقرب بندے اور ہمارے بھائی ہیں تو انہوں نے کچھ برا نہیں کیا کیونکہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو امت کا بھائی کہتے ہیں۔ تو جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بھائی کا اطلاق درست ہے تو دیگر انبیاء و اولیاء اکرام دیگر پر تو بطریق اولیٰ بھائی ہونے کا اطلاق درست ہے کیونکہ وصف بشریت میں تو تمام شریک ہیں۔ جیسے سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت بالکل صحیح ہے اور شرعاً اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

## صراطِ مستقیم کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال: "اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالتمآب ہی کیوں ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدتر ہے۔"

(صراطِ مستقیم ص ۸۶)

اس عبارت کی وضاحت فرمائیں نیز کیا یہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ مسئلہ تصورِ شیخ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ذاکر ذکر کرتے وقت دنیوی امور میں لگ جاتا ہے اور مراقبہ کر لیتا ہے تو شیطان اس سالک کے دل میں وسوسے ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے ذاکر کا خیال و فکر دوسری طرف مائل ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ سالک دفع وساوس شیطانی کی غرض سے اپنے شیخ کا تصور کر لیتا ہے۔ اور جب وسوسہ دور ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ تصور دفع وساوس شیطانی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ محمد معصومؒ کے سلسلے میں ایک طریقہ تھا۔ اور اس قسم کے تصور کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

اسی طرح دیگر آنا احادیث میں جو صحابہ کرامؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی حالت بیان کرتے ہیں تو وقتِ بیان میں اسی زمانے کا تصور کرتے ہیں۔

الحاصل، یہ تصورِ شیخ کا فی الواقع ایک سلسلہ تصوف میں دفع وساوس شیطانی کے لیے جاری رہا لیکن بعد میں بعض جہال نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔ تصورِ شیخ کو ذریعہ نجات بنا کر اس کی پوجا و پرستش کے ذکر و فکر الٰہی کو بالائے طاق رکھ دیا اور تب تصورِ شیخ ہی کو اصل مقصد جان کر اسی میں مستغرق ہو گئے۔ تب شاہ صاحب نے اس طریقہ سے تصورِ شیخ کو منع فرمایا اور ایسے کرنے والے کو

شرک قرار دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کے خیالات مبذول کر کے فرمایا: "شیخ یا اس جیسے اور بزرگ کی طرف خواہ جناب رسالتمآبؐ ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا یعنی اس کے خیال تصور پر بھروسہ کر کے سے کارساز و حاضر و ناظر جان کر تقرب کے لیے کافی سمجھنا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔ جیسا کہ گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق ہونے سے کچھ منفعت نہیں اسی طرح بزرگوں کے صرف تصور میں مستغرق ہو کر ذکر و فکر الٰہی کو چھوڑنا اس سے برا ہے اور کوئی نفع اس میں نہیں ہے یہ تشبیہ عدم منفعت میں ہے۔"

## ارواح کی دنیا میں واپسی کا عقیدہ غلط ہے

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو ایک سال تک مسلسل اس کی روح ہر جمعہ کو گھر آتی رہتی ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے؟

الجواب: موت کے بعد روح کا گھر یا دنیا میں واپس آنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور نہ ہی عقل اس کی تائید کرتی ہے بلکہ موت کے بعد روح کا جنت یا دوزخ میں ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا خلاف شرع ہے۔ عوام الناس کو اس غلط عقیدہ سے منع کرنا چاہیے۔

لما ورد فی الحدیث: وعن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارواح الشہداء فی اجواف طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ او شجر الجنۃ۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن۔ (الترغیب والترہیب للمنذری جز ۲ ص ۲۱۲۔ ما جاء فی فضل الشہید، کتاب الجہاد)

## بعض صالحین کو بوقت وفات منجانب اللہ نجات کی خوشخبری ملنا

سوال: حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو مقرر فرمایا ہے لیکن بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے حساب و کتاب میں کامیابی کی خوشخبری سنی ہے کہ میرے اعمال اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کو اپنے حساب و کتاب سے آگاہی ہوتی ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو یوم الحساب فرمایا ہے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ

---

؎ شاہ صاحبؒ کی بات نماز کی حالت میں غیر اللہ کے تصور کے ساتھ مختص ہے۔ اسی لیے کہ نماز اللہ تعالیٰ کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ اگر اس میں کسی اور کی تعظیم کی طرف اپنی ہمت لگا دے تو یہ عبادت کے اندر شرک ہوگا۔ کیونکہ دل اور کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ اھ (صراط مستقیم ص ۱۴۹)

مومن صالح کو مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ فرشتگان یہ بشارت دی جاتی ہے کہ آپ کی نجات ہوگئی اور آپ کے اعمال قبول ہوئے۔

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (سورۃ فصلت آیت ۳۰)

برزخ میں بھی بشارت کا ثبوت حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوتا ہے۔

قال۔ فینادی منادٍ ان قد صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ و البسوہ من الجنۃ وافتحوا بابًا لہ الی الجنۃ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر۔ الفصل الثانی)[1]

جب یہ معلوم ہوا کہ مومن صالح کو مرتے وقت اور عالم برزخ میں جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو مومن صالح کا بذریعہ خواب کسی کو اپنے حساب و کتاب کی اطلاع دینا بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ مجھے جنت میں جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت کا کوئی وفادار ملازم کسی بڑے عہدے کا امیدوار ہو اور حکومت اس کو اطلاع دے دے کہ فلاں تاریخ سے فلاں عہدے پر تمہاری ترقی ہوگئی اور وہ شخص خوشی کے مارے اپنے عزیز و اقارب سے کہہ دے کہ فلاں عہدے پر میری ترقی ہوگئی ہے۔

## شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ اور آپ کی تصنیف تقویۃ الایمان کا تذکرہ

سوال:۔ کیا شاہ اسماعیل شہید واقعی ایک عالم باعمل اور ولی اللہ تھے؟ نیز ان کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کیسی کتاب ہے؟ بعض لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں، آیا درست ہے یا غلط؟

الجواب:۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ کا ایک عالم باعمل، ولی کامل اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونا ناقابل انکار ہے، اہل اسلام آج تک آپ کے کردار کو سراہتے ہیں، آپ ہی کی تعلیم جہاد سے مسلمانانِ ہند میں جذبۂ جہاد پیدا کیا جو آزادیٔ ہند پر منتج ہوا۔ اور آپ کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا

---

[1] عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار ۔۔۔ فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ وافتحوا لہ بابًا الی الجنۃ۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب السنۃ۔ باب فی المسألۃ فی القبر وعذاب القبر)

غرض یہ ہے کہ: اسماعیل شہیدؒ کی تالیف "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ اور سچی کتاب ہے اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا پورا مطلب اس میں ہے، اس کا مؤلف شاہ اسماعیل شہیدؒ ایک مقبول بندہ تھا اُن کو تبرا کا فرمانا ہے وہ خود شیطان ملعون حق تعالیٰ کا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب الایمان والکفر)

## دنیا میں جنت جیسی زمین تیار کرنا ناممکن ہے

سوال:- کیا جنت جیسی زمین کو دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب:- جنت کی ایک بالشت زمین جیسی دنیا میں تیار کرنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں، کیونکہ جنت کی زمین کے اوصاف لوازمات دنیا کی زمین سے بالکل مختلف ہیں، مثلاً یہاں کی زمین کی حقیقت مٹی ہے اور جنت کی زمین کی حقیقت مشک و زعفران ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبنة من فضة ولبنة من ذهب، وملاطها المسك الاذفر، وحصباؤها اللؤلؤ والياقوت وتربتها الزعفران۔ (ترمذی ج۲ ص۸۰ باب ما جاء في صفة الجنة ونعيمها)

اسی طرح وہاں بھوک، پیاس اور برہنگی نہیں ہے۔ قال الله تعالیٰ: اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۸)

اور یہی اوصاف زمین دنیا میں پیدا نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ اسی بنا پر جنت جیسے معمولی زمین دنیا میں تیار کرنا کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا سراسر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔[1]

## ماہِ صفر میں نزولِ بلیات و آفات کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے

سوال:- ماہِ صفر کو منحوس اور نزولِ بلیات و آفات کا مہینہ کہا جاتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- ماہِ صفر کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات و خیالات رکھتے ہیں، جو سارے کے سارے لغو اور بے بنیاد ہیں، اور اس کو آفات و بلیات کا مہینہ کہنا محض توہم پرستی

---

[1] لما ورد في الحديث: عن ابي هريرةؓ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم موضع سوط في الجنة خير من الدنيا وما فيها۔ متفق عليه۔ (مشكوٰة ص۴۹۶ باب صفة الجنة واهلها)

ہے شریعت مطہرہ میں اس قسم کی توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے ۔
لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر۔ (مشکوٰۃ ص۳۹۱ باب الفال والطیرۃ۔ الفصل الاول)
قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: قال القاضی ویحتمل ان یکون نفیا لما یتوھمون شھر صفر تکثر فیہ الدواھی والفتن۔ (مرقاۃ المصابیح ج۹ ص۔ الفصل الاول)

## قیمتوں میں کمی یا زیادتی منجانب اللہ ہوتی ہے

سوال:۔ اشیاء صرف کی قیمتوں میں ارزانی اور گرانی منجانب اللہ ہوتی ہے، اور یہ عقیدہ رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ اشیاء صرف کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی جاتی ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کی مرضی کے خلاف ان میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔
لما ورد فی الحدیث: عن انس بن مالکؓ قال غلا السعر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ قد غلا السعر فسعر لنا فقال ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق انی لارجو ان القی ربی ولیس احد یطلبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال۔ (ابن ماجۃ ص۱۵۹)
ہاں اگر لوگ قیمتوں میں بے اعتدالیاں کرنا شروع کردیں تو حکام اہل الرائے کے مشورہ سے کسی چیز کی قیمت متعین کرنے کے مجاز ہیں۔
لما مر ابن عابدینؒ: الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرای۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۸۳ کتاب الحظر والاباحۃ)[1]

## نماز باجماعت کا تارک منافق ہے

سوال:۔ جو شخص اپنے مرتبہ اور مشغول ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کو حاضر نہیں ہوتا اور عام لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں عار محسوس کرتا ہو اور کہتا ہو کہ اس سے میرا مقام و مرتبہ گھٹتا ہے

---

[1] قال الشیخ سعد الدین التفتازانیؒ: السعر تقدیر ما یباع بہ الشئ ویکون غلاء ورخصا باسباب من اللہ تعالیٰ وبرکات البعض فی اکتساب العباد فالمسعر ھو اللہ تعالیٰ وحدہ۔
(المقاصد فی علم الکلام علی ھامش شرح المقاصد ج۲ ص۱۶۲)
ومثلہ فی مجموعۃ الفتاوی (اردو) ج۲ ص۲۸۲ کتاب الحظر والاباحۃ۔

ازروئے شریعت اس شخص کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** یہ شخص اگر نماز باجماعت میں اس لیے حاضر نہیں ہوتا کہ اس کے نزدیک نماز باجماعت دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں تو یہ شخص اپنے عقیدہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قال في الهندية: رجل ترك سنن الصلوٰة ان لم یر السنن حقاً فقد كفر لانه تركها استخفافاً وان رآها حقاً فالصحيح انه يأثم لانه جاء الوعيد بالترك. كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۱۲ الباب التاسع في النوافل)

اور اگر وہ نماز باجماعت کے وجوب کا تو معتقد ہو لیکن دوسری وجوہات سے بغیر شرعی عذر کے حاضر نہ ہوتا ہو تو حدیث کی رو سے عمل منافقت ہے لہٰذا اس کو توبہ کرنی چاہیئے۔

لما في الحديث: وعن معاذ بن انس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال الجفاء كل الجفاء والكفر والنفاق من سمع منادي الله ينادي الى الصلوٰة فلا يجيبه. رواه احمد والطبراني.[1] (الترغيب والترهيب للمنذري ج۱ ص۲۶۳)

## بے وضو نماز پڑھنے والے کا حکم

**سوال:** بے وضو نماز پڑھنے اور دوسروں کو نماز کی امامت کرانے والے شخص کا ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟

**الجواب:** غفلت اور بلا قصد استخفاف بے وضو کے نماز پڑھنا موجب فسق ضرور ہے مگر موجب کفر نہیں، البتہ اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے یا عمداً بقصد استہزاء ایسے کرنے والا شخص کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ملا علي القاري رحمه الله: من صلى الى غير القبلة متعمداً يكون كافراً مستخفاً وكذا اذا صلى بغير طهارة۔
(شرح الفقه الاكبر ص۲۳۲ فصل في القراءة والصلوٰة)

---

[1] قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: ومنها ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً بل اساءة لو عامداً غير مستخف. قال العلامة ابن عابدينؒ ... ولو مستخفاً كفر لما في النهر عن البزازية لو لم ير السنة حقاً كفر لانه استخفاف۔
(رد المحتار ج۱ ص۴۷۴ مطلب سنن الصلوٰة)

## کوئی شخص عمل کی وجہ سے صحابہؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتا

**سوال:-** ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ اگر موجودہ امت میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جس کا کردار و اخلاق صحابۂ کرامؓ جیسا ہو تو وہ فضیلت میں صحابہؓ سے افضل ہوگا، اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ صحابہ چونکہ حضورؐ کی صحبت میں رہے، حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وحی ان کے سامنے نازل ہوئی، لہٰذا اُن کا آپؐ پر ایمان لانا ضروری تھا، اور ہم نے چونکہ حضورؐ کو نہیں دیکھا اور نہ نزولِ وحی کو دیکھا پھر بھی آپؐ پر ایمان لے آتے ہیں، بناء بریں اگر کوئی شخص صحیح مسلمان اختیار کرے تو درجہ میں صحابۂ کرام سے بڑھ سکتا ہے، اس کی وضاحت فرماویں؟

**الجواب:-** صحابۂ کرامؓ کی شان و مرتبہ بوجہ صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کوئی غیر صحابی بڑے سے بڑا ولی اللہ جس کو آپؐ کی بابرکت صحبت میسر نہ ہوئی ہو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے، تمام اہلِ حق کا اسی پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد صحابہؓ تمام انسانوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ مولانا شاہ اللہ پانی پتیؒ نے "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرمایا ہے کہ "عبداللہ بن مبارک تابعی است میگوید اغبار الذی دخل انف فرس معاویۃؓ خیر من اویس قرنیؒ و عمر بن عبد العزیز المروانیؒ"، لہٰذا سب مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ صحابۂ کرامؓ امت کے تمام اولیاء اللہ سے افضل اور بہتر ہیں کسی بھی عمل کی بنا پر ان سے درجے میں بڑھ نہیں سکتے۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانہم خیارکم۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ) ملہ

---

لہ قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: ومنہا تفضیل سائر الصحابۃ بعد الاربعۃ رضی اللہ عنہم۔ فقال ابو منصور البغدادیؒ من اکابر الحنفیۃ اجمع اہل السنۃ والجماعۃ علی ان افضل الصحابۃ ابوبکر فعمر فعثمان فعلی فبقیۃ العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ فاہل بدر فباقی اہل الاُحد فباقی اہل بیعۃ الرضوان بالحدیبیۃ فباقی الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۱۹ تفضیل سائر الصحابۃ بعد الاربعۃ) ومثلہ فی العقیدۃ الطحاویۃ ص۵۴۳ فضیلت الصحابۃ۔

جیسی ہے اور مسلمان نفرت کرنے کی وجہ سے بیزار ہوتے ہیں، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:۔** اگر تو اس سے متکلم کا مقصود توہین اور استخفاف مقصود ہے جو اکثر فقہاء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور اسلام اور اہل اسلام کی ایک شناخت ہے تو اس پر کفر کا شدید خطرہ ہے اس لیے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب کسی عمل کا سنت نبوی ہونا ثابت ہو جائے کہ یہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا کرنے کو فرمایا ہے تو اس کا استخفاف اور توہین کرنا موجب کفر ہے، تاہم اگر یہ قول طبعی نفرت سے کہا گیا ہو تو اگرچہ خلاف واقعہ ہے مگر موجب کفر نہیں لیکن ایسے کلمات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

ما قال فی الخلاصۃ: ولو قال این چہ رسم است سبلت پست کردن و دستار در زیر گلو آوردن۔ (ترجمہ) معناہ اعادۃ تقصیر الشارب وادخال الطیلسان تحت الرقبۃ فان قال ذلک علی سبیل الطعن فی سنۃ رسول اللہ فقد کفر کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیۃ ج۲ ص۲۶۵ الباب التاسع فی احکام المرتدین) ؎

**تکفیر مسلم میں احتیاط ضروری ہے**

**سوال:۔** بعض لوگ جوش میں آ کر اللہ تعالیٰ کی شان میں یوں کہنا کہ "اللہ تعالیٰ بھی غریب ہو گیا ہے" تو ایسے کلمات کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:۔** واضح رہے کہ مذکورہ الفاظ انتہائی خطرناک ہیں جن سے ایمان زائل ہونے کا اندیشہ ہے تاہم بعید احتمالات کے امکان کی وجہ سے اس پر بصورت یقین کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے اس لیے کہ تکفیر مسلم میں احتیاط نہایت ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ ثم لو نیتہ ذلک فمسلم

---

؎ قال العلامۃ ابن البزاز الکردری: والحاصل انہ اذا استخف بسنۃ او حدیث من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر۔ (الفتاوی البزازیۃ علی هامش الهندیۃ ج۶ ص۳۲۲ کتاب الفاظ تکون اسلاما وکفرا وخطأ۔ الفصل الثالث فی الانبیاء)

ومثلہ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۲ بحث فی ان الکبیرۃ لا تخرج المؤمن عن الایمان۔

والآخر یمنعہ حمل المفتی علی خلافہ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴ باب المرتد)[1]

## فقہ حنفی کو معتزلہ کی تصنیف کہنے والے پر توبہ لازم ہے

سوال:- ایک بار زید نے "علم فقہ" کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ علم فقہ دریائے دجلہ میں غرقاب ہو گیا ہے اور موجودہ فقہ حنفی معتزلہ کی لکھی ہوئی ہے، زید پر ازروئے شریعت عقیدہ مذکورہ کی بنا پر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

الجواب:- زید کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک جاہل قسم کا غیر مقلد ہے اور اس کی یہ بات غلط اور سراسر جہالت پر مبنی ہے، کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ ہدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، فتاویٰ قاضی خان، بزازیہ اور مبسوط کیا یہ سب معتزلہ کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں؟ زید کو اگر اتنا علم نہیں کہ موجودہ فقہ کی اصلیت معلوم کر سکے تو آخر یہ ذمہ داری اس پر کہاں سے عائد ہو گئی ہے کہ تمام فقہاء اسلام کی تصانیف فقہ کو یک جنبش زبان سے معتزلہ کی تصانیف قرار دیدے، زید کو اس عقیدہ سے توبہ کرنا ضروری ہے ورنہ خدانخواستہ اس کی یہ بیباکی اس کے خسران کا باعث نہ بن جائے۔

## حدیث نبوی کے منکر کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا

سوال:- اگر کوئی شخص صحیح حدیث کے ماننے سے انکار کرے اور یوں کہے کہ میں فلاں فلاں حدیث کو نہیں مانتا، تو ازروئے شریعت اس پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب:- واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دراصل وحی الٰہی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۃ النجم ع ۱) اس لیے حدیث نبوی سے انکار موجب ضلالت ہے، اگر عقیدتاً حقارت کی بنیاد پر حدیث کو ٹھکرا دیا جائے تو محض اس کی وجہ سے منکر کافر ہو جاتا ہے۔

---

[1] قال العلامۃ ابن بزاز الکردری: اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر ووجہ واحد یمنعہ یمیل العالم الی ما یمنع الکفر ولا یرجح الوجوہ علی الوجہ ... الخ (الفتاویٰ البزازیۃ علی هامش الهندیۃ ج ۶ ص ۳۲۱ الثانی فیما یکون کفرا من المسلم)

ومثلہ فی مرقاۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۳ الفصل الاول

لا في البهندية ، ومن انكر المتواتر فقد كفر ومن انكر المشهور يكفر عند البعض وقال عيسى بن ابان: يُضلل ولا يكفر وهو الصحيح ، ومن انكر خبر الواحد غير انه يأثم بترك القبول هكذا في الظهيرية (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۵ الباب تبع احكام المرتدين)

## توسل بالصالحین جائز ہے

سوال:۔ کسی نبی یا ولی کے توسل سے دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسئلہ توسل خواہ بالاحیاء ہو یا بالاموات اسی طرح ذوات سے ہو یا اعمال سے بہرحال جائز ہے بلکہ ادعیٰ مقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے کہ اس کی حقیقت اور مرجع توسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو تیری خصوصی رحمت ہے اس کے توسط اور وساطت سے دعا کرتا ہوں یا اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں، اس کی مشروعیت قرآنی آیات، احادیث نبوی اور سلف صالحین کے اقوال و افعال سے ثابت ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے توسل سے دعا مانگنا اور اس کا قبول ہونا قرآن پاک میں مذکور ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صغار مہاجرین کے وسیلہ سے فتح یابی کی دعا کیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قحط سالی میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے باران رحمت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا صحیح احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے توسل سے مانگی ہوئی دعا کا اللہ تعالیٰ پر قبول کرنے کو واجب قرار دینا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے اس لیے اس قسم کے اعتقاد سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ ۳۵)

قال محمد بن الخطیبؒ ، عن امیة بن خالد بن عبد اللہ بن اسید رضی اللہ عنہ

---

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ ، وفی المحیط من قال لفقیہ یذکر شیئاً من العلم او یروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لا موضوعاً هذا لیس بشیء ...... کفر۔

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۳ فصل فی العلم والعلماء)

ومثلہ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۳۲ احکام المرتد۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین۔ رواہ فی شرح السنۃ۔ (مشکوٰۃ ص۴۴۷ باب فضل الفقراء۔ فصل الثانی) لہ

**معتوہ کے ارتداد کا حکم**

سوال: میرا ایک دوست گوناں گوں مسائل کی وجہ سے پاگل ہو چکا ہے۔ اس حالت میں کبھی کبھار اس کے منہ سے کفریہ کلمات بھی نکل جاتے ہیں، ایک بار انتہائی مغلوک الحالی کے عالم میں اس نے کہا کہ "مجھے اپنے رب سے نفرت ہے جس نے مجھے اس مصیبت اور تکلیف میں ڈال دیا ہے"۔ چند دن بعد بھی اسی حالت میں اس نے کہا "میں خدا کی اس بے انصافی پر احتجاج کرتا ہوں جو میرے ساتھ کر رہا ہے"۔ شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کلمات کی وجہ سے وہ مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کی حالت کے پیش نظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص معتوہ ہے جس کی بعض باتیں دیوانوں اور مجانین کی سی ہیں اور بعض باتیں صحیح العقل آدمی کی باتوں سے مشابہ ہیں۔ ایسے شخص کو فقہاء اور علم اصول کی اصطلاح میں معتوہ کہا جاتا ہے اور معتوہ شخص صبی عاقل کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔

قال العلامۃ الحسامیؒ: واما العتہ وھو اختلال العقل بحیث یختلط کلامہ فیشبہ کلام العقلاء مرۃ وکلام المجانین مرۃ اخریٰ قال الاخسیکثی واما العتہ بعد البلوغ فمثل الصبا مع العقل فیمنع العھدۃ۔ (الحسامی ص۱۶۱ القیاس [illegible])

اب ارتداد کے بارے میں جو حکم صبی عاقل کا ہے وہ اس کا بھی ہوگا اور صبی عاقل کا ارتداد امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ہی اس پر ارتداد کے احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہے اور اس پر ارتداد کے

---

لہ تائید فی الحدیث: وعن انس رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیک صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔
(مشکوٰۃ ص۱۳۲ باب الاستسقاء الفصل الثالث)

ومثلہ فی فتح الباری شرح البخاری ج۲ ص۴۱۶ فی باب تحویل الرداء فی الاستسقاء۔

کروانا یا ان کو قصاص ادا کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ : وفی عمدة النسفیؒ ومن تاب عن کبیرة صحت توبته مع الاصرار علی کبیرة اخری ولا یعاقب بها علی الکبیرة التی تاب۔

(شرح الفقه الاکبر ص۱۵۶ مطلب یجب معرفة المکفرات)

قال العلامة فخر الدین الرازیؒ : دلت الآیة علی ان التوبة من کل ذنب مقبولة وقول من قال التوبة غیر مقبولة خطاء لان الشرک اشد من القتل فاذا قبل الله توبة الکافر فمقبولة توبة القاتل۔ (تفسیر کبیر ج۳ ص۱۷۰ سورة البقرة۔ المسألة الثالثة)[1]

## کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا گویا تمام لوگوں کو قتل کرنا ہے

سوال :- کسی مسلمان کو بلا وجہ قتل کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنا ایک عظیم گناہ اور بدترین جرم ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (سورة المائدہ آیت ۳۲) (ترجمہ) "جس نے کسی شخص کو ناحق بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا"

لیکن با ایں ہمہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کو حلال جان کر قتل نہ کیا گیا ہو تو قاتل کافر نہیں ہوتا ہے البتہ بہت بڑا گنہگار اور مجرم ضرور ٹھہرے گا اور اگر مسلمان کے قتل کو حلال سمجھ کر کیا گیا ہو تو یقیناً اس سے قاتل کافر ہوجاتا ہے کیونکہ

---

[1] قال العلامة التفتازانیؒ فی المبحث الثانی عشر اتفقت الامة ونطق الکتاب والسنة بان الله تعالیٰ عفو غفور یعفو عن الصغائر مطلقاً وعن الکبائر بعد التوبة۔ (شرح المقاصد ج۲ ص۲۳۵)

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : اتفق الائمة کما فی رحمة الامة علی ان لا یخلد فی النار وتصح توبته من القتل۔

(اعلاء السنن ج۱۸ ص۳ کتاب الجنایات باب وجوب القصاص الخ)

ومثله فی مرقاة المصابیح ج۷ ص۲ کتاب القصاص الفصل الثانی

ہو سکتے ہیں یا کہ صرف حقوق اللہ معاف ہی معاف ہوں گے اور حقوق العباد ذمے پر باقی رہیں گے؟

الجواب: توبہ اگر اپنی پوری شرائط سے ہو تو امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر اپنے سارے حقوق معاف فرما دیں۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: فاما وقوع قبولها شرعاً هو مرجو غير مقطوع۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۵ التوبۃ وشرائطہا)

البتہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ حقوق العباد حقوق کی ادائیگی سے معاف ہوتے ہیں یا خود صاحب حق بطیب خاطر معاف کر دے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: وان کانت مما یتعلق بالعباد فان کانت من مظالم الاموال فتتوقف صحة التوبة منه مع ما قدمناه فی حقوق الله تعالی علی الخروج عن عهدة الاموال وارضاء الخصم فی الحال والاستقبال بان یتحلل منهم او یردها الیهم او الی من یقوم مقامهم من وکیل او وارث الخ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۵۸ المطلب یجب تقدیم التوبۃ ...)

## والدین کے نافرمان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی

سوال: والدین کو زد و کوب کرنے اور گالیاں دینے والے کے بارے میں شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ جب تک والدین اس سے ناراض ہوں تو بیٹے کی کوئی عبادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، اس فعل بد سے توبہ کرنا اور والدین کو راضی کرنا نہایت ضروری ہے، اور جب تک وہ اپنے اس فعل بد سے توبہ نہ کرے تو والدین سے عاق رہے گا اور عاق والدین کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں

---

[1] عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدواوین ثلاثة ... الا الاشراك بالله یقول الله عز وجل ان الله لا یغفر ان یشرك به ودیوان لا یترکه الله ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض الخ ... قال الملا علی القاری تحت حدیث اخرجه فیه اشعار بانه ... اشعار لا عفو ولا ... فی حقوق العباد الا ان شاء الله یرضی ... بما اراد۔

(مرقاۃ المصابیح ج۹ ص۸۵ کتاب الآداب الفصل الثالث)

ہوں اور نہ وہ جنت میں جا سکتا ہے ۔ احادیث نبوی میں والدین کے نافرمان کی سزائیں بیان ہو چکی ہیں۔ [1]

لما ورد فی الحدیث: عن ابی امامۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل اللہ عزوجل منہم صرفاً ولا عدلاً: عاق ومنان ومکذب بقدر۔ رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ باسناد حسن۔ (الترغیب والترہیب ج۳ ص۲۲۸) [1]

## شبِ معراج رؤیتِ باری تعالیٰ کے عقیدہ کی وضاحت

**سوال:** کیا لیلۃ الاسریٰ (شبِ معراج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے یا کہ دل کی آنکھوں سے؟ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان فرمادیں؟

**الجواب:** لیلۃ الاسریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیتِ باری تعالیٰ کی کیفیت کے بارے میں عہدِ صحابہؓ ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ عدمِ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں جبکہ ابن عباسؓ ، کعبؓ و حسنؓ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں ، قائلین رؤیتِ باری تعالیٰ کا آپس میں پھر اختلاف ہے ان میں سے بعض رؤیتِ بصری کے قائل ہیں اور بعض رؤیتِ قلبی کے قائل ہیں۔ فذہب جماعۃ الی انہ رأی ربہ بقلبہ دون عینیہ وذہب جماعۃ الی انہ رآہ بعینیہ۔ (مرقاۃ ج۱۰ ص۲۴۹) اول الذکر قول کو علماء کرام نے ترجیح دی ہے۔ [2]

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: وعلی ہذا رأی بقلبہ ربہ رؤیۃ صحیحۃ وہو ان اللہ تعالیٰ جعل بصرہ فی فؤادہ او خلق لفؤادہ بصراً حتی رأی ربہ رؤیۃ صحیحۃ کما یری بالعین قلت وہذا قول حسن وجہ مستحسن یمکن بہ الجمع بین متفرقات الاقوال۔ (مرقاۃ علی المشکوٰۃ ج۱۰ ص۲۴۹) [3]

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: ایسا شخص فاسق و ظالم و عاق والدین ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی شان مقدس میں کوئی کلمہ نسبت ظلم کا کہنا کفر و ارتداد ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۲ ص۳۶۶ احکام المرتد)

[2] قال العلامۃ النوویؒ: واعلم ان فی ہذہ المسئلۃ کان کثیرۃ وکذا اختلف السلف فیہا الخ ویؤید حدیث ابن عباسؓ۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۹۷) (وکذا فی الیواقیت للشعرانی ج۱ ص۱۶۸)

[3] قال العلامۃ التفتازانیؒ: وما قال بعض السلف من وقوع الرؤیۃ بالبصر لیلۃ المعراج فالجمہور علی خلافہ وقد روی انہ سئل ہل رأیت ربک فقال رأیت ربی بفؤادی۔ (شرح المقاصد ج۲ ص۲۲۰)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود پڑھنے کو دم کہنا

**سوال:-** ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ درود پڑھنے کو دُم یا کلنک سے تعبیر کیا کہ محمدؐ کے ساتھ درود پڑھنا (دُم) لگانے کے مترادف ہے از روئے شرع ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:-** اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ پیارے امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کی عزت، عظمت اور اتباع اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے اور آپ کی عزت و عظمت اور احترام نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے مشروع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

وقال العلامة ابن عابدين: بان المقصود من الصلوٰة عليه صلى الله عليه وسلم تعظيمه۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۵۲) — اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہیں کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام پڑھو۔ اسی طرح درود نہ پڑھنے والے کے متعلق احادیث میں کثرت سے وعیدات وارد ہوئی ہیں، علامہ ابن عابدینؒ نے رد المحتار میں وہ تمام احادیث نقل کی ہیں۔ مستدرک کی روایت ہے: عن كعب بن عجرة ... لمبی حدیث ہے اس کا ایک جملہ یہ ہے: فلما رقيت الثانية قال جبريل بعد من ذكرت عنده فلم يصل عليك فقلت آمين (الحديث) کہ جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اس کے لیے جبرئیلؑ نے بددعا کی اور حضور انورؐ نے اس پر آمین کہی۔ دوسری روایت میں "رغم انف رجل ذكرت عنده فلم يصل عليك" کے الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں فرمایا: "شقي عبد ذكرت عنده فلم يصل عليك"۔ علامہ سیوطیؒ نے "جامع صغیر" میں ایک روایت بایں الفاظ نقل کی ہے: "من الجفاء ان اذكر عند الرجل فلا يصلي علي" ان تمام احادیث اور قرآنی آیات کے پیش نظر فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود پڑھنا فرض ہے، اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو مذہب صحیح کی رو سے آپ پر پڑھنا واجب ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے۔

اور بھی جتنا زیادہ ممکن ہو پڑھنا مستحب ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ورجحه فی البحر بأحادیث الوعید کرغم وإبعاد وشقاء وبخل وجفاء ثم قلتکون فرضًا فی العمر وواجبا کلما ذکر علی الصحیح وحراما عند الفتح الشاع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۳۴۲)

ان تمام نصوص سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف ایک امر مشروع ہے اور فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ شریعت کے کسی امر کی توہین اور استخفاف کرنا موجب کفر ہے، درود شریف بھی ایک امر مشروع ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا یا اسے دین میں معتبر چیز نہ سمجھنا یا استخفاف کرنا موجب کفر ہے۔

لما فی الهندیة: سألت صدر الاسلام جمال الدین عمن قرأ حدیثا من احادیث النبی صلی الله علیه وسلم فقال رجل " همه روز غلشها خوانند" قال ان اضاف ذلک الی القاری لا الی النبی صلی الله علیه وسلم ینظر ان حدیثا ان کان حدیثا یتعلق بالدین واحکام الشرع یکفر وان کان حدیثا لا یتعلق به لا یکفر وتحمل مقالته علی ان الادته قراءة غیره اولی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص۲۶۹ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

## معراج نبوی سے انکار کرنا

سوال:۔ ایک شخص معراج نبوی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر جانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور موجود ہوتا ہے، شرعاً ایسے شخص پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور معجزہ کے اور انتہائی زیادہ اعزاز واکرام

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: واذا روی رجل حدیثا عن النبی صلی الله علیه وسلم ورده آخر قال بعض مشائخنا انه یکفر ومن المتأخرین من قال ان کان متواترا یکفر وکذلک لو قال بطریق الاستخفاف سمعناه کثیرا یکفر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص۳۸۱ کتاب احکام المرتدین)

ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص۲۲۳ باب احکام المرتدین۔

سے نوازنے کے لیے اپنے دربارِ خاص میں بلاکر اپنے ساتھ ہمکلامی کا شرف بخشا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ حضرت جبرئیلؑ کے ہمراہ بُراق پر سوار ہو کر سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے، آپ وہاں پر بُراق سے اُترے اور اسے دروازہ کے پاس حلقے کے ساتھ باندھا اور پھر تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی پھر یہاں سے آپؐ کو پہلے آسمان، دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ ساتوں آسمان، عرش وکرسی، جنت وجہنم کی سیر کرائی گئی، اسی کو معراج کہا جاتا ہے، اور یہ حق اور ثابت ہے کہ معراج کا کچھ حصہ من المسجدِ الحرام الی المسجد الاقصیٰ قطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآنِ پاک آیتِ کریمہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (سورۃ الاسراء آیت ۱) سے ہے اس کا منکر کافر اور مرتد ہے، اور پھر بیت المقدس سے اوپر آسمانوں تک کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے لہٰذا اس کا منکر اگرچہ کافر تو نہیں مگر فاسق وفاجر اور ضال ومبتدع ضرور ہے؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ شریفہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نبیوں کی حقانیت اور ان کے دشمنوں کو عاجز اور ذلیل ورسوا کرنے کے لیے اپنے ان نیک بندوں کے ہاتھوں ایسے افعال صادر فرماتا ہے کہ جن کے کرنے سے تمام لوگ عاجز ہوتے ہیں اور اس کو کر نہیں سکتے اس کو معجزہ کہتے ہیں، تو واقعہ معراج بھی من جملہ معجزات سے ہے لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ بے جا، بے محل اور ناقابلِ التفات ہے، پھر تو نعوذ باللہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کیوں بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سابقین میں امتیازی شان کیوں بخشی؟ نعوذ بك من شر الوسواس الخناس۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: وفی الخلاصة من انکر المعراج ینظر ان انکر الاسراء من مکة الی بیت المقدس فهو کافر ولو انکر المعراج من بیت المقدس لا یکفر۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۳۴ بحث فی ان المعراج حق)

---

[له] قال فی النبراس: فالاسراء وهو من المسجد الحرام الی بیت المقدس قطعی ای یقینی ثبت بالکتاب ای القرآن والسنة و یکفر منکره والمعراج من الارض الی السماء مشهور ای ثبت بالحدیث المشهورة فلا یکفر منکره بل تفسق ومن السماء الی الجنة او العرش او غیر ذلك احاد ای مروی غیر الآحاد یاثم منکره۔ (النبراس ص۲۴۳ سورة الاسراء)

ومثله فی شرح العقیدة الطحاویة ص۲۳۵ تحت قوله والمعراج حق الی آخره۔

## قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارہ میں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمانوں سے نزول فرمائیں گے تو بحیثیت پیغمبر نزول فرمائیں گے یا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کی حیثیت سے؟

الجواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور قیامت کے قریب ان کا نازل ہونا اور پھر متبع شریعتِ محمدی ہو کر کچھ عرصہ اس دنیا میں رہنا اُمتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے، قرآنی آیات اور احادیث متواتر المعنیٰ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی حیثیت یقیناً نبی اور پیغمبر کی ہوگی، انبیاء سابقین کی طرح آپ پر اللہ کی طرف سے وحی بھی ہوگی، اس کے باوجود آپ شریعتِ محمدی کے تابع ہوں گے البتہ یہ وحی شریعتِ محمدی کو بدلنے کے لیے نہیں ہوگی بلکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ضروری احکام ہوں گے۔ لہٰذا آپ نزول کے بعد دو صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ایک شانِ نبوت اور دوسرا شانِ امتِ محمدیہ، لیکن آپ کی یہ شانِ نبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہوگی، اس لیے کہ ختمِ نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی منصبِ نبوت سے نہیں نوازا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بن کر آئے تھے۔

لما قال الامام فخر الدین الرازیؒ تحت قوله تعالیٰ: وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ای قبل موت عیسیٰ والمراد ان اهل الکتاب الذین یکونون موجودین فی زمان نزوله لا بد ان یؤمنوا به، قال بعض المتکلمین انه لا یمنع نزوله من السماء الی الدنیا الا انه انما ینزل عند ارتفاع التکالیف او بحیث لا یعرف اذ لو نزل مع بقاء التکالیف علی وجه یعرف انه عیسیٰ علیه السلام لکان اما ان یکون نبیا ولا نبی بعد محمد صلی الله علیه وسلم او غیر نبی وذلک غیر جائز علی الانبیاء وهذا اشکال عندی ضعیف لان انتهاء الانبیاء الی مبعث محمد صلی الله علیه وسلم فعند مبعثه انتهت تلک المدة فلا یبعد ان یصیر بعد نزوله تبعا لمحمد صلی الله علیه وسلم۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ ص۱۰۳، سورۃ النساء آیت ۱۵۹) لـه

---

لـه قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: ولنا الایمان بنبینا علیه السلام فیجب بانه رسولنا فی الحال وختم الانبیاء والرسل فاذا آمن بانه رسول ولم یؤمن بانه خاتم الرسل لا نسخ لدینه الی یوم القیامة لا یکون مؤمنا وعیسیٰ علیه السلام ینزل الی الناس یدعوا الی شریعته وما اتی لامته الا دینه۔ (البزازیه علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۲۲) [illegible] بها صاحب الکتاب [illegible] ــــ (و مثله فی شرح الفقه الاکبر ص۱۱۳)

## میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جانے کی صورت میں قبر کا عذاب و ثواب

سوال:- [illegible] آدمی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے یا پانی میں ڈوب کر ریزہ ریزہ ہو جائے یا اس کو کوئی درندہ کھا جائے تو کیا اس آدمی کو بھی قبر کا ثواب و عذاب ہوگا یا نہیں؟ اور اس ثواب و عذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟

الجواب:- عالم برزخ کا عذاب و ثواب متعدد آیات اور احادیث سے ثابت ہے جن اموات کے اجسام مذکورہ بالا طریقہ سے بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور بظاہر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ان کو بھی جزا و سزا ملتی ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، بہرحال جزا اور سزا روح اور جسم دونوں کو ملتی ہے اور یہی اصح قول ہے۔ عالم برزخ میں روح کا جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق اور ربط ہوتا ہے جس سے روح کو ملنے والی جزا و سزا سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور جو تکلیف یا راحت روح کو ملتی ہے باقاعدہ جسم بھی اسے محسوس کرتا ہے خواہ جسم کے اجزاء ریزہ ریزہ ہو کر بظاہر بالکل ہی نیست و نابود کیوں نہ ہو جائیں۔

قال الامام ابو حنیفة رحمه الله: وضغطة القبر حق وعذابه حق كائن للكفار كلهم ولبعض المسلمين.

وقال ملا علي القاري رحمه الله في شرحه: واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم ويتلذذ. (شرح الفقه الاكبر ص۱۲۲ في ان عذاب القبر حق) [1]

---

[1] وقال العلامة ابن ابي العز الحنفي رحمه الله: وقد تواترت الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثبوت عذاب القبر ونعيمه لمن كان لذلك اهلاً وسؤال الملكين فيجب اعتقاد ثبوت ذلك والايمان به ولا نتكلم في كيفيته [illegible] وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به. واعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبه منه قبر او لم يقبر اكلته السباع او احترق حتى صار رماداً ونسف في الهواء او صلب او غرق في البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب ما يصل الى المقبور.

(شرح العقيدة الطحاوية ص۴۵۰-۴۵۱ الايمان بعذاب القبر)

ومثله في شرح العقائد النسفية ص۹۹ [illegible] عذاب القبر.

## زیارتِ قبور کے موقع پر بعض غیر شرعی رسوم کا ذکر

سوال :۔ بعض مزارات پر کئی عجیب و غریب افعال دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً صاحبِ قبر سے مدد مانگنا، وہاں سے نمک لیکر کھانا اور چھوٹے چھوٹے مٹیلے بنانا وغیرہ۔ شرعاً ان افعال کی کیا حیثیت ہے ؟

**الجواب :۔** غیر اللہ کو اپنی حاجات میں غائبانہ پکارنا اور اس سے مافوق الاسباب امداد طلب کرنا حرام اور امورِ شرکیہ میں سے ہے جیسا کہ عام نصوصِ قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے، اسی طرح صاحبِ مزارات کے نام پر نذر و نیاز دینا حرام اور شرک ہے اور اس عقیدہ کے تحت وہاں سے نمک لے کر کھانا اور چھوٹے چھوٹے مٹیلے بنانا وغیرہ ناجائز و حرام ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۶)

لما ورد فی الحدیث : وعن جابرؓ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ (المشکوٰۃ ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

وقال العلامۃ الحصکفیؒ : واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھو بالاجماع باطل حرام ما لم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۹ کتاب الصوم) [1]

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰۶)

وَعَنْ ابی الھیاج قال قال لی علیؓ الا ابعثک علی ما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۵۱ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ

## اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے

سوال:۔ کیا اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے؟ اور کیا آئے دن کے تمام جدید مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے؟

الجواب:۔ مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) عالمگیر بھی ہے اور احوال گیر بھی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلام نے رہبری اور راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ اسلامی نظام معاشرتی، معاشی اور اقتصادیات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، اسلام میں صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پوری انسانیت کے لیے فلاح اور بہبود کا پیغام ہے بلکہ تمام کے حقوق اور ان کی پاسداری کا لحاظ اسلام میں موجود ہے" نیز دین وشریعتِ محمدی کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے، البتہ ہم چونکہ ناقص العقل ہیں اس لیے بہت سی باتیں ہمیں ماوراء العقل نظر آتی ہیں اس میں خامی ہماری ناقص اور کمزور عقل کی ہے نہ کہ دینِ اسلام کی۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (سورۃ الزمر ۲۷، ۲۸)

وقال ایضاً: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. (المائدہ ۳)

وقال ایضاً: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (سورۃ النحل آیت ۸۹)[1]

---

[1] وفی الحدیث: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: من اراد العلم فعلیہ بالقرآن فان فیہ خبر الاولین والآخرین۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہ۔ وقال ایضاً: انزل فی هذا القرآن کل علم وبین لنا فیہ کل شیء، ولکن علمنا یقصر عما بین لنا فی القرآن۔ (رواہ ابن جریر وابن حاتم فی تفسیرھما) وقال: اذا احدثتکم بحدیث انبأتکم بتصدیقہ من کتاب۔ (رواہ ابن ابی حاتم) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستکون فتنۃ قیل وما المخرج منها؟ قال کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم (الجامع الترمذی ج۲ ص۱۱۴ باب ماجاء فی فضل القرآن)

ومثلہ فی نزول عیسیٰ بن مریم للامام جلال الدین سیوطی ص ۳۰، ۳۱۔

## قرآن پاک کے متعلق تبدیلی کا عقیدہ رکھنا

**سوال:-** جو قرآن مجید اس وقت مسلمانوں کے پاس موجود ہے کیا یہ وہی قرآن مجید ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے وقت چھوڑ گئے تھے یا اس میں کوئی تبدیلی وغیرہ آچکی ہے؟

**الجواب:-** امت مسلمہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو قرآن مجید اس وقت ہمارے پاس موجود ہے یہ بعینہ وہی قرآن ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ۲۳ سال میں اتارا گیا تھا اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ قیامت تک آئے گی حتی کہ اس کا ہر لفظ بھی اسی طرح محفوظ ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر اب تک ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گا، اس لیے کہ قرآن مجید کا ہر حرف حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، تمام فقہاء کرام اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص قرآن مجید میں تغیر و تبدل کا قائل ہو وہ بلاشک و شبہ کافر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

قال الله تعالى: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورة الحجر آیت ۹)

وقال ايضاً: قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (سورة الزمر آیت ۲۸ پ۲۳)

وقال العلامة عماد الدين ابن كثير: تحت قوله تعالى: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ثم قرر تعالى انه هو الذي انزل عليه الذكر وهو القرآن وهو الحافظ له من التغيير والتبديل۔ (تفسير ابن كثير ج۲ ص۵۴۷ سورة الحجر پ۱۴ آیت ۹) اھ

---

لما قال العلامة ابو عبد الله احمد القرطبي: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ يعني القرآن وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ من ان يزاد فيه او ينقص منه قال قتادة وثابت البناني حفظه الله من ان تزيد فيه الشياطين باطلاً او تنقص منه حقاً فتولى سبحانه حفظه فلم يزل محفوظاً۔

(الجامع لاحكام القرآن ج۱۰ ص۵ پ۱۴ سورة الحجر آیت ۹)

ومثله في شرح الفقه الاكبر ص۱۶۷ فصل فيما يتعلق بالقرآن.

## کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

سوال:- اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کفار بھی کفر و شرک کی سزا دوزخ میں بھگت کر جنت میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ ایک شخص نے کفر و شرک ۶۰/۷۰ سال تک کیا اور اس پر عذاب دائمی ہونا ظلم ہے، سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیئے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس دنیا سے کفر و شرک کی حالت میں مر گیا اور موت آنے تک اس کو اسلام کی دولت نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم (دوزخ) میں رہے گا اور کبھی بھی اس کو وہاں سے چھٹکارا نہیں ملے گا، قرآن مجید کی بیشمار آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً اس عقیدہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اس ابدی عذاب کی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں، ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه۔ (سورۃ الانعام آیت ۲۸) "کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ لوٹا دیا جائے دنیا میں تو یہ لوگ پھر کفر و شرک کی طرف لوٹ آئیں گے"۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ اگر اس شخص کو ابدی زندگی دے دی جائے تو یہ ابدی کفر و شرک سے باز نہیں آئے گا، پس اس کا کفر و شرک بھی ابدی ہے اور سزا بھی ابدی ہوگی۔ لہٰذا جو شخص ناقص عقلی دلائل کے بل بوتے پر اس عقیدہ سے منحرف ہو جائے تو وہ دینِ محمدی سے خارج ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ

(سورۃ النساء آیت ۵۶)

وقال اللہ تعالیٰ ایضاً: وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ۔ (سورۃ ابراهیم آیت ۱۷)

وفی موضع آخر: قال إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۷۴)

وقال اللہ تعالیٰ: قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا۔ (سورۃ الزمر ۷۲)

وقال اللہ تعالیٰ : وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۔ (سورۃ فاطر آیت ۳۶) [1]

## رمضان المبارک میں فوت ہونے والے گنہگار مسلمان کے لیے عذاب قبر میں تخفیف

**سوال :۔** اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں فوت ہو جائے تو اس سے قیامت تک عذاب قبر مرتفع ہوگا یا صرف رمضان المبارک میں ہی تخفیف ہوگی اور پھر غیر رمضان میں عذاب ہوگا یا نہیں ؟

**الجواب :۔** حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جب رمضان المبارک شروع ہو جائے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گنہگار مسلمان رمضان شریف میں فوت ہو جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے (ردالمحتار جـ آخر باب الجمعہ میں) لکھا ہے کہ اگر کوئی گنہگار مسلمان رمضان المبارک میں یا (غیر رمضان میں) جمعہ کے دن فوت ہو جائے تو وہ قیامت تک عذاب قبر سے محفوظ و مامون رہے گا، البتہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا صرف جمعہ کے دن اور رمضان شریف میں اس سے عذاب ہلکا ہوگا، البتہ بعض نے

---

[1] وقال العلامۃ تفتازانی رحمہ اللہ :۔ والجنۃ والنار حق وهما مخلوقتان موجودتان باقيتان لا تفنيان ولا يفنى اهلها ۔ اى دائمتان لا يطرء عليهما عدم مستمر لقوله تعالیٰ فى حق الفريقين خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔ واما ما قيل من انهما تهلكان ولو لحظة تحقيقاً ۔ لقوله تعالیٰ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ فلا ينافى البقاء بهذا المعنىٰ لانك قد عرفت انه لا دلالة فى الاٰية على الفناء وذهبت الجهمية الى انهما تفنيان ويفنى اهلها وهو قول المخالف للكتاب والسنة والاجماع ليس عليه شبهة فضلاً عن حجة ۔ (شرح العقائد صـ ۸۲ الجنة والنار)

وَمِثْلُهٗ فى شرح الفقه الاكبر صـ ۹۸، ۹۹ الجنة والنار مخلوقتان ۔

وكذا فى شرح العقيدة الطحاوية صـ ۴۸۳ الجنة والنار ۔

اس قول کو کر "عاصی تا قیامت عذابِ قبر سے مامون رہے گا" مرجوح قرار دیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث ، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جھنم الخ۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۳ کتاب الصوم) [1]

## کلّ شیٔ ھالک الا وجہہ وکلّ نفسٍ ذائقۃ الموت میں ہلاکت وموت کی تفصیل

سوال :۔ کیا کل شیٔ ھالک میں جنت، جہنم اور پل صراط داخل ہیں یا نہیں؟ اسی طرح کل نفسٍ ذائقۃ الموت میں حاملینِ عرش اور مقرب فرشتے داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب :۔ قرآن مجید کی آیت مبارکہ کل شیٔ ھالک الا وجہہ کی تفسیر میں متکلمین ومفسرین کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے الفاظ کے عموم اور ظاہر کو دیکھ کر سب پر فناء ہونے کا حکم لگایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام موجودات پر ہلاکت طاری ہوگی حتیٰ کہ جنت، دوزخ وغیرہ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات باقی اور دائمی رہے گی، البتہ جنت جہنم کے لیے یہ ہلاکت تھوڑی دیر ہوگی دائمی فناء نہ ہوگا، اس لیے کہ ہلاکت دائمی فناء کو مستلزم نہیں اور یہ تھوڑی دیر کے لیے فناء ہوجانا قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کل شیٔ ھالک الا وجہہ کی تحقق کے لیے ہوگا، جیسا کہ جہنم کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کے تحت مفسرین لکھتے ہیں کہ ہر نیک وبد کو اس پر سے گذرنا پڑے گا لیکن نیک آدمی کے لیے

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ ، وضغطۃ القبر حق ان کان کافرًا فعذابہ یدوم الٰی یوم القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعۃ وشھر رمضان ........ والعاصی یعذب ویضغط لکن ینقطع عنہ العذاب یوم الجمعۃ ولیلتھا ثم لا یعود وان مات یومھا اولیلتھا یکون العذاب ساعۃ واحدۃ وضغطۃ ثم لا یعود۔
(رد المحتار ج ۱ ص۸۳۸ باب الجمعۃ)
ومثلہ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۲ ضغطۃ القبر۔

صرف مرور ہوگا جہنم کی تپش اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ جبکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ چونکہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں، نصوص قرآنیہ اس پر دال ہیں کہ ان پر عدم طاری نہیں ہوگا بلکہ باقی اور دائمی رہیں گے۔ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا، أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ، وغیرہ ذلک (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳)، لہٰذا ان نصوص کی بنا پر کل شیئ اکثریت کے لیے ہے تمام اشیاء کو محیط نہ ہوگا اور جنت وجہنم اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وأوتيت من كل شيئ۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ہلاکت سے مراد موت ہے اور موت ہر ذی روح جو دنیا میں موجود ہے اس کے اعتبار سے یعنی ہر ذی روح کو موت آئے گی اور وہ فنا ہوگی۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل کی ہے: "كل حي ميت إلا وجهه"۔

علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل شیئ ھالک سے تمام وہ موجودات مراد ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فنا اور ہلاکت کا فیصلہ فرمایا، اور جنت جہنم وعرش کو باقی رکھنے کے لیے پیدا فرمایا نہ کہ فنا ہونے کے لیے، جیسے کہ قرآنی نصوص عدم فناء کی طرف مشیر ہیں لہٰذا جنت جہنم اور عرش وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اسی طرح كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ میں تمام جاندار اشیاء داخل ہیں اور فرشتے بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں، سب پر ایک مرتبہ موت طاری ہوگی اور پھر ان کی بعث ہوگی جیسے دیگر جاندار اشیاء کی بعث ہوگی۔

لما قال العلامة التفتازاني رحمه الله: الجنة والنار مخلوقتان الآن موجودتان باقيتان لا تفنيان ولا يفنى أهلهما، أي دائمتان لا يطرأ عليهما عدم مستمر لقوله تعالى في حق الفريقين: خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا [illegible] وأما ما قيل إنهما تهلكان ولو لحظة تحقيقا لقوله تعالى: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ فلا ينافي البقاء بهذا المعنى لأنك عرفت أنه لا دلالة في الآية على الفناء وذهبت الجهمية إلى أنهما تفنيان ويفنى أهلهما وهو قول مخالف

لكتاب والسنة والاجماع ۔ (شرح العقائد صلاۃ)

وقال العلامة الآلوسیؒ: وقال غیر واحد المراد بالهلاك خروج الشیٔ عن الانتفاع به المقصود منه اما بتفرق اجزائه او نحوه والمعنی كل شیٔ سیهلك ويخرج عن الانتفاع به المقصود منه الا ذاته عز وجل والظاهر انه أُريد بالشیٔ الموجود مطلقًا لا الموجود وقت النزول فقط فيؤول المعنی الی قولنا كل موجود فی وقت من الاوقات سیهلك بعد وجوده الا ذاته عز وجل فیدل ظاهر الآية علی هلاك العرش والجنة والنار والذی دل عليه الدليل عدم هلاك الآخرين وما فی الخبر ان الجنة سقفها عرش الرحمٰن ولهذا استدل بهذه الآية علی القائلين بوجود الجنة والنار الآن والمنكرين له القائلين بانهما سيوجدان يوم الجزاء ويستمران ابد الآباد واختلفوا فی الجواب عن ذلك فمنهم من قال ان كل ليست للاحاطة بل للتكثير كما فی قولك كل الناس جاء الا زيدًا اذا جاء اكثرهم حدثاني وايده ما روی عن الضحاك انه قال فی الاية كل شیٔ هالك الا الله عز وجل والعرش والجنة والنار ومنهم من قال ان المراد بالهلاك الموت والعموم باعتبار الاحياء الموجودة فی الدنيا ويؤيده ما روی عن ابن عباسؓ انه قال فی تفسير الاية كل حی ميت الا وجهه ۔ (تفسير روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۲۳ سورۃ القصص پارہ ۲۰ آیت ۸۸) ؎

---

؎ وقال الامام الرازیؒ: (تحت هذه الآية) احتجت المعتزلة به علی ان الجنة والنار غير مخلوقتين قالوا لان الآية تقتضی فناء الكل فلو كانتا مخلوقتين لفنيتا وهذا يناقض قوله تعالی فی صفة الجنة (اُكلها دائم) والجواب هذا معارض بقوله تعالی فی صفة الجنة (اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ) وفی صفة النار (وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ) ثم اما ان يحمل قوله كل شیٔ هالك علی الاكثر كقوله (وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ) او يحمل قوله اكلها دائم علی ان زمان فنائهما لما كانت قليلة بالنسبة الی زمان بقائهما لا جرم

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ)

**رؤیتِ باری تعالیٰ**

**سوال:۔** قیامت کے دن مخلوق اپنے خالق کو دیکھ سکے گی یا نہیں؟ اور اگر دیکھ سکیں تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

**الجواب:۔** اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہلِ جنت کو انکی ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرایا جائے گا، یعنی دیدارِ خداوندی سے بڑھ کر ان کو کسی اور نعمت کے ملنے سے اتنی خوشی اور مسرت نہ ہوگی۔ اور اس عقیدے پر تمام صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کا اجماع ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: واللہ تعالیٰ یُرٰی (بصیغۃ المجهول) ای ینظر الیہ بعین البصر فی الاٰخرة ای یوم القیامة ...... ویراہ المؤمنون وهم فی الجنة باعین رؤوسهم بلا تشبیه ولا کیفیة ولا کمیة. الخ

(شرح الفقہ الاکبر ص۱۱۹ بحث فی انہ تعالیٰ یریٰ فی الاٰخرة بلا کیف) [1]

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اطلق لفظ الدوام علیہ۔

(تفسیر کبیر ج۲۵/۲۶ ص۲۳ سورۃ القصص آیت ۸۸ پارہ ۲۰)

وقال الامام عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ: تحت قول اللہ تعالیٰ "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" یخبر اللہ تعالیٰ اخبارًا عامًا یعم جمیع الخلیقة بان کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کقولہ تعالیٰ: "کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" فهو تعالیٰ هو الحی الذی لا یموت والجن والانس یموتون وکذلک الملٰئکة وحملة العرش وینفرد الواحد الاحد القهار بالدیمومة والبقاء فیکون اٰخرًا کما کان اولًا۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴۴۳ سورۃ آل عمران)

ومثلہ فی شرح العقیدة الطحاویة مفصلًا ص۲۸۶ تا ۲۸۸۔

[1] وقال العلامة نجم الملة عمر النسفی رحمہ اللہ: ورؤیة اللہ تعالیٰ جائزة فی العقل واجبة فی النقل وقد ورد الدلیل السمعی بایجاب رؤیة المؤمنین اللہ تعالیٰ فی دار الاٰخرة۔

(شرح العقائد ص۴۳، ۴۴ رؤیة باری تعالیٰ)

ومثلہ فی شرح العقیدة الطحاویة ص۲۱۲ رؤیة اللہ تعالیٰ۔

## حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کا عقیدہ

سوال: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریف مسلمان تھے یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب:- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مسلمان ہونے اور نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اصل وجہ روایات میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین ماجدین دونوں مسلمان ہیں۔ یا تو بایں صورت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے ان کو زندہ کیا گیا اور دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور دین محمدی کا اقرار کر لیا، یا یہ کہ ان کی وفات زمانۂ فترت میں ہوئی ہے، لہٰذا اشاعرہ کے اصول کے مطابق "من مات ولم تبلغه الدعوة يموت ناجيًا" یعنی جو اس حالت میں مرا کہ اس کو دین الٰہی کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ ناجی ہوگا۔ اور ماتریدیہ کے نزدیک نجات کے لیے شرط یہ بھی ہے کہ کفر و شرک کا اعتقاد نہ ہو۔ اور بعض روایات سے آپ کے والدین کا کفر پر مرنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے استفسار پر فرمایا: "ابی وابوك فی النار" تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قبل از علم تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان اور جنتی ہیں۔

لہ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم قد اكرمه الله تعالى بحياة ابويه له حتى امنا به كما في حديث صححه القرطبي وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فانتفعا بالايمان بعد الموت على خلاف القاعدة اكراما للنبي صلى الله عليه وسلم كما احيا قتيل بني اسرائيل ليخبر بقاتله ..... وما قيل ان قوله تعالى: ولا تسئل

عن اصحاب الحجیج نقول فیھما لم یصح و خبر مسلم ان ابی و ابوک فی النار کان قبل علمہ ۔ (رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ باب المرتد) ملخصاً

## عذاب قبر کی کیفیت کیا ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ عذاب قبر کی کیفیت کیا ہے اور اس میں حساب و کتاب کیسا ہے اور گنہگار مسلمان کو کیسا عذاب دیا جائے گا ؟

الجواب :۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں کفار، منافقین اور بعض گنہگار مسلمان کو عذاب دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث اور تمام کتب کلام میں عذاب قبر کا ثبوت صراحتاً ملتا ہے ۔ اسی طرح ہر شخص سے مرنے کے بعد قبر میں تین سوالات پوچھے جائیں گے (۱) من ربک (۲) من نبیک (۳) ما دینک ، ہر ایک کو ان کا جواب دینا ہوگا ، جواب نہ دینے یا غلط دینے کی صورت میں قبر میں عذاب ہوگا ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی اسی کی تعلیم فرماتے تھے ۔

باقی رہی یہ بات کہ کس کو کس قسم کا عذاب ہوگا ؟ تو اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ کافر اور منافق کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہوگا اور تا قیامت دائمی ہوگا لقولہ تعالیٰ : إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ الخ اور بعض گنہگار مؤمنین کا عذاب گناہوں کے لحاظ سے مختلف ہوگا کیونکہ سزا جرم کی نوعیت کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے لیکن کافروں کے عذاب سے گنہگار مؤمنین کا

---

لہ بما قال العلامۃ محمد عبد العزیز الفرھاروی : تحت قولہ فانہ محمد بن عبد اللہ ...... ...... وردی باسانید ضعیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا ربہ فاحیاھما و آمنتا ثم رسول صلی اللہ علیہ وسلم وامنتا بہ واختار الامام الرازی انھما ماتا علی ملۃ ابرھیم علیہ السلام وان جمیع الانبیاء کرامۃ لم یعبدا بیھما وصنف الحافظ المحقق جلال الدین السیوطی رسالات فی نجات ایمانھما وایمان جمیع آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی آدم علیہ السلام وتبعہ المحققون المتأخرون ۔ (النبراس صفحہ ۲۹ نصب الامام ویکون من قریش)

عذاب بہرحال ہلکا اور آسان ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: فسألت عائشۃؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشۃؓ فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوٰۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر۔ متفق علیہ[۱]

(مشکوٰۃ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبور)

وقال ایضاً فی حدیث زید بن ثابتؓ: قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر قالوا نعوذ باللہ من عذاب القبر۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۲۵ باب اثبات عذاب القبور) ملے

## عرضِ اعمال کی تحقیق

**سوال:** کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کا پیر اور جمعرات کے دن پیش ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے بھی اپنی اپنی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، عرضِ اعمال کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں بلکہ ہر روز صبح و شام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور ان کو دیکھنے کے بعد آپ امت کیلئے دعائے مغفرت بھی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ بعض احادیث میں مزید دو اوقات پر بھی عرضِ اعمال کی تصریح ہے۔

ما قال الحافظ واخرج ابن المبارک فی الزھد من طریق سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فبذٰلک یشھد علیھم (فتح الباری ج۹ ص۸۶)

وفی المواھب مع شرحہ للعلامۃ الزرقانیؒ - (روی ابن مبارک) عبد اللہ الامام (عن

---

[۱] قال ابن ابی العز الحنفیؒ: وقد تواترت الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثبوت عذاب القبر ونعیمہ لمن کان لذٰلک اھلاً وسؤال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذٰلک والایمان بہ ولا نتکلم فی کیفیتہ الخ۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۳۹۵ الایمان بعذاب القبر)

ومثلہ فی شرح الفقہ الاکبر ص۱۰۱ ضغطۃ القبر۔

## انبیاء کرام علیہم السلام تمام امت محمدیہ سے افضل ہیں

سوال:- کیا یہ درست ہے کہ امت محمدیہ کے صاحب کرامت اولیاء کرام انبیاء سابقین سے افضل ہیں؟

الجواب:- امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کوئی ولی خواہ صاحب کرامت ہی کیوں نہ ہو کسی بھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو منصب نبوت سے نوازا ہے تو اس میں جملہ کمالات اولیاء بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں، لہٰذا کسی جزوی فضیلت کی بناء پر کسی ولی کو کسی بھی نبی سے افضل سمجھنا موجب کفر ہے۔

کما قال العلامة ابن عابدینؒ: اجمعت الأمة على ان الانبياء افضل الخليقة وان نبينا عليه السلام افضلهم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶ مطلب في عدد الانبياء والرسل عليهم الصلوٰة والسلام)[1]

## صحابہ کرامؓ سے خطاء کا سرزد ہونا عدالت کے منافی نہیں

سوال:- ایک شخص صحابہ کرامؓ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں اور ان کے ماسبق خطاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، جبکہ ایک دوسرا شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے کہ صحابہؓ سے خطائیں ہوئی ہیں جن کی انہیں سزا بھی ملے گی۔ ان دونوں میں سے شرعاً کس شخص کا عقیدہ درست اور شریعت کے موافق ہے؟

الجواب:- صحابہ کرامؓ انسان اور بشر تھے فرشتے یا انبیاء نہ تھے کہ کسی قسم کی غلطی سے معصوم و مامون رہتے، بمقتضائے بشریت اجتہادی غلطی یا کوئی لغزش ہو جانا تقویٰ اور عدالت کے منافی نہیں۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا مرتبہ

---

[1] وقال العلامة ابن ابی العز الحنفیؒ: تحت قوله ولا نفضل احدا من الاولياء على احد من الانبياء عليهم السلام ونقول نبي واحد افضل من جميع الاولياء، ثم يشير الشيخ الى الرد على الاتحادية وجهلة المتصوفة الخ (شرح العقيدة الطحاوية ص ۴۵۵ تفضيل الانبياء)

ومثله مفصلا في شرح الفقه الاكبر ص ۱۲۱ تفضيل الاولياء والصحابة۔

ہے۔ صحابۂ کرامؓ سے محبت رکھنا دین وایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض ونفرت کفر ونفاق فسوق وعصیان ہے۔ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بہتر ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی باقی تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (سورۂ آل عمران [illegible]) اور تمام امت میں افضل اور بہتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ لہٰذا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم ہستیوں کو محل نزاع بنانا فسق وضلالت ہے۔ قرآن پاک میں مقربین بارگاہ الٰہی کے لیے جن نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان کا اولین مصداق صحابۂ کرام ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (سورۂ الانفال آیت ۷۴)

اور وارد فی الحدیث: وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۳ مناقب الصحابة) [1]

## مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

سوال: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی جو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس میں دونوں طرف سے صحابۂ کرام شریک تھے تو ان میں کون حق پر تھا اور کون غلطی پر؟ اور ہمیں ان کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم اختلافات ونزاعات پیش آئے

---

[1] قال العلامة ملا علی القاری: الصحابة كلهم عدول مطلقا لظواهر الكتاب والسنة واجماع من يعتد به۔ (مرقاة ج ۵ ص ۲۵۵ مناقب الصحابة)
ومثله فی شرح الفقه الاكبر ص [illegible] الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان۔
وكذا فی اشعة اللمعات ج ۴ ص [illegible] مناقب الصحابة۔

ہیں جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ ان نزاعات کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے اور خواہش پرستی، حبِ جاہ و حبِ مال سے دور سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ نفسِ امارہ کی ذلیل خصلتیں ہیں اور ان حضرات کے نفوس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے خواہش پرستی سے مبرّا ہو گئے تھے، حبِ جاہ و حبِ مال کی آلائشوں سے آئینے کی طرح صاف و شفاف ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و بابرکت صحبت نصیب نہ ہوئی ہو وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم صحابۂ کرامؓ بشر اور انسان تھے اور ان سے مقتضائے بشریت اجتہادی خطا کا سرزد ہو جانا تقویٰ و ورع اور عدالت کے منافی نہیں لہٰذا دونوں گروہ متقی و پرہیزگار تھے اور دونوں گروہ جنت میں جائیں گے، ان کی صلح بھی حق کے لیے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لیے تھی اور ہر ایک گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا، پس جو مصیب ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جو مخطی ہے اس کے لیے ایک اجر ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطاءِ اجتہادی ہے جس پر لعن طعن کرنا بالکل جائز نہیں۔

اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہؓ کے باہمی نزاعات اور مشاجرات کے متعلق لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ سکوت اور توقف اختیار کرنا چاہیئے جہاں تک ممکن ہو زبان سے اس کا ذکر نہ کرے۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے باہمی تنازع کی کیا حقیقت تھی؟ آپؒ نے فرمایا کہ جب اس خون ریزی سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہم اپنے آپ کو اس میں کیوں ملوث کریں!

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ سے ان لڑائیوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۱) لے

---

لے قال أبو محمد علي بن أحمد [ابن حزم]: وقد صحب سعد بن أبي وقاص وعبد الله بن عمر وجماعة من الصحابة التوقف في علي وأهل الجمل وأهل صفين وبه يقول جميع أهل السنة والجماعة۔ (الفصل في الملل والأهواء والنحل ج۴ ص۱۵۳ الكلام في حرب علي ومن حاربه من الصحابة)

## مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم ہی مراد ہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیامت کے قریب نازل ہونے والے مسیح موعود سے عیسیٰ ابن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح؟ کیونکہ آجکل کئی مسیح موعود بنے پھرتے ہیں اور مخالفین کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی و عیسیٰ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ ایسے عقیدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے!

الجواب: اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے قبل آسمانوں سے نزول فرمائیں گے۔ قرآن پاک کے کثیر نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے، اس میں ذرہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کو جمع کر کے علماء کرام نے کئی مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان حضرات نے اور اسی طرح دیگر علماء محققین نے حیات مسیح اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تمام روایات معنًی تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رہا یہ کہ مسیح موعود سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح مراد ہے؟ تو اس بارہ میں حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف حضرت ابن مریم کو متعین فرما دیا ہے کہ بعد میں آنے والا کوئی کذاب یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جس کی پیشین گوئی قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ روایات میں عیسیٰ کا لفظ کا ذکر بھی نہیں تاکہ کل کو کوئی دجال اس سے غلط فائدہ اٹھائے بلکہ زیادہ تر روایات میں ابن مریم، مریم کے بیٹے کی تصریح موجود ہے اور نزول ابن مریم کے بارہ میں اول تا آخر علامات بیان کی گئی ہیں، ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کذاب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علامات سے ہٹ کر مہدی موعود یا نزول عیسیٰ یا دجال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں

کرے گا تو ایسے شخص کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے بلکہ قرآنِ پاک کی نصوصِ قطعیہ سے متصادم ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔
(سورۃ النساء آیت ۱۵۸)

وقال الامام فخر الدین الرازیؒ: (تحت هذه الآیة) رفع عیسی علیه السلام الی السماء ثابت بهذه الآیة ونظیر هذه الآیة قوله تعالی فی آل عمران إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔
(التفسیر الکبیر ج۱۱ ص۱۰۳ المسئلۃ الثالثۃ۔ سورۃ النساء) ؎۱

## الوہیتِ علیؓ کا عقیدہ رکھنا شرک ہے

سوال:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "الٰہ" ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنے والے کا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ شخص کافر اور مشرک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے کو فقہاء کرام نے بالخصوص شرک قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الوهیۃ علیؓ ... او نحو ذلک من الکفر الصریح۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۲۴ باب المرتد) ؎۲

---

؎۱ لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم، متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۴۷۹ باب نزول عیسی علیہ السلام)
وقال ایضاً: ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمساً واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۸۰)

؎۲ قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: وبعضهم قالوا إنه "إله" وان صلوا الی القبلۃ لیسوا مؤمنین۔ (شرح الفقه الاکبر ص۲۵۱ مطلب یجب معرفۃ المکفرات)

## عیسائیوں کا ایمان کی تعریف پر اعتراض اور اس کا جواب

**سوال:** ایک عیسائی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر میں مولانا مفتی محمود صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں تو بریلویوں اور اہل حدیث کے نزدیک میں پھر بھی کافر ہی رہوں گا کیونکہ اسلام کو عالمگیر مذہب ماننے والے لوگ مسلمان اور ایمان کی کوئی جامع تعریف نہیں کر سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء، کتب سماویہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمان ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ شہادتین اور یوم آخرت پر جو شخص ایمان رکھتا ہو اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو وہ مسلمان ہے۔ الغرض یہ ہے کہ مسلمان کی متفقہ تعریف کیا ہے؟ اور اس تعریف میں اختلاف کیوں ہے؟

**الجواب:** واضح رہے کہ ایمان کی تعریف میں کوئی معنوی و حقیقی اختلاف نہیں ہے

وھو التصدیق بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما علم مجیئہ بہ بالضرورۃ۔ یعنی تمام ضروریات دین اور واقعات یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب سماویہ خصوصاً قرآن مجید، رسل وغیرہ کو پیغمبر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کے مطابق ماننا، مسلمان کی اس تعریف میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور مومن مسلمان ہونے کا صرف دعویٰ کرنا کافی نہیں ہے کیونکہ ایمان اور اسلام ایک عملی عہد ہے۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ وہ عیسائیت کی ایسی تعریف پیش کریں جو ان کے تمام فرقوں کو قبول ہو، عیسائیت کی متفقہ تعریف پر عیسائیوں میں بہت بڑا اختلاف ہے، جب ان کے ہاں ابھی تک انجیل کے تعین پر اتفاق نہیں ہے تو اس کی تشریحات پر ان میں کس طرح اتفاق ہو سکے گا۔[1]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: الایمان وھو تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء بہ عن اللہ تعالیٰ مما علم مجیئہ ضرورۃ۔ وقال ابن عابدینؒ: ای علم بالضرورۃ ای بداھۃ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیث تعلمہ العامۃ من غیر افتقار الی نظر واستدلال کالوحدانیۃ والنبوۃ والبعث والجزاء ووجوب الصلوٰۃ والزکوٰۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا۔ الخ

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۳ باب المرتد)

## قرآن سے جماع کیا ہوگا کہنے سے لزوم کفر کا حکم

سوال:- ایک شخص نے لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں برا کام کیا تو نعوذ باللہ قرآن کے ساتھ جماع کیا ہوگا۔ بعد میں وہ کام اس سے سرزد ہوگیا۔ اب وہ آدمی روتا ہے اور پشیمان ہے کہ میں نے یہ کفریہ الفاظ کہے تھے نہ معلوم اب مجھے کون سا عذاب دیا جائے گا۔ تو کیا یہ شخص واقعی کافر ہوگیا ہے یا نہیں؟ اور کفارہ دے گا یا نہیں؟

الجواب:- یہ معاملہ یمین کا ہے۔ مثل ان فعلت کذا فانا یہودی کلو جامع المصحف توہیناً وتعزیراً۔ پس جب اس شخص نے وہ برا کام کیا تو حانث ہوا۔ اور اگر اس شخص کا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صورت میں برا کام کرنے والا کافر ہوجاتا ہے تو یہ شخص کافر بھی ہوا ورنہ کافر نہ ہوگا۔ بہرحال یہ شخص توبہ واستغفار کرے ایمان کی تجدید کرے اور احتیاطاً کفارہ بھی ادا کرے۔[1]

## داڑھی کی توہین کرنے والا کافر ہے

سوال:- داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور مسلمان لوگوں کا کھوج کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:- داڑھی سنت الانبیاء ہے اس لئے داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والا آدمی بلاشک وشبہ کافر ہے نیز استقباح سنت کی وجہ سے آدمی کافر

---

[1] لما فی الهندية. ولو قال ان فعل كذا فهو يهودي او نصرانی او مجوسي او بری من الله او كافر او يعبد من دون الله او يعبد الصليب او نحو ذلك مما يكون اعتقاده كفر فهو يمين استحساناً كذا في البدائع. حتى لو فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً اختلف المشائخ فيه. قال شمس الائمة السرخسي رحمه الله والمختار للفتوى انه ان كان عنده انه يكفر متى اتى بهذا الشرط ومع هذا اتى به يصير كافراً لرضاه بالكفر ... وان كان عنده انه اذا اتى بهذا الشرط لا يصير كافراً لا يكفر. (الفتاوى الهندية ج۲ الباب الثانی فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً)

ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: واستقباحها لكن استقبح من آخر... الى ان قال انما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف۔

(رد المحتار ج۳ ص۳۱۱ مطلب فی منکر الاجماع)

اور گالی گلوچ کرنے والا حدیث کی رو سے فاسق و فاجر ہے۔ ۱؎

## اذان اور مؤذن کی توہین کرنے والے کا حکم

سوال:- ہمارے علاقہ میں ایک آدمی مسجد میں اذان دے رہا تھا تو ایک عورت نے کہا کہ یہ تو بکرا بول رہا ہے، اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: اذان شعائر دین میں سے ہے اس سے استہزاء کفر ہے جبکہ غیر شعائر سے استہزاء کفر نہیں ہے، اور اگر آواز کی قباحت کا اظہار مقصود ہو تو یہ فسق ہے۔

یدل علی الاول ما فی رد المحتار ج۳ ص۳۱۱ باب المرتد تحت مطلب فی منکر الاجماع۔

او استقباحها لكن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه اھ

والثانی فی قوله تعالیٰ: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) ۲؎

## "تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے" کہنے کی شرعی حیثیت

سوال:- زید کا دس سالہ بچہ قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتا ہے، زید کی بیوی ہندہ نے کسی وجہ سے غصہ میں آکر بچے کو گالیاں دیں اور یہ بھی کہا کہ "ستا په سبق دے تندر پریوزی" یعنی تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے۔ تو کیا اس طرح کہنے سے زید کی بیوی کے نکاح پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ اثر پڑتا ہے تو کیا

---

۱؎ عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر۔ متفق علیه۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۴۱۱ باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الاول)

۲؎ لما فی الهندیة: فی التجنیس مؤذن اذّن فقال رجل "این بانگ خر است" یکفر ان قال علی وجه الانکار۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۹ منها ما یتعلق بالصلوٰة والصوم)

ومثله فی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۲ احکام المرتدین۔

في السماء وتسترق الشياطين السمع فتسمعه فتوحيه الى الكهان فيكذبون معها مائة كذبة من عند انفسهم (رواه البخاري)
(مشكوٰة المصابيح ج ٢ ص ٣٩٣ باب الكهانة الفصل الاول) [1]

## حالت نزع میں ایمان لانے کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام نزع کی حالت میں مسلمان کافر اور کافر مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نزع کی حالت میں ایمان لانا عند الشرع مقبول نہیں ہے۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقبل توبة العبد مالم یغرغر۔
(رواہ الترمذی) صح

لہذا ایسے وقت میں ایک مسلمان سے کفریہ کلمات کا زبان سے ادا کرنا غیر معتبر ہے۔ لانہ یشاھد ما کان یؤمن بہ بالغیب، اور نیز اگر ایسے کلمات مریض سے نکل بھی جائیں تو غلبۂ حال کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے۔ [2]

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه الله تعالى: قال هذا القائل انا اخبر باخبار الجن يأتي بذلك فان هو ومن صدقه يصيرون كافرا بالله لقوله عليه السلام من اتى كاهنا فصدقه فيما قال فقد كفر بما انزل الله على محمد صلى الله عليه وسلم لا يعلم الغيب الا الله لا الجن ولا الانس يقول الله في الاخبار عن الجن فلما خر تبينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا في العذاب المهين. (فتاوى قاضی خان علی هامش الهندية ج ٣ ص ٥٧٥ باب ما يكون كفرا من المسلم وما لا يكون)

ومثله رد المحتار ج ٣ ص ٣٢٥ مطلب في دعوى علم الغيب۔

[2] قال العلامة ابن عابدين: واما ايمان اليأس فمذهب اهل الحق انه لا ينفع عند الغرغرة ولا عند معاينة عذاب الاستئصال لقوله تعالى فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا بأسنا ولذا اجمعوا على كفر فرعون. (رد المحتار حاشية على الدر المختار ج ٣ ص ٣١٠ مطلب توبة اليأس وايمان اليأس)

**الجواب:-** یہ الفاظ بہت خطرناک ہیں، ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی چاہیئے اور والد کے نافرمان آخرت میں عذابِ جہنم ہے، اگر توبہ نہ کرے تو دنیا میں اسکی تعزیراً سزا دی جائے گی مگر تعزیری سزا کا جاری کرنا قاضی یا حکومتِ وقت کا کام ہے عوام کا نہیں۔

## مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد اس کی سابقہ نیکیوں کا حکم

**سوال:-** جب کوئی شخص ارتداد کے بعد توبہ کرکے دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے سابقہ اعمال کا ثواب اسے دوبارہ واپس ملے گا یا نہیں؟

**الجواب:-** اسلام سے پھر جانا (مرتد ہونا) ایک سنگین جرم ہے جس کی وجہ سے اس (مرتد ہوجانے والے شخص) کی تمام نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں لیکن اگر وہ شخص تائب ہوکر دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے سابقہ نیک اعمال کے اجر کے واپس لوٹنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ابوعلی، ابوہشام اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک اسکی سابقہ نیکیوں کا اجر واپس نہیں لوٹتا ہے اور یہ شخص دوبارہ اس اجر و ثواب کا مستحق نہیں رہتا اور ابوالقاسم الکعبی کے نزدیک اس کے نیک اعمال کا اجر و ثواب واپس لوٹتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: قیل له: لو تاب أتعود حسناته؟ قال هذه المسئلة مختلفة فعند ابی علی وابی هشام واصحابنا انها لاتعود وعند ابی القاسم الکعبی انها تعود ونحن قلنا انه لایعود ما بطل من ثوابه لکنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب من بعد۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۲۹۳ کتاب احکام المرتدین) [1]

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدین: فی التاتارخانیة معزیاً الی التتمة قیل لو تاب أتعود حسناته قال هذه المسئلة مختلفة فعند ابی علی وابی هشام واصحابنا انه لایعود وعند ابی القاسم الکعبی انها تعود ونحن نقول انه لایعود ما بطل من ثوابه لکنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب۔

(رد المحتار ج۳ ص۳۳۲ باب المرتد، مطلب المعصیة تبقی بعد الردة)

ومثله فی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۴ باب المرتد۔

**نشے کی حالت میں ارتداد کا حکم**

سوال:۔ اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں ایسے الفاظ کہے کہ جن سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے تو کیا اس پر ارتداد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے ارتداد کے لیے عقل کا صحیح ہونا شرط کے درجہ میں قرار دیا ہے، اس لئے اگر کسی آدمی کا عقل نشے کی وجہ سے ختم ہو چکا ہو اور اسی حالت میں کفریہ الفاظ اس کے منہ سے نکل جائیں تو اس سے وہ مرتد نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے آدمی پر احکام مرتدین جاری کیے جائیں گے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: وکذا ردۃ السکران الذاھب العقل لا تصح ردتہ استحسانا والقیاس ان تصح فی الاحکام۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۴ باب المرتدین)[1]

**ارتدادِ مکرہ کا حکم**

سوال:۔ جب کسی مسلمان کو غیر مسلم کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کریں اور اس مجبوری کے تحت کلمۂ کفر زبان سے نکال دے لیکن دل سے کفر کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو کیا ایسی صورت میں بھی یہ شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جبر واکراہ کی صورت میں کوئی مسلمان دینِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا دل وحدانیت باری تعالیٰ کے بارے میں مطمئن ہو۔ لقولہ تعالیٰ: مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۶)

ولما قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها الطوع فلا تصح ردۃ المکرہ علی الردۃ استحسانا اذا کان قلبہ مطمئنا بالایمان والقیاس ان تصح فی احکام الدنیا وسنذکر وجہ القیاس والاستحسان فی کتاب الاکراہ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۴ فصل فی احکام المرتدین)[2]

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: وکذا لا تصح ردۃ السکران الذاھب العقل۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۹ باب المرتدین)
ومثلہ فی رد المحتار ج۴ ص۲۲۴ مطلب ما یشک فی انہ ردۃ لا یحکم بہا۔

[2] وقال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: ومن شرائط صحۃ الردۃ الطوع فلا تصح ردۃ المکرہ علیہا۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۵ باب المرتدین)
ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۴ ص۲۲۴ باب المرتد مطلب ما یشک فی انہ ردۃ لا یحکم بہا۔

## عورت کے ارتداد کا حکم

**سوال:** اگر کوئی مسلمان عورت دینِ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** مسلمان عورت جب مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دوبارہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اسلام لائے یا اسی جیل میں مر جائے۔

لما قال العلامة الكاسانيؒ: واما المرءة فلا يباح دمها اذا ارتدت ولا تقتل عندنا ولكنها تجبر على الاسلام واجبارها على الاسلام ان تحبس وتخرج في كل يوم فتستتاب ويعرض عليها الاسلام فان اسلمت والا حبست ثانيا هكذا الى ان تسلم او تموت وذكر الكرخي ويزاد عليه وتضرب اسواطا في كل مرة تعزيرا لها على ما فعلت۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۵ فصل احكام المرتدين) [1]

## مرتد کو کب قتل کیا جائے گا

**سوال:** اگر کوئی شخص دینِ اسلام چھوڑ کر دینِ کفر اختیار کرے تو اس کے قتل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:** جب کوئی شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے تو افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے تو اگر وہ اسلام قبول کرے تو بہتر اور اگر اسلام قبول نہ کرے اور مہلت طلب کرے تو حاکم اسے تین دن کی مہلت دے گا، اگر تین دن میں مسلمان ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کیا جائے گا، اور اگر اسلام بھی قبول نہ کرے اور مہلت بھی نہ مانگے تو اسی وقت قتل کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها انه يستحب ان يستتاب ويعرض عليه الاسلام لاحتمال ان يسلم لكن لا يجب لان الدعوة قد بلغته فان اسلم فمرحبا واهلا بالاسلام وان ابى نظر الامام في ذلك فان طمع في توبته

---

[1] وفي البحر الرائق: ولا تقتل المرتدة بل تحبس حتى تسلم لنهيه صلى الله عليه وسلم عن قتل النساء۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۹ باب المرتد)
ومثله في الهندية ج۲ ص۲۵۴ باب التاسع في احكام المرتدين۔

وإن سأل هو أن يؤجل يؤجل ثلاثة أيام وإن لم يطمع في توبته ولم يسأل أن يؤجل قتله من ساعته۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۴ فصل في احكام المرتدين) لـه

## مرتد کے مال کی تقسیم کا حکم

**سوال:** اگر کوئی شخص نعوذ باللہ دین اسلام سے مرتد ہو کر کفر اختیار کرے تو اس کے مال کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ورثاء پر مال تقسیم کیا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** جب کوئی شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتد ہوجانے سے اس کی ملک اپنے اموال سے زائل (ختم) ہوجاتی ہے لیکن جب وہ دوبارہ اسلام قبول کرلے تو اس کی دوبارہ برقرار ہوجاتی ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک ارتداد اختیار کرنے کے بعد بھی اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے اس لیے اس کا مال ورثاء آپس میں تقسیم نہیں کرسکتے، البتہ اگر وہ ارتداد کی حالت میں ہی مرگیا یا قتل کیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک حالت اسلام میں کسب شدہ مال اس کے ورثاء مسلمین کو ملے گا اور حالت ردت میں فیئ کے حکم میں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں کسب شدہ سرمایہ ورثاء مسلمین کو ملے گا۔

لما قال العلامة المرغينانيؒ: قال ويزول ملك المرتد عن امواله بردته زوالاً مراعى فان اسلم عادت على حالها قالوا هذا عند ابي حنيفةؒ وعندهما لا يزول ملكه لانه مكلف محتاج فالى ان يقتل يبقى ملكه ... وان مات او قتل على ردته انتقل ما اكتسبه في حال اسلامه الى ورثته المسلمين وكان ما اكتسبه في حال ردته فيئاً وهذا عند ابي حنيفةؒ وقالا كلاهما لورثته۔ (الهداية ج۲ ص۵۶۶ باب المرتد) ۲ـه

---

لـه وقال العلامة الحصكفيؒ: من ارتد عرض عليه الاسلام استحباباً وتكشف شبهته ويحبس ثلاثة ايام ان استمهل والا قتله من ساعته۔ (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۱۲ باب المرتد)

ومثله في البحر الرائق ج۵ ص۱۲۵ باب المرتد۔

۲ـه قال العلامة التمرتاشيؒ: ويزول ملك المرتد عن ماله زوالاً موقوفاً فان اسلم عاد ملكه وان مات او قتل على ردته ورث كسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دين الاسلام وكسب ردته فيء بعد قضاء دين ردته۔ (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۲۴ باب المرتد)

ومثله في بدائع الصنائع ج۷ ص۱۳۶ فصل في احكام المرتدين۔

## اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنے والے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے یا کہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں جگہ میں موجود ہے اور فلاں جگہ میں نہیں تو کیا یہ شخص اس سے کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی طرح جسم سے وراء الوریٰ ہے جسے اس دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ اس میں دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کی طاقت ہے اور نہ کسی عقل میں اس ذات کے بارے میں سوچنے کی استعداد ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں سوچنے سے منع کر دیا گیا ہے، اس لیے انسانوں کی ذات پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں گفتگو کرنا ضلالت اور گمراہی کا سبب ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی کیفیت سے مکان ثابت کرنا جو کہ مخلوق کے لیے ثابت ہے تو اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنے کا مطلب علوِ شان اظہار ہو جس طرح قرآن اور احادیث میں متعدد جگہ ثابت ہے تو ایسے عقیدہ رکھنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله: اذا قال الله تعالیٰ في السماء عالم ان اراد به المكان كفر وان اراد به الحكاية عما جاء في ظاهر الاخبار لا يكفر وان لم يكن له نية يكفر عند اكثرهم وفي الخانية وهو الاصح وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية ج۵ ص۳۴۲ كتاب احكام المرتدين)[1]

---

[1] وقال العلامة ابن نجيم المصري: ويكفر بقوله يجوز ان يفعل الله تعالى فعلا لا حكمة فيه وباثبات المكان لله تعالى فان قال الله في السماء فان قصد به حكاية ما جاء في ظاهر الاخبار لا يكفر وان اراد المكان كفر وان لم يكن له نية كفر عند الاكثر وهو الاصح وعليه الفتوى.

(البحر الرائق ج۵ ص۱۳۰ باب المرتد)

ومثله في الهندية ج۲ ص۲۵۹ الباب التاسع في احكام المرتدين.

**کفر اختیار کرنے کا مشورہ دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے**

**سوال:۔** ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کلمۂ کفر کہنے کا مشورہ دیتے ہوئے اُسے کفر اختیار کرنے کا حکم دیا، تو کیا اس طرح کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:۔** جس طرح بذاتِ خود کفریہ الفاظ کہنے سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اسی طرح کسی دوسرے کو کلمۂ کفر کی تلقین کرنے اور امر بالکفر کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الدهلویؒ: وفی غرر المعانی لا خلاف بین مشائخنا ان الامر بالکفر کفرٌ۔ (التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۱ کتاب احکام المرتدین، فصل اجراء کلمة الکفر)[۱]

**رضا بالکفر کفر ہے**

**سوال:۔** کسی شخص کا اپنے نفس کے کفر پر رضامندی کا اظہار کرنا کفر ہے یا نہیں؟

**الجواب:۔** کسی شخص کے لیے اپنے نفس کے کفر پر اظہارِ رضا کرنا یقیناً اسلام سے خارج ہونے کا سبب ہے جس کی وجہ سے وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے کفر میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

لما فی الهندیة: ومن رضی بکفر نفسه فقد کفر۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۵۷ الباب التاسع فی احکام المرتدین)[۲]

**رضا بکفر الغیر کفر ہے یا نہیں**

**سوال:۔** کیا کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے یا نہیں؟

---

۱؎ وقال العلامة ابن عابدینؒ: فی منحة الخالق: فی التاتارخانیة وفی غرر المعانی لا خلاف بین مشائخنا ان الامر بالکفر کفرٌ۔ (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۵ ص۱۲۳ باب المرتد)

۲؎ وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلویؒ: ومن رضی بکفر نفسه فقد کفر۔ (التاتارخانیة ج۵ ص۴۶۲ کتاب احکام المرتدین فصل فی اجراء کلمة الکفر)

الجواب: کسی غیر کے کفر پر رضامندی کا اظہار کرنا تاکہ وہ عذابِ الٰہی کا مستحق بن جائے تو یہ کفر نہیں البتہ اس نیت سے رضا کا اظہار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی ذات وصفات میں نازیبا الفاظ کہے تو اس سے اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ فی منحة الخالق: وفی النصاب الاصح انه لا یکفر بالرضا بکفر الغیر وفی شرح السیر ان الرضا بکفر الغیر انما یکون کفرًا اذا کان یستخف الکفر ویستحسنه اما اذا احب الموت او القتل علی الکفر لمن کان شریرًا موذیًا بطبعه حتی ینتقم الله منه فهذا لا یکون کفرًا وقدمنا عن روایة ابی حنیفة رحمه الله ان الرضا بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل۔

(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۳ باب المرتد)

## اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کے کفر پر راضی ہونے کی نسبت کرنے کا حکم

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ جس طرح انسان کا خالق ہے اسی طرح اس کے تمام افعال کا بھی خالق ہے لیکن انسان کو اس کے افعال کے بارے میں مجبورِ محض پیدا نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی مرضی کے موافق اس کی قدرت کے مطابق افعال کے کسب کا پورا اختیار دیا ہے افعالِ بد اور نیک افعال میں تمیز اور افعال پر مرتب ہونے والے نتائج کے بیان کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان تمام افعال کے نتائج سے

---

لہ وقال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی رحمه الله: ومن رضی بکفر غیره فقد اختلف المشائخ وفی النصاب الاصح انه لا یکفر بالرضا بکفر الغیر وفی غریب الحق لا خلاف بین مشائخنا ان الآمر بالکفر کفر وفی شرح السیر الکبیر مسئلة تدل علی ان الرضا بکفر الغیر لیس بکفر۔ (تاتارخانیة ج ۵ ص [illegible] کتاب احکام المرتدین، فصل فی اجراء کلمة الکفر)

ومثله فی الهندیة ج ۲ ص ۲۵۷ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

انسانیت کو خوب آگاہ کیا، اس کے باوجود اگر کوئی شخص افعالِ بد کا اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے اس فعل کو کرتا ہے اس لیے یہ اس کا ذاتی عمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو نہیں روکتا اگرچہ وہ انسان کے اس فعل سے راضی نہ ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی کے کفر پر راضی ہے موجبِ کفر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ویکفر ان اعتقد ان اللہ تعالیٰ یرضی بالکفر۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۰ باب احکام المرتدین)[1]

## اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا حکم

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ چونکہ قادرِ مطلق ذات ہے، اس کا دستِ قدرت تمام مخلوق اور کائنات پر حاوی ہے اور جس طرح بھی چاہے اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے، جس طرح تمام کائنات اور مخلوقات کی تخلیق اور عدم سے وجود لانے میں کسی سے کوئی مدد نہیں لی اسی طرح مخلوق اور کائنات کا نظام چلانے میں بھی کسی کی مدد کا محتاج نہیں اس لیے کسی بھی فعل میں اس کی طرف عجز کی نسبت کرنا موجبِ کفر ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الدهلوی رحمہ اللہ: وفی خزانة الفقه ولو قال للہ تعالیٰ شریك او ولد او زوجة او هو جاهل او عاجز او ناقص بذاته او صفاته کفر۔ (تاتارخانیة ج۵ ص۴۶۳ کتاب احکام المرتدین)[2]

## حضرت عائشہؓ کی طرف زنا کی نسبت کرنے والے کا حکم

سوال:۔ جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ

---

[1] وفی الهندیة: ویکفر ان اعتقد ان اللہ تعالیٰ یرضی بالکفر کذا فی البحر۔
(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی احکام المرتدین)

[2] قال العلامة ابن نجیم: ویکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره او انکر وعده او وعیده او جعل له شریکا او ولدا او زوجة او نسبه الی الجهل والعجز او النقص۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۰ باب احکام المرتدین)
ومثله فی الهندیة ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں تو کیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جن کی برأت پر قرآن پاک ناطق ہے جو آپؐ کی ذات مبارکہ کے عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے اور ان کی برأت قطعی ہے لہٰذا ان کی طرف زنا کی نسبت کرنا صریحاً قرآن کریم سے واضح انکار ہے بلکہ انسانی غیرت کے بھی خلاف ہے اس لیے ان کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا صریحاً کافر بلکہ انسانیت کے دائرہ سے بھی خارج ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: وفي خزانة الفقه لو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنا كفر بالله تعالى ولو قذف سائر نسوة النبي صلى الله عليه وسلم لا يكفر ويستحق اللعنة۔ (الفتاوى التاتارخانية ج [illegible] كتاب احكام المرتدين، فصل فيما يعود الى الانبياء)[1]

## اللہ تعالیٰ کے بعض افعال میں حکمت سے انکار کرنے والے کا حکم

**سوال:** جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے افعال بھی صادر ہوتے ہیں جن میں (العیاذ باللہ) کوئی حکمت نہیں ہوتی تو ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو کہ خالق کائنات، قادر مطلق اور مختار کل ہے کائنات کا کوئی ذرہ بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں، بحیثیت انسان جو شخص بھی ادنیٰ درجہ کی عقل رکھتا ہو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسے فعل کا صدور بھی ہو سکتا ہے جو کہ حکمت سے خالی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکیم ہونا ایک بدیہی امر ہے اس کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا ذکر صراحتاً کیا گیا ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات

---

[1] وفي الهندية: ولو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنا كفر بالله تعالى ولو قذف سائر نسوة النبي صلى الله عليه وسلم لا يكفر ويستحق اللعنة۔
(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۳ الباب التاسع في احكام المرتدين)
ومثله في رد المحتار ج ۳ ص [illegible] باب المرتد۔

کے مطابق جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے افعال بھی ثابت ہیں جو کہ حکمت سے خالی ہیں تو وہ شخص کافر ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: من جوّز ان يفعل الله تعالى فعلاً لا حكمة فيه يكفر لانه وصف الله تعالى بالسفه وهو كفر۔

(تاتارخانیہ ج۵ ص۳۴۲ کتاب احکام المرتدین) ۱؎

**ارتداد سے نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے**

**سوال:-** اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا قضاء قاضی کی ضرورت ہوگی؟

**الجواب:-** ارتداد ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے فوراً بلا قضاء قاضی کے نکاح ختم ہو جاتا ہے، مرتد کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر شوہر سے جدا ہو جائے تاہم اگر مرتد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو تجدید نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وارتداد احدهما فسخ عاجل بلا قضاء۔ قال ابن عابدينؒ: اي بلا توقف على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها كما في البحر۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نكاح الكافر) ۲؎

---

۱؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: ويكفر بقوله يجوز ان يفعل الله فعلاً لا حكمة فيه۔

(البحر الرائق ج۵ ص۱۳۰ باب احكام المرتدين)

ومثله في الهندية ج۲ ص۲۵۸ الباب التاسع في احكام المرتدين۔

۲؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: وارتداد احدهما فسخ في الحال فلا يتوقف على مضي ثلاثة قروء في المدخول بها ولا على قضاء القاضي لان وجود المنافي يوجبه كالمحرمية بخلاف الاباء لانه غير مناف للعصمة۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۱۲ باب نكاح الكافر)

## آسمان کے وجود سے انکار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض تعلیمیافتہ لوگوں سے سُنا ہے کہ آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں اور یہ جو نیلگوں چھت ہمیں دکھائی دیتا ہے یہ وہ خلا ہے جو سیاہی اور سورج کی روشنی مخلوط ہو کر ایسا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی آسمان کا اپنا کوئی وجود نہیں، اگر نہیں تو قرآن و سنت میں جس آسمان (السماء، السموٰت) کا ذکر آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

الجواب:۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اس ذات کی کتاب ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا اور کارخانۂ عالم کے تمام پُرزے اور ان میں جو خاصیت اور قوت رکھی گئی ہے صرف اس ذات کے علم میں ہے، تو ایسی ذات کے کلام کا ایسے امور پر مشتمل ہونا ناممکن ہے جو واقعات اور حقائق کے مخالف ہوں۔ اسی بناء پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن اور سائنس کی صحیح تحقیقات میں تضاد اور مخالفت ہو، سائنس کی تحقیقات قرآن کے مخالف اور متضاد معلوم ہوں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مخلوق سے اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ خالق اور مالک حقیقی کا اپنے بنائے ہوئے کارخانہ کے بارہ میں بدگمانی ناممکن ہے۔ تو ایسی تحقیقات میں اگر لوگ ذرا زیادہ مکمل تحقیق کریں اور صرف تخمینہ اور اندازہ سے کام نہ لیں تو ضرور اپنے نظریہ کا غلط ہونا ان پر منکشف ہو جائے، ہر مسلمان کو یہ طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

موجودہ دور میں سائنسدانوں نے ایسے ایسے عجیب و غریب نظریات دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار بعض مسلمان بھی ان سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں جو آنکھیں بند کرکے سائنسدانوں کے ہر نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں حالانکہ اندھی تقلید کرنا اور بلا دلیل کسی سے مرعوب ہونا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ شریعت کا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقول میں تفاوت پیدا کیا ہے، کسی کی عقل کمزور اور نارسیدہ ہے اور کسی کی قوی اور تندرست، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سائنسدانوں کے نظریات جدا تھے اور موجودہ زمانہ کے سائنسدانوں کے نظریات الگ ہیں، ایک سائنسدان کا نظریہ الگ ہوتا ہے تو دوسرے کا الگ بلکہ بسا اوقات ایک شخص ایک وقت میں ایک نظریہ رکھتا ہے تو دوسرے وقت میں اپنی تحقیق اور نظریہ سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو جب عقل کا یہ حال ہے تو کسی کے نظریات سے بلا دلیل مرعوب ہونا اور اس کی اندھی تقلید کرنا سراسر غلط اور خلاف عقل ہے بلکہ اس کی دلیل پر غور کرنے کے بعد

کوئی رائے قائم کرنا ہی صحیح طریقہ کار ہے۔

وہ دلائل جن کے ذریعہ ہم کسی چیز کے متعلق یقین حاصل کرتے ہیں تین ہیں۔

(۱) اول حواس خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، ذائقہ ہیں جن کے ذریعہ ہم محسوسات پر علم اور یقین حاصل کرتے ہیں بشرطیکہ یہ حواس صحیح ہوں آفت رسیدہ نہ ہوں۔ تو احول بھینگے شخص کو ایک چیز کا دو محسوس ہونا اور صفراوی مزاج والے کو میٹھی چیز کا تلخ محسوس ہونا چونکہ خارجی آفت کی وجہ سے ہے تو یہ خلل حواس کے ذرائع یقین ہونے میں ہرگز خلل انداز نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسری دلیل عقل ہے جس کے ذریعے ہم ایک غیر محسوس چیز پر یقین کر سکتے ہیں اور جہاں حواس کا کام ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے مثلاً جب ہم دھواں دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ ہمیں آگ نظر نہیں آ رہی ہوتی ہمارا اس پر یقین ہوتا ہے کہ یہاں آگ موجود ہے۔ اور جب ہم خاک کا اڑنا اور درختوں کے پتوں کا ہلنا دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہوا موجود ہے اور اس کا بھی کوئی وجود ہے۔ اسی طرح جب ہم چاند کا گھٹنا بڑھنا دیکھتے ہیں تو ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج سے حاصل ہے۔

(۳) تیسری دلیل کسی معتمد شخص کی اطلاع اور اخبار ہے جس کے ذریعے ہم ان چیزوں پر علم حاصل کرتے ہیں جن کی پہچان سے حواس اور عقل عاجز ہوں۔ مثلاً ایک شخص نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نہیں دیکھا لیکن ان شہروں کے وجود پر اس کو پورا یقین ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ صرف عقل نے اپنے پر کفایت کی ہے بلکہ اسے معتمد اطلاعات کی وجہ سے یہ یقین اور علم حاصل ہوا ہے ـــــ اور ایک اندھا شخص جو کہ نہ تو کنواں اور سانپ دیکھ سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے اسے یہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے تو اس کے لیے ایک معتمد شخص کی اطلاع ہی واحد ذریعہ ہے جس سے وہ یقین حاصل کر سکتا ہے۔ اور اندھے کا یہ کہنا کہ جب تک میری سمجھ میں نہ آئے کہ یہ سانپ اور کنواں ہے تو میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، یہ سراسر اس کی بیوقوفی ہوگی۔

بسا اوقات بعض لوگ کسی چیز کے وجود سے صرف اس وجہ سے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ چیز نہ ہم نے دیکھی ہے اور نہ ہماری سمجھ میں آتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمیں اس کے وجود پر کوئی دلیل معلوم نہیں ہے لہٰذا یہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کسی چیز کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے کیونکہ کسی کی بے علمی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور لوگوں کو بھی اس چیز کے وجود کا علم اور خبر نہ ہو۔ مثلاً

ایک عامی اس سے انکار کرے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تو چونکہ اوروں کو دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے لہٰذا پہلی بات قابلِ سماعت نہ ہوگی۔

موجودہ دور کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ نیلگوں چیز جو نظر آتی ہے یہ انسان کی حدِ نگاہ ہے۔ مگر یہ سراسر غلط ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کا ایک مضبوط رنگدار وجود ہے جس میں دروازے بھی ہیں۔ اور بعض آثار و روایات میں تو ہر ایک آسمان کا مادہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آسمان زمین سے پانچسو سال کی مسافت پر دور ہے اور اگر تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی مسافت ہو تو ایک کروڑ اکتیس لاکھ ساٹھ ہزار میل تقریباً بنتے ہیں ۔ اور رنگ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نیلا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ سرخ ہے لیکن دوری اور فاصلہ کی وجہ سے نیلا دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ رگ میں خون پردہ کی وجہ سے اور سرخ پہاڑ دوری کی وجہ سے نیلگوں نظر آتا ہے، البتہ قیامت کے دن آسمان کا اصلی رنگ دکھائی دے گا، بالنظر کے تیز ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس دن تمام حقائق منکشف ہوں گے ۔ جس کا فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (سورۃ الرحمٰن آیت [illegible]) میں ارشاد کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث کے دلائل حقہ سے بے خبر ہونے کی وجہ سے آسمان کو حدِ نگاہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے ۔ ایک اندھا آدمی جسے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو اسے کسی دور پڑی ہوئی چیز کے وجود کے بارے میں ایک عام آدمی جو صحیح دیکھتا ہے بتا دے تو وہ فوراً یقین کر لیتا ہے حالانکہ اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا ۔ اور ہمارے پاس آسمان کے وجود کے بارے میں ایک معتبر ذات (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاعات، اخبارات اور مشاہدات موجود ہوں اور پھر بھی ہم آسمان کو حدِ نگاہ کہیں تو یہ کس قدر عجیب بات ہے ۔ اگر ایک عام انسان کا مشاہدہ یا اطلاع تسلیم کیا جا سکتا ہے تو کیا ایک مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی قطعی اطلاع قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی ؟

واللہ اعلم بالصواب

## قرآنِ کریم کی بے ادبی کرنے والے کا شرعی حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنے گھر پر اماں کی موجودگی میں بیوی سے کسی بات پر جھگڑا کیا جبکہ اس وقت اس کی بیوی قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہی تھی اُس نے خاوند سے کہا کہ گھر آئے ہوئے کسی کی بے عزتی نہیں کرنی چاہیے۔ اتنی سی بات پر خاوند نے بیوی سے قرآن مجید چھین کر پھاڑ دیا اور پھر کپڑے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا۔ ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر اس شخص نے قرآن مجید کی بے ادبی اور بے حرمتی کی ہے لہٰذا اس شخص کے لیے تجدیدِ ایمان و نکاح ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ باب چہارم، احکام المرتد)

قال العلامة ابن عابدين: وفي المسايرة وبالجملة فقد ضم الى التصديق بالقلب او بالقلب واللسان في تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقاً كترك السجود لصنم وقتل نبي والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة. الخ

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۱ باب المرتد) [1]

## ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اور اسلامی نقطۂ نظر

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! "ڈلیٹ آف مین" نام کی کتاب میں "ڈارون کا نظریۂ ارتقاء" کے عنوان سے یوں مذکور ہے کہ ابتداءِ دنیا کی تمام مخلوق اصل فطرت میں ایک تھی جس سے ترقی کر کے یہ مختلف نوعیں پیدا ہوئیں اور انسان اس فطری رفتار کا آخری مرحلہ ہے یعنی انسان دفعۃً پیدا نہیں ہوا بلکہ چند مرحلوں سے گزر کر اپنی اس آخری منزل تک پہنچا ہے مثلاً جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوان اور پھر حیوان سے انسان بنا۔ آپ اسلامی نقطۂ نظر اور دلائل کی رو سے اس نظریہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان پہلے نباتات پھر حیوانات رہ چکا ہے پھر انسان بنا سراسر غلط اور نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں

---

[1] وفي البزازية: ادخال آية القرآن في المزاح وان عابه كفر لانه استخفاف به. راجع الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۳۹ كتاب الفاظ تكون اسلاما او كفرا

میں اس نظریہ کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔

## قرآن مجید سے دلائل

(۱) قال اللہ تعالیٰ: فإذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ (سورۃ الحجرات ۲۹)

(۲) خلق الانسان من صلصال کالفخار ۝ (سورۃ الرحمٰن ۱۴)

(۳) قال ءأسجد لمن خلقت طیناً ۝ (سورۃ بنی اسرائیل ۶۱)

(۴) وإذ قال ربک للملائکۃ إنی جاعل فی الأرض خلیفۃ۔ (سورۃ البقرۃ ۳۰)

(۵) وإذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبلیس أبیٰ واستکبر۔
(سورۃ البقرۃ ۳۴)

(۶) وقلنا یا آدم اسکن أنت وزوجک الجنۃ وکلا منہا رغداً (سورۃ البقرۃ آیت ۳۵)

(۷) وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الأرض مستقر ومتاع إلی حین ۝
(سورۃ البقرۃ ۳۶)

(۸) إن مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ۝
(سورۃ آل عمران آیت ۵۹)

(۹) قال ما منعک ألا تسجد إذ أمرتک قال أنا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین ۝ (سورۃ الاعراف آیت ۱۲)

(۱۰) قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الأرض مستقر ومتاع إلی حین ۝
(سورۃ الاعراف آیت ۲۴)

## احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

(۱) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خلق اللہ آدم وطولہ ستون ذراعاً ثم قال اذھب فسلم علی أولئک من الملائکۃ۔
(الصحیح البخاری ج ۱ ص ۴۶۹ پ ۱۳ کتاب بدء الخلق، باب قول اللہ تعالیٰ: واذ قال ربک للملائکۃ)

(۲) عن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما صور اللہ آدم فی الجنۃ ترکہ ما شاء اللہ أن یترکہ فجعل إبلیس یطیف بہ ینظر ما ھو فلما رآہ أجوف عرف أنہ خلق خلقاً لا یتمالک۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰۲ باب بدء الخلق، الفصل الاول)

(۳) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان طول آدم

**زلیخا کو زانیہ وغیرہ کہنا**

سوال:- اگر کوئی شخص زلیخا کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرے کہ وہ زانیہ اور فاحشہ عورت تھی تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے؟ اس کی شہادت اسلام میں قبول ہو سکتی ہے؟ اور کیا اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- چونکہ قرآن وحدیث میں امرأۃ العزیز کے متعلق مذکور آیا ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا اور نہ یہ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھی۔ اس لیے محض اسرائیلیات کی وجہ سے ایسے شخص کو اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا خصوصاً جبکہ غلبہ حال کی وجہ سے عفت وحرمت سے ذہن خالی ہو۔

**عبادت راتہ وغئی کلمۂ کفر نہیں**

سوال:- ایک دیندار شخص مسجد میں اللہ کی عبادت کر کے فارغ ہو کر جب گھر آیا تو کسی بات پر بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو غصے کی حالت میں اس کی زبان سے پشتو کے یہ الفاظ نکل گئے "چہ صونرہ پہ جماعت کنبے خہ عبادت وکوچہ کور تہ راشو ھغہ ھر څہ تاسو راتہ وغئی" (مسجد میں عبادت کر کے جب گھر آتا ہوں تو سب کچھ تم برباد کر دیتی ہو) تو کیا اس شخص کا یہ کہنا کلمۂ کفر تو نہیں؟ اور اس سے یہ آدمی کافر بن جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگرچہ ظاہری لحاظ سے مذکورہ الفاظ درست نہیں ہیں مگر پشتو زبان کے محاورہ میں کسی چیز کو برباد کرنے اور اس کو لغو کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن ان سے کسی چیز کی تحقیر و توہین مقصود نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی جن الفاظ کے مختلف مطالب و معانی ہوں تو اصول افتاء کے مطابق ان کے اسلامی معانی اور مطلب کو ترجیح دی جائے گی تاکہ ایک مسلمان فتویٰ کفر سے بچ سکے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق یہ دیندار شخص مسلمان ہے اس پر کفر کا کوئی شک وشبہ نہ کیا جائے۔ تاہم کسی بھی مسلمان کو اس قسم کے ذو معنین الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے جس کی وجہ سے اسلام پر حرف آنے کا اندیشہ ہو۔

ھکذا فی عقود رسم المفتی ص ۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

## اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ "خدا" استعمال کرنے کا حکم

سوال:- جماعت المسلمین فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "خدا" استعمال کرنے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ آپ سے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "خدا" کا استعمال ناجائز و حرام ہے؟

الجواب:- "خدا" فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ لفظ اللہ کے قائم مقام ہے اور شرعاً اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی زبان کا ہر وہ لفظ استعمال کرنا جائز ہے جو واجب الوجود والقدیم کے مترادف ہو۔

لما قال العلامة عبد العزیز فرہارویؒ: واذا ورد الشرع باطلاق اسم بصفة کلفظ اللہ فہو اذن باطلاق ما یرادفہ من تلک اللغة او من لغة اخری کاسم خدا بالفارسیة۔ (النبراس ص ۱۲۳ صفات اللہ تعالیٰ)

## داڑھی کو بکری کی دم کہنے والے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک شخص نے ہمارے سامنے ایک داڑھی والے شخص سے کہا کہ تجھے کیا بکری کی دم کی طرح داڑھی لگی ہوئی ہے اور ساتھ ہی خوب زور سے قہقہہ بھی لگایا۔ تو کیا اس طرح کہنے سے اس آدمی کا ایمان ختم ہوا یا نہیں؟ اور اس کے نکاح و دیگر اعمال کا کیا معاملہ ہوگا؟ از راہ کرم تفصیل سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- ایک مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا سنتِ مؤکدہ بلکہ واجب ہے۔ اس کے ساتھ مذاق کرنا شعائرِ مذہب کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے جو کہ شرعاً حرام و ناجائز ہے اور ایسا کہنے والے شخص کے ایمان سے نکلنے کا خطرہ ہے لیکن پھر بھی اس کا نکاح ختم ہو جائے گا اور نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے شخص کیلئے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ووجهه ان السنة من الاحکام الشرعیة المتفق علی مشروعیتها عند علماء الدین فاذا انکر ذلک وطعن فیها شیئا ثابتا و مستحبا فی الدین یکون قد استخف بها واستخفافها وذلک کفر۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: اذا اراد ان یتکلم بکلمة مباحة فجری علی لسانه کلمة الکفر خطأ بلا قصد لا یصدقه القاضی وان کان لا یکفر فیما بینه وبین ربه تعالیٰ..... وما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۰)

## کسی بھی نبی کی اشارۃً یعنی فرضی کہانی سے توہین کرنا کفر ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درایں مسئلہ کہ تیسری جماعت کی کتاب "ہمارا" کے جماعت دوم پشتو ذریعہ تعلیم راہنمائے اساتذہ رائل، ڈبلیو، ایف، پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور میں صفحہ ۱۷ پر ایک کہانی بعنوان "ابوقاسم اور اس کے گدھے" تحریر ہے جس سے کسی شخص کی تذلیل و تحقیر ثابت ہوتی ہے۔ اس فرضی کہانی میں ابوقاسم اور موسیٰ کا نام استعمال ہوا ہے۔ تو کیا ابوقاسم نام کسی تذلیل آمیز کہانی میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(نوٹ) کہانی کی ایک مصدقہ فوٹو کاپی لف ہذا ہے۔

الجواب: ابوالقاسم یا ابوقاسم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارکہ ہے، احادیث میں اس نام کی کنیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی۔ (عمدۃ القاری ۲۲/۲۰۷) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کی طرح نام رکھو لیکن میری کنیت کی طرح کنیت مت رکھو۔

اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلقاً ابوالقاسم کنیت رکھنے کو ناجائز کہا ہے۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانیؒ امام نوویؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: الاول المنع مطلقاً سواء کان اسمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ام لا ثبت ذلک عن الشافعیؒ۔ (فتح الباری ج۱۰ ص۵۷۲)

(ترجمہ) اول مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی کنیت مطلقاً منع ہے چاہے کسی کا نام محمد ہو یا نہ ہو اور یہ امام شافعیؒ سے ثابت ہے، اگرچہ اس کے جواز میں اور اقوال بھی پائے جاتے ہیں مگر یہ اقوال صرف نفس کنیت تک محدود ہیں۔ اور اگر اس کنیت کی تذلیل و تحقیر مقصود ہو یا اس میں تذلیل کا کوئی شبہ بھی ہو تو اس قسم کے اسماء یا الفاظ استعمال کرنا بنص قرآنی جائز نہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ۗ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴) ترجمہ: "اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفی ھذہ الآیۃ دلیلان: احدھما علی تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیھا التعریض للتنقیص والغض۔ (تفسیر احکام القرآن للقرطبیؒ ج۲ ص۵۷) ترجمہ: "اس آیت میں دو دلیلیں ہیں:

ایک تو ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے جو تنقیص کی طرف مشیر ہوں۔

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی ان کل لفظ احتمل الخیر والشر فغیر جائز اطلاقہ حتی یقید بما یفید الخیر (احکام القرآن [illegible]) ترجمہ: یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ہر وہ لفظ جو خیر و شر دونوں کا محتمل ہو اس کا مطلقاً استعمال جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو خیر کے ساتھ مقید کیا جائے!

چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں ایسے الفاظ کے استعمال سے منع فرمایا ہے جو تنقیص نبی کے محتمل ہوں، متکلم کا ارادہ چاہے کچھ بھی ہو۔

چونکہ مقدمہ کے ساتھ اصل کتاب کے لف شدہ صفحات کے مطالعہ سے قریب وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی یہ کہانی جان بوجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کے لیے بنائی ہے جس پر مندرجہ ذیل امور دلالت کرتے ہیں:

(۱) ابو قاسم کے نام کا استعمال جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔

(۲) ان کے دوست موسیٰ کا ساتھ، چونکہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے، تو موسیٰ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ہے کو ابو قاسم جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارکہ ہے کے مقابلہ میں لانا اسی عقیدہ کی غمازی کرتا ہے۔ دوسرا اس کہانی میں موسیٰ کو عقل و فراست میں ابو قاسم پر ترجیح دینا اور ابو قاسم کو موسیٰ کے مقابلے میں حقیر ثابت کرنا اسی نظریہ کی واضح عکاسی کرتا ہے۔

(۳) اسی طرح ۹ کی تعداد بھی اس بات کی غماز ہے کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت وصال ہوا تھا اس وقت آپ کی ۹ بیبیاں حیات تھیں۔

(۴) پھر گدھوں کا تعین بھی اسی بات کی طرف مشیر ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر گدھے پر سوار تھے۔

(۵) پھر تصویر میں ابو قاسم کا پگڑی پہننا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ظاہرہ ہے، اسی اسی خلاف شرع نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۹) یہ ترتیب اور نظر ثانی بھی ایک غیر مسلم مسٹر برجندر سین روز ریڈر ایڈوانسڈ سٹڈی ڈویلپمنٹ نے کی ہے۔

ورنہ وہ ان ناموں کے علاوہ اور نام بھی استعمال کر سکتے تھے لہٰذا اس کہانی میں ان ناموں یا ایسے ناموں کو جن کے ذریعہ کسی بھی پیغمبر کی ذات کی تذلیل و تحقیر مقصود ہو کا استعمال جائز نہیں۔ اب اگر ان ناموں کے استعمال سے متکلم کی مراد کسی رسول کی تذلیل مقصود ہو تو ایسا شخص خارج عن الاسلام ہے۔ اور اگر تذلیل مقصود نہ بھی ہو مگر شبہ تذلیل ضرور ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کا فریضۂ منصبی ہے۔ لہٰذا وزارت تعلیم کے ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ اس کتاب سے ان ناموں کو نکال دے اور ان جگہ کوئی اور نام تجویز کریں اور ساتھ تصویر سے عمامہ اور داڑھی کو بھی ختم کریں تاکہ اس سے شعائر اسلامی و پیغمبر علیہم السلام کی تذلیل و تحقیر نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

## "نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں" کہنے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے نہ تو کبھی نماز پڑھی ہے اور نہ کبھی مسجد کا رخ کیا ہے۔ ایک تبلیغی دوست نے ان کو نماز پڑھنے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ "نماز تو گدھے اور کتے پڑھتے ہیں جاؤ میں نماز نہیں پڑھتا" تو کیا یہ شخص اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** نماز شعائر اسلام میں سے ہے، اس کی توہین کرنا خروج عن الاسلام کا سبب ہے لہٰذا بظاہر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین معلوم ہوتی ہے جس کی بنا پر موصوف اسلام سے خارج ہو چکا ہے، اس کے لیے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ تاہم اگر اس شخص کے ان الفاظ سے نماز کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ ناسمجھی یا کسی اور مقصد کی وجہ سے کہے تو اگرچہ اسلام سے تو خارج نہیں ہوا البتہ ان الفاظ سے توبہ کرنا ضروری ہوا ہے۔

لما قال العلامة مفتی عبدالرحیم: الفاظ مذکورہ سے بظاہر انکار اور نماز پڑھنا کی توہین لازم آتی ہے لیکن اسکی تاویل ممکن ہے بولنے والے کا مقصد یہ ہو کہ نماز اصل دین ہے لیکن عقیدہ کی درستگی مقدم ہے اگر عقیدہ فاسد ہو تو نماز نجات کیلئے کافی نہیں، اس لیے اس کہنے والے کو اسلام سے خارج نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اگر یہ شخص نماز نہ پڑھتا ہو اور نماز پڑھنے کو ضروری نہ جانتا ہو اس لیے نماز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں تو بے شک اسلام سے خارج ہو جائے گا اور توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱۰ ص ۴۳ کتاب الایمان)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی توہین کرنے کی سزا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پروفیسر ڈاکٹر یونس شیخ نے اپنی کلاس میں لیکچر کے دوران طلباء کے سامنے مندرجہ ذیل باتیں کی ہیں: (نقل کفر کفر نباشد)

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے۔ (معاذاللہ استغفراللہ ثم استغفراللہ)

(۲) چالیس سال کی عمر تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ختنے نہیں ہوئے تھے۔

(۳) حضورؐ نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی اور چونکہ اس وقت وہ نبی تھے اور نہ مسلمان اس لیے نکاح نہ ہوا۔

(۴) چالیس سال کی عمر تک آپؐ بغل کے بال اور زیر ناف بال نہیں کاٹتے تھے۔

(۵) آپؐ کے والدین غیر مسلم تھے۔

کیا یہ کلمات گستاخی رسول کے زمرہ میں آتے ہیں یا نہیں، اور اس شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ اگر گستاخ رسول توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں؟ یہ جو پانچ کلمات اس نے کہے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن وحدیث سے اس کے لیے مدلل جوابات دیئے جائیں۔ نیز ان کلمات کے بارے میں مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے ایسے مجرم کی حمایت کرنا جائز ہے؟ کیا کوئی مسلمان وکیل عدالت میں اس کی وکالت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وکالت کرتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسے مجرم کے رشتہ دار اس کی طرف سے وکیل کر سکتے ہیں اور وہ اس کی حمایت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ اس کی حمایت کریں تو ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک دور میں کسی ایسے گستاخ کو معاف فرمایا تھا؟ اب ایسے گستاخ رسولؐ کو معاف کرنے کا کسی کو اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالم اس کی حمایت کرے تو اس کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا گستاخ رسول اور مرتد کے احکامات اور سزا میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

سوال: کیا معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مسلم تھے؟

ج: (۱) اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد جملہ صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک اور منزہ ہیں، منها انه قبل النبوت

کفر و شرک کے ارتکاب کا تصور تک ہو سکتا ہے اور نہ بعد النبوت، اس لیے کہ نبوت اور کفر و شرک دونوں اضداد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے ایسی طبیعت اور نفس مرحمت فرمایا ہوتا ہے جو فطرتاً معصیت سے دور رہتا ہے اور فطرۃً عبودیت سے مزین ہوتا ہے حتیٰ کہ بچپن میں بھی وہ عبدیت کا اعتراف کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن ہی میں اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کا نعرہ زبان مبارک سے نکال کر اس بات کا اعلان کیا تھا۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں بھی لکھا ہے چنانچہ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: والانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلہم منزہون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح۔ (شرح فقہ اکبر ص۹۹ بحث ان الانبیاء)

علامہ النسفیؒ فرماتے ہیں: وفی عصمتہم عن سائر الذنوب تفصیل وھو انہم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمہور۔ (شرح عقائد نسفی ص۹۸)

علامہ ابن حزمؒ و امام ابو اسحٰق اسفرائنیؒ و ابن فورکؒ و ابن برہانؒ، نوویؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ تمام اہلسنت والجماعت کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: اِنَّہُمْ معصومون عن الصغائر والکبائر جمیعاً قال ابن حزم وبہ ندین اللہ وھو الصحیح۔

(بحوالہ ملفوظات حکیم الاسلام جز ۴ ص۲۴۲)

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ہر چہ ہم احقر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام از صغائر و کبائر قبل النبوۃ و بعد النبوۃ بہر طور کہ باشد معصوم اند۔ (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص۳۵۵)

علامہ ابو محمد عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے کوئی نبی بھی قبل از نبوت بھی کفر اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا۔ (عقائد اسلام ص۴۹)

علامہ مفتی عبد الرحیمؒ فرماتے ہیں: —

الجواب: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں۔ قبل از نبوت اور بعد از نبوت کفر و شرک بلکہ شائبہ کفر و شرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۹ ص۲۹ کتاب العقائد)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالم ازل (عالم ارواح) میں اپنی عبادت اور توحید کا، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت

دینے کا مضبوط عہد لیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (الاحزاب ۷)

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: (واذ) اذکر (اذ اخذنا من النبیین میثاقهم) حین اخرجوا من صلب آدم کالذر جمع ذرة وهی اصغر النمل (ومنك ومن نوح وابراهیم وموسى وعیسى ابن مریم) بان یعبدوا الله ویدعوا الی عبادته وذكر الخمسة من عطف الخاص على العام (واخذنا منهم میثاقا غلیظا) شدیدا بالوفاء بما حملوه وهو الیمین بالله تعالى۔ (جلالین مع صاوی جزء ۳ ص ۲۵۳)

ان جملہ عبارات سے وضاحت کے ساتھ یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل النبوت بھی مسلمان ہوتے ہیں اور بعد النبوت بھی ان پر کبھی بھی کفر و شرک کا زمانہ نہیں آیا ہے۔

(۲) خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو قبل النبوت یا بعد النبوت گناہ اور کفریہ عقائد کے ارتکاب کا تصور بھی محال ہے کہ جن کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم قرار پائیں اور ان کے نکاح کو ناجائز قرار دیا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تخصیص سے فرماتے ہیں: (و محمد علیه الصلوٰة والسلام نبیه وعبده ورسوله ونبیه وصفیه ونقیه ولم یعبد الصنم ولم یشرك بالله تعالى طرفة عین قط ولم یرتكب صغیرة ولا كبیرة قط۔ (شرح فقہ اکبر ص ۹۳، ۹۶ بحث فی اثبات نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

علامہ ملا علی قاریؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: (ولم یعبد الصنم) ای ولا غیره بقوله (ولم یشرك بالله طرفة عین قط) ای لا قبل النبوة ولا بعدها فان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام معصومون عن الكفر مطلقا بالاجماع ومن جوز بعضهم صدور الصغیرة بل الكبیرة قبل النبوة بل وبعدها ایضا فخص مقام النزاع وما هو صلى الله علیه وسلم فكما قال الامام الاعظم (ولم یرتكب صغیرة ولا كبیرة قط) (شرح فقہ اکبر ص ۶۶ بحث فی ان افضل الناس بعدہ الخ)

علامہ حافظ ابن کثیرؒ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی قبل تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں۔

لما اخرجہ احمد والبخاری فی تاریخہ والطبرانی والحاکم والبیہقی وابونعیم عن میسرۃ الفجر قال قلت یا رسول اللہ متی کنت نبیا قال وآدم بین الروح والجسد۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۳ باب خصوصیۃ النبی)

واخرجہ الحاکم والبیہقی وابونعیم عن ابی ہریرۃ قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم متی وجبت لک النبوۃ قال بین خلق آدم و نفخ الروح فیہ۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۴)

اس قسم کی متعدد روایات کے لیے الخصائص الکبریٰ کا مطالعہ کریں۔

ان جملہ روایات اور عبارات سے واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ایمان کی دولت سے مالامال تھے، آپ پر کبھی بھی غیر مسلم کا دور نہیں گزرا ہے اور نہ آپ سے کبھی کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہوا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا پیدا ہی پیغمبر ہوئے تھے۔

(۵) چونکہ آپ کی شریعت ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی اس لیے آپ چالیس سال تک دین ابراہیمی کے مطابق عبادت کرتے رہے۔

چنانچہ علامہ عینی و ابن حجر علامہ کرمانی اور ابوالعباس القسطلانی رحمہم اللہ شارحین بخاری فرماتے ہیں: وفی روایۃ وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی الخ وسئل ابن الاعرابی عن قولہ یتحنث فقال لا اعرفہ وسئلت ابا عمرو الشیبانی فقال لا اعرف یتحنث انما ھو یتحنف من الحنیفیۃ دین ابراہیم علیہ السلام قلت قد روی فی سیرۃ ابن ھشام یتحنف بالفاء (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۶۱، ارشاد الساری ج ۱ ص ۶۲، کرمانی ج ۱ ص ۳۲) کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں: یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت سے پہلے ادا کی تھی۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۱۲۱ آغاز وحی ملخصاً)

لہٰذا اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے پیغمبر کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ نبوت ملنے سے قبل غیر مسلم تھے، ان کی شادی غیر مسلمی کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے ان کا نکاح نہیں ہوا تھا تو یہ کفریہ کلمات ہیں۔ اس لیے کہ ان سب باتوں میں انبیاء کرام کی توہین ملحوظ ہے، لہٰذا ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل۔

(رد المحتار ج۳ ص۲۹۳ باب المرتد)

وقال العلامۃ ابن تیمیۃؒ: ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسلم او کافر فانہ یجب قتلہ ھذا مذھب علیہ عامۃ اھل العلم قال ابن المنذر اجمع عوام اھل العلم علی ان حد من سب النبی القتل۔

(الصارم المسلول ص۳ المسئلۃ الاولیٰ)

علامہ ابن عابدینؒ نے کتاب الخراج کے حوالے سے قاضی ابو یوسفؒ کا قول لکھا ہے کہ

وایما رجل مسلم سب رسول اللہ او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت منہ امرأتہ فان تاب والا قتل۔

(رد المحتار ج۳ ص۲۹۳ باب مطلب فی حکم سب الانبیاء)

تاہم اگر وہ صدق دل سے توبہ کرے صرف قانون سے بچنے کے لئے توبہ نہ ہو تو شریعت کے ہاں اس کی توبہ قبول ہوگی۔

قال ابو الحسین علی بن الحسین السعدیؒ من سب رسول اللہ فانہ مرتد ویفعل بہ ما یفعل المرتد۔ (النتف فی الفتاوی ج۲ ص۶۹۴ کتاب المرتد)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وظاھرہ قبول توبتہ کما لا یخفی۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۵ باب المرتد)

وقال ایضاً: ان مذھب ابی حنیفۃؒ والشافعیؒ ان حکمہ حکم المرتد وقد علمت ان المرتد تقبل توبتہ ولا یعد ما نقلہ ھنا عن النتف۔

(رسائل ابن عابدینؒ ج۱ ص۳۵۳ تنبیہ الولاۃ والحکام)

لہٰذا توبہ و تجدید ایمان کے بعد اس کو دوبارہ مسلمان کیا جائے گا۔

سوال: کیا چالیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ نہیں ہوا تھا؟

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے بارے میں شریعت مقدسہ کی کتابوں میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ ملائکہ نے پہلی بار شق صدر کے وقت کیا تھا۔

(۳) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ عربوں کی عام عادت کے مطابق آپ کے دادا جناب عبد المطلب نے ولادت کے ساتویں دن کرایا تھا اور لوگوں کی دعوت بھی کی تھی۔

لما قال العلامة شبیر احمد العثمانی: قد اختلف فی ختانه علی ثلاثة اقوال احدها انه ولد مختونا مسرورا وروی فی ذلک حدیث لا یصح ذکره ابن الجوزی فی الموضوعات ولیس فیه حدیث ثابت.......... والقول الثانی انه ختن صلی الله علیه وسلم یوم شق قلبه الملائکة عند ظئره حلیمة والقول الثالث ان جده عبد المطلب ختنه یوم سابعه وصنع له مأدبة وسماه محمدا۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۸ باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا)

ان تین اقوال کے علاوہ کوئی چوتھا قول کتب احادیث میں موجود نہیں جس سے پتا چلتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک غیر مختون تھے۔ اس بات کے غلط اور بے بنیاد ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو دین ابراہیمی کے شعائر پر عمل پیرا تھا اور یہ عمل (ختنہ) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ میں سے تھا اور عرب بھی روز اول سے اپنے بیٹوں کا ختنہ کراتے چلے آ رہے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ چالیس سال تک غیر مختون رہے۔ لہٰذا آپ کے بارے میں ایسا کہنا یا سمجھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و استخفاف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ استخفاف بھی کفر ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی: ولو قال لشعر محمد شعیر یکفر۔

(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۶)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: من سب رسول الله او یبغضه وکان ذلک منه ردة۔

(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۶)

لہٰذا اس استخفاف اور توہین کی وجہ سے وہ قائل کافر اور خارج عن الاسلام ہے حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس زندیق پولیس چیف کو قرار واقعی سزا دے۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں کی اور چونکہ اس وقت آپ نبی نہیں تھے اور نہ مسلمان، اس لیے نکاح نہ ہوا تھا؟

ج: سوال اول کے جواب میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آپ روز اول سے مسلم ہونے

پاکباز تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بالکل صحیح تھا اس کی صحت پر کوئی شک وشبہ نہیں۔ "نکاح نہیں ہوا" سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ سال عمر کے بعد ۴۰ سال کی عمر تک ۱۵ سال زنا میں مبتلا رہے۔ حالانکہ کائنات ارضی میں ایک پیغمبر کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ جس سے زنا کا ارتکاب تو کجا اس کا تصور بھی محال ہے حتیٰ کہ کسی نبی علیہ السلام کی اہلیہ کافرہ تو ہو سکتی ہے مگر زانیہ نہیں۔ لہٰذا کسی بھی نبی علیہ السلام کے بارے میں ایسے توہین آمیز کلمات کہنا یا الزام لگانا موجب کفر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔

لما فی الھندیة: سئل عمن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمھم علی الزنی و نحوہ الذی یقوله الحشویة فی یوسف علیه السلام قال یکفر لانه شتم لھم واستخفاف بھم۔ (الفتاوی الھندیة ج ۲ ص۲۶۳ باب موجبات الکفر)

س: کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر تک بغل اور زیر ناف کے بال نہیں کاٹے تھے؟

ج: زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنے کا رواج حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰة والسلام سے چلا آرہا ہے اور آپ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰة والسلام کے دین کے پیروکار تھے جبکہ زیر ناف بال وغیرہ صاف کرنا سنت ابراہیمی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد اسی ابراہیمی سنت پر عمل کرتے ہوئے زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف نہ کیے ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ عمل فطرت الانبیاء ہے، حدیث شریف میں ہے: عن عائشة قلت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عشرة من الفطرة: قص الشارب واعفاء اللحیة والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة انتقاص الماء۔ (ابوداؤد علی ھامش عون المعبود ج ۱ ص۲۶۳)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ای عشر خصال من سنن الانبیاء الذین امرنا ان نقتدی بھم کانا فطرنا علیھا وکذا نقل عن اکثر العلماء السنة الابراھیمیة۔ (بذل المجھود ج ۱ ص۲۹)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ھذہ الطھارات منقولة عن ابراھیم متداولة فی طوائف الامم الحنیفیة اشربت فی قلوبھم ودخلت فی صمیم

اعتقادهم عليها محياهم وعليها مماتهم عصمنا بعصمتهم ولذلك سميت بالفطرة وهذا شأن الملة الحنفية ولا بد لكل ملة من شعائر يعرفون بها ويعنفون عليها فيكون طاعتهما وعصيانهما امرا محسوسا (فتح الملهم ج ا ص۴۱۱ باب تحريم الرجال)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے دین ابراہیمی اور فطرت انبیاء کی مخالفت کرکے چالیس سال تک بغل اور زیر ناف بال نہ کٹے ہوں۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سخت عیب اور آپ پر افترا باندھنا ہے اور آپ کی توہین و استخفاف کرنا ہے جب کہ کسی بھی پیغمبر کے بارے میں ایسے توہین آمیز و معیوب کلمات کہنا سبب ارتداد ہے۔

لما في التاتارخانية: من لم يقر ببعض الانبياء او عاب نبيا بشيء، ولم يرض بسنة من سنن المرسلين فقد كفر (تاتارخانية ج ۵ ص۴۶۸)

اسی طرح صاحب تاتارخانیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ولو عاب النبي صلى الله عليه وسلم بشيء من العيوب يكفر۔ (تاتارخانية ج ۵ ص۴۶۹)

علامہ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ محیط کے حوالے سے لکھتے ہیں: في المحيط من شتم النبي واهانه وعابه في امور دينه او في شخصه او في وصف من اوصاف ذاته سواء كان الشاتم مسلما من امته او غيرها سواء كان من اهل الكتاب وغيره ذميا كان او حربيا سواء كان الشتم او الاهانة او العيب صادرا عنه عمدا او سهوا او غفلة او جدا او هزلا فقد كفر خلودا۔

(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص۳۸۶ الفاظ الكفر)

س: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین غیر مسلم تھے؟

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں امت کا اختلاف ہے کہ وہ اسلام لائے تھے یا نہیں؟ ان کی نجات ہوگی یا نہیں؟ یہاں تک تو یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے والدین کا انتقال آپ کو رسالت ملنے سے پہلے ہو گیا تھا اور یہ بھی یقینی ہے کہ ان کا انتقال دور فترت میں ہوا تھا لہٰذا ان کا تعلق اہل فترت سے تھا۔

لما قال العلامة جلال الدين السيوطيؒ: ثم رأيت الشيخ عز الدين بن عبد السلام قال في اماليه ما نصه كل نبي انما ارسل الى قومه الا نبينا صلى الله عليه وسلم فان قلنا هذا يكون ما عدا قوم كل نبي من اهل الفترة الا ذرية نبي سابق فانه

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کی شان اقدس میں گستاخی کرنا موجب کفر ہے جس کی سزا شرعاً قتل ہے۔

۸۔ تاہم اگر کوئی مرتکب شخص صدق دل سے توبہ کرے تو حنفیہ کے ہاں اس کی معافی کی گنجائش موجود ہے۔

۹۔ گستاخ رسول اور مرتد میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی سزا قتل ہے اور توبہ اس کی مقبول ہے۔

۱۰۔ کسی مسلمان کے لیے چاہے وہ عالم دین ہو یا کوئی جاہل ہو کسی مرتد یا گستاخ رسول کی کسی قسم کی زبانی، مالی، تقریری حمایت کرنا جائز نہیں اور ایسا کی صورت میں اس کے ایمان کے خروج کا بھی خطرہ ہے۔

## آدھا کلمہ پڑھنے پر دم نکل جائے تو

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دنیاوی زندگی میں بڑا پاکباز، نیکوکار اور نماز روزے کا پابند تھا، جب اس کی زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے تو اس کے رشتہ داروں نے بغرض تلقین اس کے سامنے باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا جس پر اس کی زبان سے بھی کلمۂ شہادت جاری ہو گیا، ابھی وہ اشہد ان لا الٰہ ہی پڑھ سکا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی الا اللہ پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس شخص کی موت کفر پر ہوئی یا اسلام پر؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا آخری وقت قریب ہو اور اس پر نزع کی حالت طاری ہو جائے تو پاس بیٹھنے والے درمیانی آواز سے کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کریں تاکہ قریب المرگ آدمی بھی پڑھ سکے، لیکن نہ تو زیادہ زور سے پڑھیں اور نہ مرنے والے کو پڑھنے کا کہیں، صرف تلقین و تذکیر کے لیے پڑھیں۔ اگر وہ کلمۂ شہادت شروع کرکے درمیان میں ہی دم توڑ جائے یعنی آدھا کلمہ پڑھ کر فوت ہو جائے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، اسلئے کہ کفر کا تعلق عمداً کلمہ کا انکار کرنے سے ہے۔ صورت مسئولہ کے مطابق اس شخص نے چونکہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ یا محمد رسول اللہ سے انکار نہیں کیا اسلئے دنیا سے مسلمان گیا ہے، امید ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔

## مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک استفسار

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص کافر گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور کفر کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی تقدیر ہے تو کیا جتنے کافر ہوتے ہیں اس کا کوئی قصور ہے جبکہ کافر ہونا اس کی تقدیر ہے تو اسے خلاف عقل کہہ دینا یا اسے قصوروار ٹھہرانا کیا صحیح ہے؟

## مسئلہ قضاء و قدر اور اس پر ایک نگاہ فکر

الجواب :- مسئلہ قضاء و قدر بے شک بہت مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ جبر و قدر میں ہر دور میں سب سے زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ثابت ہے کیونکہ اس کے اسرار و رموز پورے کے پورے مشکل سے ہی عقل میں آتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک خالق کائنات کا وجود تسلیم کرنے کے بعد اس کا انکار کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ جس نے بھی یہاں شریعت کی بیان کردہ راہ کو چھوڑی اس کو ہدایت کا انکار کرنا پڑا یعنی یا تو بندہ کو پتھر کی طرح مجبور محض ماننا پڑا اور یا اس کو خالقیت میں خالق کے برابر تسلیم کرنا پڑا۔ ہم یہاں آپ کے غور و فکر کی دعوت کے لیے چند سطور پیش کرتے ہیں ہو سکتا ہے ان سے مسئلہ حل نہ ہو مگر ممکن ہے کہ کسی حد تک اطمینان کا باعث ہو جائے۔ وبہ نستعین

جملہ اسلامی فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے اور یہ بات بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے وہ سب پہلے ضبط کتابت میں بھی آ چکا ہے اور اب عالم کا ایک ذرہ بھی اس کے خلاف جنبش نہیں کر سکتا۔ اس لیے بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اب انسانی افعال کی حقیقت کیا ٹھہری؟ کیا اس کو ان میں مجبور سمجھ لیا جائے یا مختار کہا جائے؟ اگر مختار کہا جاتا ہے تو لازمی طور سے اس میں قدرت اور اختیار کی صفت بھی تسلیم کرنی ہو گی۔ ادھر قدرت اور اختیار تسلیم کر لینے کے بعد پھر قضاء و قدر کے سامنے اس کو مجبور کہنے کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے اور اگر مجبور کہہ دیا جائے تو یہ ضروری ہو گا کہ اس میں قدرت و اختیار کی صفت کا بھی انکار کر دیا جائے۔ اس لیے قضاء و قدر کی بحث میں اصل نقطۂ غور طلب کہ افعال عباد یعنی بندوں کے افعال و کام ہی بن جاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے قبل جب آپ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کے سامنے دو قسم کی

مخلوقات نظر آتی ہیں گی۔ ایک وہ جو اختیار و ارادہ کے بالکل مالک نہیں وہ کھلے طور پر قدرتِ الٰہیہ کی مسخر ہوتی ہے۔ مثلاً آفتاب حرکت کرتا نظر آتا ہے یا زمین و آسمان میں جو بھی متحرک ہے یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں بلکہ ارادہ و قدرتِ الٰہیہ سے متحرک ہیں۔ دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جو بظاہر ارادہ و اختیار کی مالک نظر آتی ہے، یہ تین قسم کی ہے۔ ایک وہ جو صرف خیر ہی کا ارادہ کرتی ہے شر کا ارادہ کر ہی نہیں سکتی، یہ فرشتے کہلاتے ہیں۔ ان کی شان لا یعصون اللّٰہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون ہ (سورۃ ۔ ) ہے یعنی جو حکم ان کو ملتا ہے وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں نفی اور اثبات دونوں کو جمع کرنے سے اس مضمون کی تاکید مقصود ہے۔ دوسری مخلوق اس کے برعکس ہے وہ شر کے سوا خیر کا ارادہ کرتی ہی نہیں، یہ شیطان ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ہر دو نوع کے ارادہ کی مالک ہے، اور دونوں قسم کے ارادے کرتی بھی ہے، یہ حضرتِ انسان ہے۔ انسانوں کی بھی پھر تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم جس کا ایمان اور جس کی عقل و معرفت اس کی خواہشاتِ نفسانی پر غالب ہوتی ہے یہ قسم تو ترقی کر کے فرشتوں سے جا ملتی ہے۔ دوسری اس کے برعکس ہے، یہ برادرِ شیطان بن جاتی ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کی عقل اس کی قوتِ شہوانیہ کی مغلوب ہو جاتی ہے، یہ بہائم اور حیوانات سے ملحق ہو جاتی ہے۔ جس طرح ان جملہ مخلوقات کا وجود محض حق تعالیٰ کی بخشش ہے اسی طرح ان کا ارادہ و اختیار بھی اس کا عطا کردہ ہے۔

اب ہم پچھلے اصطلاحات اور مذاہب کی تفصیلات سے علیحدہ ہو کر سادہ طور پر اس مسئلہ پر نظر کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ بات ہم کو ماننا پڑتی ہے کہ بندہ میں اختیار و قدرت کی صفت یقینی ہے، اس کا انکار کرنا اپنے بدیہی وجدان کا انکار کرنا ہوگا۔ ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اختیاری حرکات اور ایک رعشہ زدہ شخص کی حرکات کے باہمی فرق کو خوب سمجھتا ہے اور ہرگز دونوں کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بندہ کا خود وجود اور اس کے ساتھ اس کی دیگر صفات کمزور اور ضعیف ہیں اسی طرح اس کی یہ قدرت اور اختیار بھی ضعیف و ضعیف تر ہے۔ دیکھئے انسان سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اس لیے اس کو شنوا اور بینا کہا جاتا ہے، مگر

چونکہ اس کی یہ صفات ضعیف ہیں اس لیے ان کی کچھ شرائط بھی ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو وہ
نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، پھر ان شرائط کے ساتھ جہاں وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہے وہاں
بھی کچھ دور چل کر اس کی شنوائی اور بینائی کی دونوں صفتیں معطل نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک
خاص فاصلے کے بعد نہ تو وہ کچھ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، مگر کیا اس کی اس معذوری پر
کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں سمع و بصر کی صفت ہی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں
یہاں دو رائیں پیدا نہیں ہو سکتیں، بالاتفاق یہی کہا جائے گا کہ ضرور ہیں مگر اتنی ضعیف
ہیں کہ زیادہ دور چل کر کام نہیں دے سکتیں۔ اگر صفت اختیار بھی ایسی ہی ضعیف صفت ہو کہ جس
کا کچھ دور تک تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے لیکن ذرا آگے چل کر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اس
ضعف کی وجہ سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دینا صحیح ہوگا؟ یا اگر اس کا اقرار کر لیا جائے
تو کیا پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ آخر تک اس کا اثر تسلیم کیا جائے۔ پس اگر ہم اپنے اختیار
کے اثرات کچھ دور چل کر معطل یا معدوم دیکھتے ہیں تو اس بنا پر ہم کو اپنے بدیہی وجدان
کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسی طرح اگر ہم اپنے وجدان کی بنا پر اپنے نفس
میں صفت اختیار تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ بھی کوئی لازمی امر نہیں ہے کہ پھر اس کے اثرات
بھی آخر تک تسلیم کرتے چلے جائیں۔ اس لیے ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس بات کے
اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم میں قدرت و اختیار کی صفت موجود ہے، مگر ہاں خود اس
صفت اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس
اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں، بلکہ ہماری یہ صفت مشیت الٰہیہ کے تحت اسی طرح جبری
حرکت کرتی ہے جس طرح ایک سنگ انداز کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر، کہ اس پتھر کو یہ
قدرت حاصل نہیں کہ وہ اس سمت کو چھوڑ کر جدھر سنگ انداز نے اس کو پھینکا ہے
کسی اور سمت چلا جائے، اسی طرح بندہ میں بھی یہ طاقت نہیں کہ وہ اس جانب کے سوا
جس جانب قدرت نے اس کے اختیار کو لگا دیا ہے کوئی ادنیٰ سی بھی حرکت کر سکے۔ لہٰذا
بندہ جو کرتا ہے یقیناً اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے، مگر وہ اپنے اختیار سے کرتا وہی
ہے جو مختار مطلق اس سے کرانا چاہتا ہے۔ پس اس لحاظ سے کہ ہم جو کرتے ہیں اپنے
اختیار سے ہی کرتے ہیں، مختار کہلاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ اختیار وہی کر سکتے
ہیں جو مشیت الٰہیہ ہوتی ہے، مجبور کہلاتے ہیں یا بندہ ہے مجبور، مگر یہ ایسا جبر ہے جو

جبر مطلق سے ممتاز ہے کیونکہ جبر مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس
ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی مومن کو کلمۂ کفر کہنے کے لیے مجبور کر دیا جائے، تو اگرچہ وہ کلمۂ کفر
زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا
ہے یا مثلاً ایک منافق زبان سے کلمۂ ایمان ادا تو کرتا ہے مگر یہاں بھی ظاہری خوف
اس کے باطنی ارادہ کے لیے مزاحم رہتا ہے۔ لیکن جو جبر یہاں ہے اس میں ارادۂ مجبور
کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ انسان جو افعال بھی کرتا ہے وہ اپنے احساس کے مطابق
آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے، حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اس کو بتا بھی دیا جائے
تو وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے۔ جس طرح یہاں بندہ کا جبر جبرِ مطلق سے ممتاز
ہے اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ وہ جو چاہے اختیار نہیں
کر سکتا بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار قادرِ مطلق نے اس کو دے دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے مگر چاہتا وہی ہے جو
اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے۔ اب اگر اس اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے
نفس کو مجبور کہتا ہے تو کہے، مگر وہ ایسا مجبور ہوگا جو معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ پروردگارِ عالم
کی خالقیت کا یہ کرشمہ بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبور شخص کو کس حکمت سے ایسا مختار
بنا دیا ہے کہ وہ اپنے گردوپیش میں اپنے احساس کے مطابق ادنیٰ سا جبر بھی محسوس نہیں کرتا
ہے حالانکہ جبری گرفت اس پر اس درجہ سخت ہوتی ہے کہ وہ جنبش کرنے کی بھی طاقت نہیں
رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے پیدا ہوئی ہے کیونکہ یہاں افعال پر جبر نہیں،
افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں مگر خود اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ کے
تحت ہوتا ہے اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر جبر افعال پر ہوتا
تو ضرور اس کا احساس ہوتا۔ یہ صفت اس صفتِ قدیر کی ہے کہ وہ بندوں کے اختیار
پر بھی حکومت کرتا ہے۔ قضا و قدر کے رازہائے سربستہ سب اسی نقطہ میں پنہاں ہیں۔
بندہ مجبور ہو کر اپنے مختار ہونے کا مدعی بھی اس لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار تو
اختیار محسوس ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی مزاحمت
محسوس نہیں ہوتی اس لیے فوقانی جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اور جب جبر و اختیار
اس طرح منظم ہو جائیں تو پھر اپنے افعال پر مسئول ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

کیا ایسا مختار بھی مسئول نہ ہونا چاہیئے جو اپنے وجدان میں بھی خود مختار ہو۔ اس فوقانی
جبر کا حال تو صرف انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ صورت یہ ہے کہ یا تو انسان ایک
طرف مختار مطلق بننا چاہتا ہے، ایسا مختار کہ تقدیر کے جبر کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں
ہوتا اور مسلمان ہو کر بھی اس کی تصدیق میں ہزار حجتیں نکالنے کو بیٹھ جاتا ہے اور دوسری
طرف جب تقدیر کا جبر تسلیم کرنے پر آتا ہے تو یہاں بھی اس کی روش معاندانہ ہی نظر
آتی ہے یعنی پھر جبر اور صرف اسی میں الجھنے لگتا ہے۔ وصدق اللہ عز وجل:
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (سورۃ) "انسان فطرتاً ہے ہی جھگڑالو"
حالانکہ سوچنا تو یہ چاہیئے تھا کہ کیا محکومیت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ محکوم ہمیشہ حاکم کے
زیر دست رہے۔ پھر یہاں تو رشتہ صرف محکومیت ہی کا نہیں بلکہ مخلوقیت کا بھی ہے۔
کیا یہ معقول نہیں کہ یہاں ہمارا غیر مستقل اختیار بھی مختار کل کی مشیت کا محکوم رہتا ہے؟
جب یہ بات سامنے رکھی جاتی ہے تو دنیا شور بپا کر دیتی ہے کہ ہم کو مجبور بنا دیا، حالانکہ
خود کی بات تو یہ تھی کہ جو پہلے سے موجود ہی نہ تھا وہ مختار تھا کس دن؟ پھر جتنا کچھ
مختار تھا تقدیر نے اس کو ختم کب کیا؟ بلکہ آئینی طور پر اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ پس یہاں تو
یہ احسان کہ ایک معدوم محض کو شرف وجود بخشا، پھر اپنی حکمت کاملہ سے ایک بیچارے محض
یعنی نطفہ کو سمیع و بصیر اور مختار بنا دیا، ادھر احسان فراموشی کی شکایت یہ ہے کہ مختار
کو مجبور بنا دیا۔ یہاں ایک مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ تقدیر اور بندہ کے اختیار کو
علیحدہ علیحدہ سمجھ کر تقدیر کو بندہ کے اختیار پر حاکم مانا گیا ہے، حالانکہ ہمارا اختیار بھی
خود تقدیر کے ہی دائرہ میں شامل ہوتا ہے۔ اسی قسم کا سوال ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امراض میں
دوا کا استعمال اور جنگ میں ڈھال استعمال کرنا کیا خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ یعنی جب
نہیں ٹال سکتا تو پھر ان کے استعمال کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کتنا مختصر
مگر کیسا تسلی بخش ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہؓ تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج سمجھے
ہوئے کیوں ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دوا کرو گے تو شفا پاؤ گے، ڈھال استعمال
کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے۔ پس ان کا یہ اسباب بھی احاطہ تقدیر میں
داخل ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ وبائے شام کے قصہ میں نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام کے پاس پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ شام میں تو وبا پھیل رہی ہے، یہ سنکر آپ نے اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے تعجب سے فرمایا اچھا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ (یعنی اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو پھر اس واپسی کا کیا فائدہ؟) حضرت عمرؓ نے حکیمانہ انداز میں اس کا جواب دیا، فرمایا "اے ابو عبیدہؓ! اگر دو وادیاں ہوں، ایک سرسبز اور دوسری خشک، بولو اپنے اونٹ کس میں چراؤ گے؟ اگر سرسبز وادی میں چراؤ اور یقیناً اسی میں چراؤ گے تو کیا یہ تقدیر سے گریز ہوگا یا یہ بھی اسی تقدیر کے تحت ہوگا؟ اسی طرح میری واپسی کو احاطۂ تقدیر سے باہر کیوں سمجھتے ہو؟ اگر موت کی وادی سے بچ کر جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوگا جبھی تو واپس جا رہا ہوں۔" (موطا مالکؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر و تقدیر میں جنگ نہیں ہے اور جنگ تو اس وقت ہوتی جبکہ تدبیر تقدیر کے احاطے سے کہیں باہر ہوتی۔ اب کہ تدبیر بھی تقدیر کا جزو بنی ہوئی ہے، تدبیر و تقدیر کے مراتب کو اس طرح محفوظ رکھنا یہ علوم نبوت کا فیض ہے۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے بیٹوں کو مصر روانہ کرتے ہیں تو نظر گذر کے خطرہ سے تحفظ کے لیے یہ فرماتے ہیں: یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ "اے میرے بیٹو! دیکھنا کہیں ایک ہی دروازے سے سب کے سب داخل ہو جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا (کہیں خاندانِ نبوت کو کسی کی نظر نہ لگ جائے)۔" ادھر تو بیٹوں کی نظر گذر سے تحفظ کی یہ تدبیر بھی کی جاتی ہے، ادھر لسانِ نبوت رمزِ تقدیر سے بھی آگاہ کئے جاتی ہے اور فرماتی ہے کہ: وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ "یعنی میری یہ تدبیر عالمِ اسباب کی ایک تسلی ہے جو مقدر ہو چکا ہے کہیں میں اس کو ٹال سکتا ہوں۔"

یہاں اس پر بھی غور کیجئے کہ جس کو آپ تقدیر کا جبر سمجھتے ہیں اس کی حقیقت ہے کیا؟ یہی کہ قسمت نے اپنے ہی دیئے ہوئے اختیار کو اپنے کنٹرول میں رکھا ہے یا یہ کہ جو اختیار عطا فرمایا تھا اس کو سلب کر لیا ہے۔ پھر اس جبر کا اثر ہے تو کہاں ہے؟

کیا ان اشیاء میں ہے جہاں آپ کو تقدیر سے قبل اختیار حاصل تھا یا ان میں جہاں پہلے آپ
مجبور تو تھے ۔ اس لیے یوں نہ کہیئے کہ تقدیر نے ہم مختاروں کو مجبور بنا دیا بلکہ یوں کہیئے کہ
ہم مجبوروں کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا۔ ایسا مختار بھی ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ
تھا۔ ایک مجبور محض نہیں بلکہ معدوم محض میں اختیار کا تصور کرنا ہی کب معقول ہے؟ یہ تو
مختار مطلق کا کرم تھا کہ اس نے محض اپنے کرشمۂ قدرت سے ایک جماد کو اختیار بخش دیا اور
اُس کے اس اختیار کے سامنے اپنا جبر ایسا پس پردہ کر دیا کہ اس عالم میں اس جبر کا ادراک
کرنا مشکل ہو گیا۔ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا
بَصِيرًا ۝ (سورۃ الدہر رکوع ۱) ۔ ذرا اور دقت نظر سے کام لیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا
کہ ہمارا یہ نا تمام اختیار قائم ہی تب رہ سکتا ہے جبکہ قدرت کا اختیار اس کے ساتھ ساتھ لگا
رہے۔ اگر قدرت کا اختیار کہیں اس کی سرپرستی چھوڑ دے تو ہمارا اختیار خود بخود فنا ہو جائے
اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ بچہ جب ضد کرتا ہے کہ وہ چلے اور اپنے پیروں ہی
چلے حالانکہ اس کے والدین جانتے ہیں کہ اس غریب کے پیروں میں خود چلنے کا دم نہیں ہے
اس لیے اپنی طاقت سے اس کو چلاتے ہیں اور جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے اسی طرف
چلاتے ہیں۔ اس کا نا تمام اختیار جب اسی طرح والدین کے اختیار مستقل کے سہارے
کام کرنے لگتا ہے تو اس بچہ کے ارمان تو یوں پورے ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی ضد تھی
وہ پوری ہو گئی اور والدین یوں خوش ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کا بچہ خوش ہو گیا اور
ان کا کچھ بگڑا بھی نہیں۔ اور اگر کہیں یہ بچہ اس بات کی ضد کر بیٹھے کہ والدین کی دستگیری کے
بغیر خود اپنی ہی طاقت سے چلے تو ظاہر ہے کہ جتنا فاصلہ اپنے اس نا تمام اختیار کے ساتھ
اس نے طے کر لیا تھا یہ بھی طے نہ ہو۔

یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ بچہ تو اپنی مشیت بھی رکھتا ہے اور کچھ طاقت
بھی ادھر اس کے والدین گو طاقت اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں مگر اپنی مشیت اور
اپنی طاقت کو اس بچہ کے تابع بنائے رکھتے ہیں اور ادھر ہی اس کو صرف کرتے ہیں جدھر
وہ بچہ ارادہ کرتا ہے۔ مگر خالق کے معاملہ میں بندہ کی مشیت کی ہستی ہی نہیں ہوتی، وہ اگر

کچھ قدم چل سکتی ہے تو خالق کی مشیت کے سہارے سہارے ہی چل سکتی ہے۔ وما تشآءون الا
ان یشاء اللہ۔ یعنی تم ارادہ بھی وہی کر سکتے ہو جو مشیت الٰہیہ چاہتی ہے۔ تعجب ہے کہ
اتنی مجبوریت کے باوجود اگر سطحی نظر ڈالیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم میں مشیت الٰہیہ
ہمارے ارادے کے تابع بنی ہوئی ہے اور جو ہم کرنا چاہتے ہیں وہی وہ پورا کر رہی ہے۔
یہ تمام کرشمہ اسی حکمت کا ہے کہ ہمارے افعال پر قدرت نے جبر نہیں فرمایا بلکہ خود مختاری کو اپنے اختیار میں لے رکھا ہے، چنانچہ مجبور محض ہونے کے باوجود ہمارا احساس
بھی رہتا ہے کہ ہم مختار مطلق ہیں اور اس عالم کے لحاظ سے یہ غلطی بھی نہیں۔ جو تدبیر یہاں
ہے وہ عالم غیب کے لحاظ سے ہے اور وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کے
سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ اس معاملہ میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان پر اعتماد
کیا جائے یہاں دلائل کے انبار بھی لگا دیئے جائیں تو انسان اپنے ذاتی وجدان کے
بالمقابل ان کو باور نہیں کر سکتا۔ اسی لیے یہاں اسلام نے صرف تسلیم و رضا کی تعلیم دی کہ
جب حقیقت سے بے خبر بھی نہیں رکھا اور اس کو پورے طور پر حل کرنا چونکہ ہمارے بس
سے بالاتر تھا اس لیے اس بارے میں بحث کرنے سے بھی روک دیا۔ فاتبعوہ هذا
صراط مستقیم۔

**مسئلہ مجازات** | جزا اور سزا کے مسئلہ میں الجھنا بھی بیکار ہے۔
اول تو اس لیے کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ مالک اور خالق سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا چونکہ
مالک کی تعریف ہی یہ ہے کہ ہر قسم کا تصرف کرنے کا مجاز ہو۔ آپ ایک چیز عاریۃً لیتے
ہیں، کرایہ پر بھی لیتے ہیں مگر یہاں تک اس کی حفاظت بھی آپ ہی کے سر پڑتی ہے، اور
آپ صرف وقت مقررہ تک وہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے کے
مختار ہوتے ہیں، اس کو فروخت نہیں کر سکتے، ہبہ نہیں کر سکتے، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں
کر سکتے، اس کو توڑنا اور خراب کرنا تو دور کی بات ہے۔ لیکن جن چیزوں کے آپ مالک کہلاتے
ہیں ان میں آپ کو ان تمام تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے بلکہ کسی قیمتی چیز کے ضائع کر دینے
پر بھی آپ مسئول نہیں ہو سکتے۔ جب ایک مجازی مالک کے حقوق یہ ہیں تو حقیقی مالک کے

حقوق کیا ہوں گے، پھر یہاں صرف علاقہ ایک ملوکیت کا ہی نہیں مخلوقیت کا بھی ہے۔
اور چونکہ اس نے بلا شرکت غیرے پیدا فرمایا ہے اس لیے مالکیت حقیقیہ کا حق بھی صرف
اسی کا رہنا چاہیئے۔ اب ایسے مالک سے جو خالق بھی ہو جنہاد وسرا کا سوال ہی کیا۔

دیکھیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مالکیت نہیں صرف ملوکیت عطا
فرمائی تھی اور وہ بھی بہت محدود پیمانہ پر، لیکن اس ناتمام ملوکیت کے لیے بھی جو اختیار کی
شان عطا فرمائی وہ قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے: ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک
بغیر حساب - یہ ہماری بخشش ہے، اب آپ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں
آپ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "البدایہ والنہایہ" کی جلد دوم میں
تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی مرحمت
فرمائی گئی تھی اس لیے یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ یہ بادشاہت ہے تو ہمارا عطیہ مگر چونکہ بادشاہ
سے کوئی باز پرس نہیں ہوا کرتی اس لیے جاؤ اس بارے میں تم سے بھی کوئی حساب نہیں ہوگا۔
اسلام میں غلامی کے مسئلہ سے خدا کی مالکیت کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ وہ صرف یہ جتلانے
کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ جو مولائے حقیقی اور مالک حقیقی کی مالکیت پر راضی نہیں ہوتا اس کو
پھر غلاموں کی مالکیت پر راضی ہونا پڑتا ہے مگر اس مالکیت کے بھی جتنے حقوق ہیں وہ
اس سے ظاہر ہیں کہ جو ابھی ابھی غلامی سے قبل خود مالک بننے کی اہلیت رکھتا تھا حکومت
کا لفظ کسی بھی پہلو سے اس پر مانع نہیں ہو سکتا تھا، ہر تصرف اس کا نافذ اور ہر حکم اس کا
لاحق تھا وہی غلامی کے بعد اس طرح مملوک بن جاتا ہے کہ مالکیت کی اس میں اہلیت ہی
نہیں رہتی، نہ اس کا کوئی تصرف درست ہوتا ہے نہ کوئی حکم نافذ ہونے کے قابل ہوتا
ہوتا ہے۔ اور اس کے مالک کو اس کے بیچ ڈالنے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ
اگر وہ اس کو مار بھی ڈالے، جب بھی بعض ائمہ کے نزدیک گو اس کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو
مگر دنیا میں اس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔

پس جبکہ مالکیت و خالقیت کی ادنیٰ سی مشابہتوں کے بعد سوال و جواب کا مرحلہ

ختم ہو جاتا ہو تو جہاں یہ دونوں باتیں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوں بھلا
وہاں بھی سزا اور سوال کا حق کس کو ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ
وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۰ (سورۃ … آیت … )

دوم آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا ہے کہ آخر اس عالم کی آفرینش ہوئی کیوں؟
یہاں صرف ذات جامع صفات کا ایک اقتضا ہی تو تھا لہٰذا اب جس صورت سے بھی
یہ اقتضا پورا ہوگا وہی مناسب ہوگی۔ کمال یہ چاہتا ہے کہ مہر و قہر دونوں ہی کا ظہور ہو
اس لیے ضروری ٹھہرا کہ دونوں کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں، اور چونکہ جزا و
سزا کا عنوان یہ چاہتا ہے کہ جزا میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے عمل پر اچھی جزا
اور برے عمل پر اس کی سزا دی جا سکے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے
دیا جائے اس تناسب کے لیے جتنا اختیار عقلاً ممکن تھا وہ عطا کر دیا گیا اور اسی پر
جزا و سزا کو دائر کر دیا گیا۔ اب جب بھی بندہ اپنے اس عطا کردہ اختیار سے کوئی برا
عمل کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی برا کہلاتا ہے، اور اگر بھلا (اچھا) عمل کرتا ہے بھلا کہلاتا ہے
جب اس کے ان افعال پر دنیا میں تعریف و مذمت کرنا معقول ہوگئی تو آخرت میں
معقول کیوں نہ سمجھی جائے؟ ؎

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر
بلا میں پھنسنے کو کچھ اختیار لیتا جا

رہ گئی یہ بات کہ جب برے اعمال کرنا بری بات ہے تو ان کا پیدا کرنا کمال کیوں کر
سمجھا جائے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے۔ انسان جب کوئی
عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہو جاتا ہے جیسے کپڑے کے ساتھ
سفیدی اور سیاہی۔ اب جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں تو
ان اعمال کے لحاظ سے بندہ کو برا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے، مگر مخلوق خالق سے علیحدہ
رہتی ہے وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہو جاتی۔ البتہ بری مخلوق خالق کی صفت
نہیں ہو سکتی، البتہ اس کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے، صفت خلق بہرکیف کمال

ہے، اسی لیے ناقص نہ تھی بلکہ پیدا کرنا مقصد ہے نہ قبیح، کیونکہ خلق مطلقاً ایک کمال ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ خلق شر کمال کیوں ہے؟ تو یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ جب خلق کفر میں بھی ہزارہا مصلحتیں ہیں تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

شاعر یہاں یہی مضمون کہہ رہا ہے کہ عالم میں کفر کا وجود اس لیے ضروری ہے کہ اگر ابولہب جیسا کافر نہ ہو تو پھر جہنم کی پیدائش کا کیا فائدہ؟

بہرحال خدا کی ہر دو کمال دونوں قسم کی طاقتوں ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کافر کے حق میں کفر کتنا ہی قبیح کیوں نہ ہو لیکن خالق کے حق میں تو مظہر کمال ہوتا ہے۔

دیکھئے بیت الخلاء یعنی پاخانہ خود کتنی ہی گندی چیز ہو لیکن ایک بڑی سے بڑی کوٹھی اس وقت تک ناقص ہی سمجھی جاتی ہے جب تک اس میں یہ ناقص اور ناقص چیز موجود نہ ہو۔ جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے اسی طرح عالم کے کمال کے لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مومن کامل کے بالمقابل ایک ابوجہل جیسے کافر کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح ایک کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کہ زمین کے اس ٹکڑے نے کیا قصور کیا تھا کہ اس پر بیت الخلاء بنا دیا اور اس ٹکڑے میں کیا کمال تھا کہ اس کو نشستگاہ بنا دیا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ابولہب نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں کیا کمال تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا؟ یہ سب مالک الملک کے اپنے ارادہ اور اپنی مرضی کی بات ہے کسی کو اس میں دخل در معقولات کا حق نہیں ہے ؎

ابلیس کو دیا ناز تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد قرآن کریم میں زیر تفسیر آیت کریمہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۵ (سورۃ الکہف آیت ۴۹) مسئلہ تقدیر کا

حل اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

"اب جو کرے ظلم نہیں سبب اس کا یہ ہے، ظاہر ہیں جو ظلم نظر آتے وہ بھی نہیں کرتا۔ بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا، اور نیکی ضائع نہیں کرتا اور جو کوئی کہے (یعنی اعتراض کرے) کہ گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے تو سو یہ بات نہیں ہے اپنے دل سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے تو اپنے قصور سے دوڑتا ہے۔ اور جو کوئی ایسی کہے کہ قصد بھی اسی نے دیا، تو قصد دونوں طرف لگتا ہے اور جو کوئی کہے کسی نے ایک طرف لگا دیا، سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے، بندے سے معاملہ ہوتا ہے اس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا کسی کو جو اس سے بدی کرے یہ نہ کہے کہ اس کا کیا قصور خدا نے کر دیا" اھ

ان سطور کو بار بار بغور پڑھئے تو مسئلہ تقدیر کا حل جتنا واضح اور جتنی سادگی سے آپ کو یہاں ملے گا بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہیں ملے گا، بلکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہو اعتراض برائے اعتراض نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

نوٹ: "مسئلہ تقدیر اور مجازات" کے متعلق یہ تفصیل بندہ نے چند اہم کتابوں سے جمع کی ہے جس میں اکثر حصہ "ترجمان السنۃ" مؤلفہ حضرت مولانا الحاج محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا ہے۔ ان تفصیلات کا بغور مطالعہ کرنے سے ان شاء اللہ العزیز مسئلہ تقدیر اور مجازات سمجھ میں آجائے گا۔

## ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ اور اس کی تحقیق

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک غیر مقلد عالم دین نے بر سر منبر یہ مسئلہ بیان کیا کہ اچھے اعمال کرنے سے ایمان بڑھتا ہے اور برے اعمال کے صدور سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور بطور دلیل اس پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیں۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے اس مسئلے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی واقع نہیں ہوتی۔ غیر مقلد مولوی صاحب نے مسئلہ صحیح بیان نہیں کیا۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں؟

**الجواب:**۔ ایمان میں کمی اور زیادتی ہونے اور نہ ہونے کا مسئلہ زمانہ قدیم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف کی اصل وجہ ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے۔

(۱) جمہور محققین کے ہاں ایمان صرف تصدیق قلبی سے عبارت ہے اور اقرار باللسان وغیرہ اس کے شرائط ہیں۔ امام سرخسیؒ اور علامہ بزدویؒ وغیرہ کے نزدیک تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کا نام ایمان ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے الفقہ الاکبر میں الایمان هو الاقرار والتصدیق کا مقولہ درج ہے۔ جبکہ محدثین عظام کے ہاں ایمان تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے عبارت ہے اس لحاظ سے جن کے ہاں ایمان ان تین اشیاء سے عبارت ہے اُن کے ہاں تو ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور جن کے ہاں ایمان تصدیق قلبی سے عبارت ہے اُن کے نزدیک ایمان میں کمی و زیادتی پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن اگر اس اختلاف پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی نزاع ہے اس لیے کہ ایمان کے تین معنی ہیں:۔

۱۔ نفس ایمان یعنی هو التصدیق بما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے جس میں گھٹنا اور بڑھنا دونوں نہیں آتے البتہ شدت اور ضعف پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کمی و زیادتی کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) مجازی۔ حقیقی میں اشیاء کی کمیت اور مقدار میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور مجازی میں کیفیت کے اعتبار سے شدید اور ضعیف ہوتی ہیں۔ تو ایمان کی اس تعریف میں کمی و زیادتی سے کمیت اور مقدار کی نفی مراد ہے

کیفیت کی نہیں۔

۲۔ ایمانِ دیانت: دنیاوی احکام اس شخص پر لازم ہوتے ہیں جو زبان سے کلمہ کا ورد کرے۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے دنیاوی احکامات کے اجراء کے لیے اقرار باللسان کو لازم قرار دیا ہے۔

۳۔ ایمانِ کامل: جس ایمان پر اُخروی نجات بلا حساب و کتاب موقوف ہے، ایمان کی اس قسم کے لیے اعمالِ صالحہ کی شدید ضرورت ہے۔ اور یہ خیال ہی کی وجہ سے

تو علمائے کرام نے ایمان کی اس قسم کے لیے اعمالِ صالحہ کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، مگر پھر بھی جو شخص اعمالِ صالحہ قصداً و عمداً ترک کرے اُن کے ہاں وہ کافر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کامل ایمان کے لیے ضروری ہیں نفسِ ایمان کے لیے نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ صرف لفظی اور لفظی نزاع ہے، حقیقت میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ پنجگانہ کا تارک ہو یا کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو محدثین کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں، صرف فاسق و فاجر شمار ہوگا اور آخرت میں اپنے اعمالِ بد کی سزا پانے کے بعد نجات حاصل کرے گا۔ اگر محدثین حضرات کے ہاں اعمال نفسِ ایمان کا اجزاء ہوتے تو وہ ضرور اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتے اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے (جیسے خوارج کہتے ہیں) یا کم از کم اس کو ایمان و کفر کے درمیان رکھتے (جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے)۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ محدثین کے ہاں بھی اعمال نفسِ ایمان کا جزو نہیں بلکہ ایمانِ کامل کا جزو ہیں۔ اس لیے کہ ایمان میں کمی بیشی اعمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مذکورہ صورت کے مطابق ایمان کی زیادتی اور کمی کے بارے میں جو آیات مبارکہ اور احادیث ذکر کی ہیں وہ سب ایمانِ کامل کے بارے میں ہیں ورنہ تصدیقِ قلبی جو نفسِ ایمان ہے اس کے لیے قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کافی دلائل موجود ہیں۔ مشہور مفسرِ قرآن علامہ قاضی بیضاویؒ نے سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی ایمان کے بسیط ہونے کے دلائل ذکر کیے ہیں، مثلاً: اولٰئک کتب فی قلوبہم الایمان (الآیۃ) ... وقلبہ مطمئن بالایمان ... ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (الآیۃ) — اور بسیط میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی اور یہ نفسِ ایمان ہے۔ اسی نفسِ ایمان کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کے قول "ایمانی کایمان جبریل"

المؤمنون مستوون في الكمالات معمول بہ ہیں۔ اس لیے نفس ایمان تمام مؤمنین کا یکساں اور ہر انسان کا ایمان اور بڑے سے بڑے فرشتے کا ایمان یکساں ہے اور وہ کمی بیشی قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیق مقولہ کیفیت سے عبارت ہے مقولہ کمیت نہیں اور کیفیت میں شدت وضعف تو آتا ہے مگر کمی وزیادتی نہیں آتی۔ لہذا اچھے اعمال کے سبب کامل ایمان میں زیادتی اور برے اعمال کے ارتکاب کے سبب کامل ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن جس ایمان پر نجات آخروی کا مدار ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

## ایمانی کایمان جبریل

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے یہاں غیر مقلد ساتھی کا کہنا ہے کہ امام محمدؒ نے اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل کو ایسا فرمایا ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسا الفاظ نہیں کہنا چاہئیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا امنت بما امن بہ جبرئیل۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مذکورہ قول کی مخالفت کی ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ امام صاحبؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل کا کیا مطلب ہے؟ کیا امام صاحبؒ کا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کے برابر ہے؟

الجواب: امام محمدؒ کے حوالے سے یہ کہنا کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ایمانی کایمان جبرئیل کے بجائے امنت بما امن بہ جبرئیل کہنا چاہئے درست ہے لیکن یہ بات غلط ہے کہ آپ نے اپنے استاد کی مخالفت کی ہے بلکہ آپ اپنے اس قول سے اس وہم کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی جمیع وجوہ سے اپنے ایمان کو حضرت جبرئیل کے ایمان سے تشبیہ دینے لگے کسی کا بھی ایمان انبیاء و ملائکہ کے برابر نہیں ہے بلکہ دونوں کے ایمان میں فرق بیّن ہے جیسا کہ شارح فقہ اکبر ملا علی قاری فرماتے ہیں: ومن هنا قال الامام محمد رحمه الله تعالى لا اقول ايماني كايمان جبرئيل عليه السلام ولكن يقول آمنت بما آمن به جبرئيل عليه السلام. انتهى. وذلك لان الاول يوهم ان ايمانه كايمان جبرئيل عليه السلام من جميع الوجوه وليس الامر كذلك بل بينهما بون بعيد وفرق بين لا يخفى. (شرح فقہ اکبر ص ۸۶، ۸۸ الایمان لا یزید ولا ینقص) ۔۔۔ جہاں تک امام صاحبؒ کے قول ایمانی کایمان جبرئیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو اس کا مطلب بھی جمیع وجوہ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں بلکہ نفس ایمان یعنی التصدیق بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم میں مماثلت بیان کرنا ہے اور نفس تصدیق میں کسی کا ایمان بھی کم یا زیادہ نہیں ہوتا جس کے امام محمدؒ بھی قائل ہیں اور وہ بھی بعض وجوہ میں دونوں کے ایمان میں مماثلت کے قائل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ائمہ کے اقوال میں کوئی مخالفت نہیں ہے ۔۔۔ مزید تفصیل کے لئے ملا علی قاری کی کتاب شرح فقہ اکبر اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتاب ادلہ کاملہ اور ایضاح الادلہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

رفیع الدین دہلوی نے علامات قیامت کے ضمن میں ان چیزوں کو بھی مفصل اور یکجا جمع کیا ہے اس رسالہ کی بنیاد آیات قرآنیہ اور مستند احادیث نبویہ پر ہے۔ یہاں ان کے رسالہ علامات قیامت سے اقتباساً مختصر حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ اس سے قبل ماہ رمضان چاند اور سورج گہن لگ چکا ہوگا اور بیعت کے وقت آسمان سے آواز آئے گی ھذا خلیفۃ اللہ المہدی فاستمعوا لہ واطیعوا یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے اس کا حکم سنو اور مانو اس آواز کو اس جگہ تمام خاص و عام سن چکے حضرت امام سید اور اولاد فاطمہ سے ہوں گے آپ کا قد و قامت قدرے لمبا بدن چست رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہوں گے آپ کا اسم شریف محمد والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے آپ کا علم لدنی رضا داد ہوگا بیعت کے وقت عمر چالیس سال کی ہوگی خلافت کے مشہور ہونے پر ہر جگہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ پہنچ جائیں گی شام عراق اور یمن کے اولیاء کرام اور ابدال عظام آپ کی صحبت میں اور ملک عرب کے بے شمار آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے جس کو تاج الکعبہ کہتے ہیں نکال کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے رائے مفصل حالات میں ہیں یہاں تک کہ دجال کے دمشق پہنچنے سے قبل حضرت امام مہدی علیہ السلام دمشق آچکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب و ضرب تقسیم کر چکے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا لوگ نماز کی تیاری میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر ٹیک لگائے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ۔ پس سیڑھی حاضر کی جائے گی آپ اس کے ذریعہ سے فرود ہو کر حضرت امام مہدی سے ملاقات فرمائیں گے امام مہدی نہایت تواضع اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آئیں گے وجمع سلطنت وغیرہ اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیونکہ تمہارے بعض بعض کے لئے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے حضرت عیسیٰ ابن مریم اقتدا کریں گے اور اس کے بعد دونوں اکٹھے ہو کر دجال کا مقابلہ کفر و ضلالت استیصال کریں گے تمام زمین امام مہدی کے عدل و انصاف کے چمکاروں سے منور و روشن ہو جائے گی ظلم بے انصافی کی بیخ کنی ہوگی آپ کی عمر ۴۹ سال ہوگی بعد ازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی جنازہ کے

کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ آجائیں گے دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام چالیس سال رہے گا۔ یہ تمام حالات صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہیں تفصیل کے لیے شاہ رفیع الدینؒ "کتاب علامات قیامت" دیکھئے۔ واللہ اعلم! —

جواب سوال ۳ - اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے قرآن کے بے شمار نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں نزول عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں اس کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں کہ علمائے نے مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔

حضرت علامہ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب میں حیات مسیح و نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز سے ثابت کیا ہے کہ تمام روایات متعددہ اور احادیث معنی تواتر کے حد تک پہنچ گئی ہیں ہاں یہ کہ عیسیٰ ابن مریم ہیں کہ کوئی اور عیسیٰ تو اس بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف ابن مریم کہہ کر ان کو متعین اور کہ ابن کی جگہ کاٹ دی ہے عیسیٰ کا لفظ اکثر روایات میں ذکر ہی نہیں تاکہ کل کوئی دجال اس نام سے غلط فائدہ نہ لے سکے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدی لیوشکن ان ینزل ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد۔ (حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۹ بحوالہ مسلم ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۶)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے رب کی قریب ہے کہ مریم کا بیٹا تم میں اترے جو عادل و منصف فیصلہ کرنے والے ہیں صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ قبول کرنے کے احکام صادر کریں گے مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

بخاری شریف مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے۔

قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص [illegible])

اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارے امام (مہدی) تم ہی میں سے ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

عن الفضل بن یسار عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لھذا الامر وقت فقال کذب الوقاتون کذب الوقاتون کذب الوقاتون۔

(نصیحۃ الشیعۃ ج ۲ ص ۳۳۰ بحوالہ اصول کافی ص ۲۳۲)

فضل بن یسار امام باقرؒ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ کیا اس امر خروج مہدی کے لیے کوئی وقت مقرر ہے امامؒ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جھوٹ بولا تھا وقت مقرر کرنے والوں نے۔

(فقط واللہ اعلم)

## حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والے لوگ مسلمان تھے

**سوال:** جناب مفتی صاحب! کیا حضرت ابراہیمؑ کو ماننے والے لوگ یا آپ کی امت اسلام پر تھی یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اس وقت یا آج سے چودہ سو سال پہلے کافروں کو جو تھوڑا بہت دنیاوی فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلے سے دے رہا ہے کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۵ میں ہے:-

(ترجمہ) "جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے"

کیا مندرجہ بالا ترجمے میں اللہ تعالیٰ کافروں کو جو تھوڑا بہت فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

**الجواب:-** جو لوگ جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ مومن مسلمان تھے اور جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ کافر تھے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ زمین پر جب تک اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا ایک انسان بھی موجود ہو گا قیامت نہ آئے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے آباد رہنے کا مدار مسلمان ہی ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

## کیا قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

سوال:۔ قرآن کریم کی آیت فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل مسلم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا جبکہ احادیث شفاعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اس تعارض کو کس طرح دور کیا جائے گا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ مقتول کی موت اسی وقت مقدر تھی اس لیے قاتل پر مواخذہ نہیں ہوگا، جبکہ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ بے گناہ قتل ہو جانے والا شہید ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مقتول کی موت اسی وقت مقرر تھی تو وہ شہید کیسے ہوگیا اور قاتل کیونکر جہنم میں ڈالا جائے گا؟ اور اگر یہ قاتل پیش امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آدمی اگرچہ بہت سے کبیرہ گناہ کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جائے لیکن جب وہ مومن ہو تو ضرور اللہ عزوجل کی مغفرت سے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گناہوں کی سزا بھگتنے اور میعاد سزا ختم ہو جانے کے بعد ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا اور ایمان کی بدولت ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔

اسی عقیدہ کے مطابق فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا کی توجیہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ قاتل ایک مدت دراز تک جہنم میں پڑا رہے گا پھر نکال کر جنت میں لایا جائے گا نہ یہ کہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اسی توجیہ کے مطابق خلود سے مراد مکث طویل و دیرپا رہنا ہے نیز اسی وقت ممکن ہے کہ قتل مسلم حلال جان کر نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر قاتل نے مقتول کو حلال جان کر قتل کیا ہو تو اس صورت میں قاتل بوجہ استحلال حرام قطعی کے کافر ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ (العیاذ باللہ منہا) اسی تقدیر کی بناء پر خلود سے دوام مراد ہوگا۔

علامہ حافظ جلال الدین السیوطیؒ، علامہ قاضی خانؒ، علامہ بیضاویؒ اور دیگر مفسرین اس کی تشریح فرما چکے ہیں۔ اب آیت کریمہ اور حدیث شفاعت میں مخالفت نہیں رہی۔ — باقی رہی یہ بات کہ علماء کہتے ہیں کہ مقتول کی موت اسی طرح مقدر تھی، تو یہ شہید کیسے ہوگیا اور قاتل جہنم میں جانے کا مستحق کیوں ہوگیا؟ تو اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے چاہیے کہ مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ فرمائی جائے:۔

(الف) ایک مسلمان اگر یہ چاہے کہ میں دنیا سے رخصت ہوکر خدا کے دربار میں ایسی حالت میں حاضر ہوں کہ میرے پاس ایمان کی دولت ہو تو اس کے لیے سب سے پہلے اس چیز کی ضرورت

ہے کہ وہ اپنے ایمان اور عقائد کی بنیاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور احکام پر رکھے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے جو حکم ملے تو بلا چون و چرا اسے اعتقاداً تسلیم کرے اور دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے اور عملاً اس کا پابند رہنے کی کوشش کرے نیز اسرار اور حکم کی تلاش تو یہ اگرچہ اچھا کام ہے مگر صرف مزید اطمینان قلبی کے لیے ہے نہ کہ اصل ایمان کے لیے۔ تو اگر کسی حکم خداوندی کی وجہ اور حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ اس میں فی الواقع کوئی حکمت اور مصلحت ہے ہی نہیں بلکہ ہمارے عقل کی رسائی اس حکمت تک نہیں ہوئی ہے۔

رہا یہ کہ دنیا میں جتنے بھی نظام پہلے گزر چکے ہیں یا اس وقت روئے زمین پر قائم ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نظام نہیں کہ اس کے پہلے قوانین اور ان کی پابندی اور ان کی خلاف ورزی کرنے پر سزا اور جزا دینے کے اصول نہ ہوں، بلکہ ہر نظام کی کامیابی کے لیے قوانین اور اصول ہوتے ہیں۔ جو ان کی پابندی اور احترام کرتا ہے اسے اچھا بدلہ ملتا ہے اور جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

رہی یہ کہ کسی نظام کو چلانے والے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو قوانین کے مطابق سزا دیتے ہیں تو کوئی عقلمند انسان ان کے اس فعل کو قابل اعتراض نہیں سمجھتا۔ ورنہ اس بات میں تردد ظاہر کرتا ہے کہ کیوں اس طرح کیا جبکہ جرم ثابت شدہ اور عیاں ہو چکا ہو۔ اگرچہ یہ سب کچھ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

اب اصل جواب یہ ہے کہ دین اسلام اور شریعت محمدی ایک الٰہی نظام ہے۔ اس نظام کے اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی بندوں پر اس لیے لازم کر دی گئی ہے کہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ بات ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوچنے سمجھنے اور جاننے کی توفیق عطا فرما رکھی ہے۔ بھلائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے، انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ آنحضرت کے اختیارات بخشے ہیں اور انہیں یہ بھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ جس نے بھی اپنے اختیار اور ارادے سے نظام الٰہی کے اصولوں سے انحراف یا خلاف ورزی کی اسے سزا ضرور ملے گی اور جس نے الٰہی نظام کے اصولوں کی پابندی کی اسے انعام ملے گا۔۔۔ تاکہ جو بھی الٰہی احکام کی خلاف ورزی با اختیار خود کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس پر سزا کا بھی مستحق ہو۔ مقتول سے خلاف ورزی سرزد نہیں ہوتی ہے بلکہ

قانون کا پابند رہا، وہ جذبۂ انتقام کے انتہائی جوش کے وقت میں جو اختیار کر کے پامردی دکھائی اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شہادت کا درجہ نصیب ہو اور یہی عین عدل اور انصاف کا تقاضا بھی ہے، اسی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۔ (سورۃ ص)

باقی رہی یہ بات کہ اگر قاتل امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ اگر کوئی دوسرا صالح امام نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔

## قیامت کے دن توبہ تائب شخص کا بھی حساب کتاب ہوگا

**سوال:-** ایک شخص صغائر و کبائر کا مرتکب ہوتا رہا، کہ آخر میں اس نے توبہ کر لی، حقوق العباد جو اس کے ذمے لازم تھے ان کو ادا کیا یا معاف کرائے، حقوق اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی طلب کی اور خلوص اور صدق دل سے گناہوں سے توبہ تائب ہوا۔ توبہ کے بعد تا حیات اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوا، حالت نزع میں اس کی زبان پر کلمۂ شہادت بھی جاری ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن اس شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:-** قرآن کریم کا ارشاد ہے: فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ (سورۃ الانشقاق ۷ تا ۱۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب کا حساب و کتاب ہوگا چاہے وہ ولی کامل ہو یا فاسق و فاجر ہو، اس نے موت سے قبل توبہ و استغفار کیا ہو یا بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو، مگر ان کے حساب و کتاب میں فرق ہوگا، نیک لوگوں کا حساب و کتاب صرف بطور پیشی ہوگا، ان کا حساب آسان ہوگا، ان سے باز پرس محبت کی بنا پر ہوگی جبکہ فساق و فجار اور کفار کا محاسبہ بصورت مناقشہ ہوگا جو باعث کلفت و ہلاکت ہے ۔۔۔ حدیث شریف میں ہے: فان من نوقش هلك (الحدیث) یعنی جس کا مناقشہ ہوا وہ ہلاک ہوا ۔۔۔ لہٰذا توبہ و تائب شخص کا بھی حساب و کتاب ہوگا مگر برائے ہلاکت و کلفت نہیں بلکہ محبت کے طور پر ہوگا۔

## آسمان اور چاند کی تحقیق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:
(۱) آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے یا صرف قدرتی طور پر پردے ہیں؟
(۲) یہ کہ چاند آسمان کے وسط میں واقع ہے یا اس سے باہر فضا میں معلق ہے؟
(۳) حدیث کی رو سے معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو دروازے کھولے گئے تھے وہ نورانی دروازے تھے یا ٹھوس مادہ کے بنے ہوئے تھے؟
(۴) یہ کہ قرآن و سنت کی رو سے کسی مادی چیز کا سائنسی آلات کے ذریعے چاند یا مریخ تک پہنچنا ممکن ہے یا نہیں؟
امید ہے کہ آپ اس بارہ میں ہمارے شکوک قرآن و سنت اور ائمہ مجتہدین کی آراء کی روشنی میں رفع فرمائیں گے؟

الجواب:۔ آپ کے سوال کا ترتیب وار جواب حاضر ہے جو کہ امید ہے آپ کی تشفی کا باعث ہوگا۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا "اور بنائے ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط" یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ "وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا" یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ "يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ" اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے۔ "إِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ" اور جب آسمان کا پوست اتار لیں۔ یعنی جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں تو اس کے تمام اعضاء اور رگ و ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں، اسی طرح آسمان کے کھل جانے کے بعد اس کے اندر کی چیزیں نظر آئیں گی۔ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ "جب آسمان پھٹ جائے"۔ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ "جب آسمان چر جائے، پھٹ جائے"۔ وغیرہ نیز من الآیت مثل وجعلنا السماء سقفا محفوظا ــــــ ہے اور اس قسم کی دوسری آیات قرآنیہ کو جب مفسرین کی تحقیقات اور نصوص حدیثیہ کی تشریحات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ٹھوس جسامت رکھتا ہے اور صرف قدرتی پردے نہیں ہیں، کیونکہ جو صفات مذکورہ آیات میں آسمان کے متعلق بیان کی گئی ہیں مثلاً انشقاق و انفطار فتح ابواب شدت سقف

محفوظ وغیرہ ایسی صفات ہیں جو ایک ٹھوس جسامت رکھنے والی چیز ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اس حقیقت کی بناء پر معراج کی رات کو حدیث کی رُو سے جو دروازے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولے گئے تھے وہ ٹھوس مادے کے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ خلائی دروازے۔

(۲) چاند اور سورج اور ستارے ہیں، کل ستارے فضاء میں تشریحی نقطہ نظر سے معلق ہیں یعنی بین السماء والارض ہیں۔ آسمان میں ایک بھی ستارہ نہیں ہے۔ یہ سلف کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۵۱ پ سورۃ التکویر کی تفسیر میں منقول ہے النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدي الملائكة۔ جدید فلاسفہ کا قول بھی اس کے نزدیک ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں مگر وہ جذب کے قائل ہیں نور کی زنجیروں کے قائل نہیں۔ ويقرب منه قول الفلاسفة الجديدة لكن بالجذب۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے استاذ عطاء ابن رباحؒ کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے سورۃ طلاق کی تفسیر میں ومن الارض مثلهن کے تحت میں لکھا ہے: ولم يقم دليل على ان شيئا من الكواكب مغروز في شيء من السموات كالنقش في الخاتم والمسمار في اللوح۔ اس جگہ علامہ آلوسیؒ نے اسرائیلی روایات کی تردید بھی کی ہے اور فرمایا ہے: نعم كثير من الاخبار في امر السموات والارض لا يعول عليها اشار اليه النسفي في بحر الكلام۔

باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمان میں ہونا مترشح ہوتا ہے اس کی تردید روح المعانی کی جلد ۱۷ ص ۲۱ و ۳۰ میں موجود ہے۔ علامہ آلوسیؒ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وقال اكثر المفسرين هو موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر وقال الضحاك هو ليس بجسم بل هو مدار هذه النجوم۔ گویا اکثر مفسرین اسلام محل کواکب کو جس میں شمس و قمر گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں نہ کہ فی السماء (آسمان کے نیچے نہ کہ آسمان میں)۔

(۳) روس و امریکہ کے خلائی تسخیر کے حالیہ کارناموں سے اسلامی تعلیمات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا، اس کا اگر کچھ اثر پڑے گا تو یونانی علم الفلک اور ہیئت بطلیموسی پر یا اسرائیلی روایات مختلفہ پر پڑے گا۔ اب تک تو چاند، مریخ اور زہرہ پر پہنچنے کی سعی جاری ہے لیکن اگر تمام کواکب تک رسائی ہو جو مستبعد ہے تو بھی اسلامی تحقیق پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ ڈاکٹر منڈل کا قول جو اس نے "جغرافیہ عالم" میں لکھا ہے نقل کرتے ہیں کہ خوردبینوں کے ذریعے جو ستارے نظر آسکتے ہیں ان کی تعداد سات ارب ہے اور جو کسی صورت میں بھی نظر نہیں آتے ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ تاہم اگر ان سب ستاروں کی طرف رسائی ہو جائے تو بھی آسمان تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) سائنسی آلات کی بدولت چاند اور مریخ تک پہنچنے کی سعی جاری ہے مگر مستبعد ہے۔ (واللہ اعلم)

## خلائی سفر کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! قرآن وحدیث کی روشنی میں سورج اور چاند تک جانا ممکن ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان کا اس کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟

**الجواب:** اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ انسان کے لیے سورج اور چاند پر چڑھنا ممکن ہے اور اس سے قرآن وحدیث اور عقائد ایمانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ حکمت یونانی پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس عقیدہ پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اختصار کی وجہ سے یہاں صرف تین دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر جسد عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف اور اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ تو اگر خلائی سفر ناممکن ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف نہ اٹھایا جاتا۔

(۲) خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو جسد اطہر کے ساتھ آسمانوں کی طرف اٹھائے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچائے گئے، قرآن کریم اور ذخیرۂ احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خلائی سفر انسان کے لیے اگرچہ خلاف عادت ہے لیکن خلاف شریعت نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ (سورۃ الانعام ع۴) "اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ کافر مسلمان ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے اور اسباب کو مہیا کر کے ان کے ذریعے سے زمین یا آسمان میں جا کر کوئی فرمائشی معجزہ لے آئیے مگر

آپ کو قدرت دی۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معجزہ کے غیر اختیاری ہونے اور تسلی دینے کے ضمن میں زمین کے اندر جانے اور آسمان پر چڑھنے کے اسباب کے ممکن ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، لہٰذا یہ کوئی ناممکن چیز نہیں ہے بلکہ ممکن اور تمدنی امر ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان اور کافر کی روحوں میں یہ فرق موجود ہے کہ کافر کی روح خواہ جسم کے ساتھ ہو یا جسم کے بغیر آسمان تک جا سکتی ہے لیکن آسمان پر چڑھ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ط (الاعراف ع ۵) "جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور بوجہ تکبر ان سے اعراض کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر نہ چلا جائے۔"

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: فیستفتح له فلا یفتح ثم فی الارض السفلیٰ مرۃ ثم تطرح روحه۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص۱۴۲) "کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا جائے گا تو اس کے لیے نہ کھولا جائے گا اور اسے پھینک دیا جائے گا۔"

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات پیغمبر اسلام نے آسمانِ اول میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کے وقت انہیں ایک عجیب حالت میں پایا وہ یہ کہ ان کے دائیں بائیں کچھ لوگ نظر آتے تھے تو جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو روتے۔ آپ کے استفسار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ "یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، دائیں طرف جنتی ہیں اور بائیں طرف دوزخی ہیں۔" تو سوال یہ ہے کہ دوزخی لوگ کس طرح آسمان میں نظر آئے جبکہ کافروں کے ارواح اور اجسام آسمان پر نہیں چڑھ سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ارواح کے آسمان میں نہ چڑھنے کا ذکر ہے جو کہ اجسام میں داخل ہو چکے ہیں، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح تھے جو کہ ابھی جسموں میں داخل نہیں کیے گئے تھے اور ابھی تک ان سے کفر کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اور دوسرا

جواب یہ ہے کہ بعض ارواح اس وقت زمین پر اجسام میں تھے اور بعض ارواح جنین میں تھے اور بعض اس جگہ میں تھے جو کہ جسم کے ساتھ تعلق سے پہلے ان کا مستقر ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف کی وجہ سے قریب اور آسمان میں دکھلائے گئے۔

صعود شمس و قمر — قرآن و حدیث میں سورج اور چاند کے مقام کے متعلق سکوت ہے۔ اور کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (سورۃ یٰس ع ۳) سے یہ فہم نہ کیا جائے کہ یہ آسمان میں ہیں، کیونکہ فلک گول چیز کو کہتے ہیں، اور شمس و قمر کی حرکت چونکہ مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرمایا خواہ وہ آسمان ہو یا وہ فضا جو دو آسمانوں کے درمیان ہے، یا وہ فضا جو زمین اور آسمان کے درمیان پھیلا ہو یا آسمان کی تختی ہو، سلف صالحین سے تفسیر درمنثور وغیرہ میں مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ آیت کریمہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر "اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان تلے موج مکفوف ہے جس میں سورج اور چاند گردش کرتا ہے"۔

البتہ یونانی حکماء کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ اب اگر کوئی کافر انسان چاند یا سورج میں گیا ہے تو قرآن و حدیث کے تقاضا کے موافق ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ چاند اور سورج آسمان سے نیچے ہیں اور یونانی حکماء کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں ورنہ کافر اس تک نہ جا سکتے۔ بہرحال اس کا اثر حکمت ایمانی پر نہیں پڑے گا بلکہ حکمت یونانی پر پڑے گا۔

بعث ارباب عروج — سورج اور چاند میں پہنچنے کے بعد اگر کوئی وہاں مر جائے تو اس کے متعلق قرآن پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدن کے تمام اجزاء یا بعض زمین کو نفخ ثانی سے پہلے دنیا میں یا قیامت میں نفخ اول کے بعد پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ (سورۃ طٰہٰ ع ۲) ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

**سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید کا بیان تقریر کرتے ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان بت فروش اور بت پرست تھا، اس پر عمرو نے فوراً اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان توحید پرست تھا۔ تو کیا زید حق پر ہے یا عمرو؟

(۲) عمرو کا بیان ہے کہ آزر لفظ لغت میں خدا پرست کو کہتے ہیں، کیا عمرو کا یہ بیان صحیح ہے؟

(۳) لابیہ آزر، آب سے مراد چچا یا کوئی اور لواحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا قرآن کریم میں کہیں لفظ اَب بول کر اس سے مراد چچا لیا ہے یا نہیں؟ — ان تمام مسائل کا تحقیقی جواب عنایت فرمائیں؟

**الجواب:۔** (۱) قرآن کریم اس کا شاہد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک اور بت پرست تھے اور ان کا سارا خاندان اس وقت بت پرست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل اور عراق چھوڑ کر شام کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ صرف حضرت لوط علیہ السلام جو ہاران کے بیٹے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہو کر ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی، اور پھر حضرت لوط علیہ السلام سدوم کے علاقے کی طرف مبعوث فرمائے گئے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: واذ قال ابراھیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما اٰلھۃ انی اراک وقومک فی ضلٰل مبین ۝ (سورۃ مریم)

آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور وہ اور اس کی قوم گمراہ تھی کیونکہ اس کی قوم نے حق کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کا راستہ اختیار کر رکھا تھا — علماء انساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام "تارخ" لکھا ہے، ممکن ہے "تارخ" نام اور "آزر" لقب ہو — علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجاہدؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ "آزر" ایک بت کا نام تھا، ہو سکتا ہے کہ اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے خود ان کا لقب بھی آزر پڑ گیا ہو — آزر کا معنیٰ خدا پرست ہم نے کسی لغت میں نہیں دیکھا اور اگر بالفرض آزر کا معنیٰ خدا پرست بھی ہو جائے، تو چونکہ وہ بھی (آزر اور اس کی قوم) اپنے آپ کو خدا پرست سمجھتے تھے، باطل معبودوں کو خدا کا ذریعہ سمجھ کر خدا کی صفات اور اختیارات ان کے سپرد کر رکھے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو خدا پرست کہتے تھے، لیکن

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ موحد بھی تھا جبکہ قرآنی نصوص اس کی بت پرستی اور شرک کو ظاہر کرتے ہیں۔ إني أراك وقومك في ضلال مبين ۔

اس سے صریح اور صاف گمراہی کیا ہوگی کہ اشرف المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور ان سے مرادیں مانگنا شروع کر دے۔ میرے نزدیک تو اس مسئلہ میں زید حق پر ہے۔

(۲) سوال نمبر ۲ کے جواب میں اس کا جواب بھی ہو گیا کہ آزر کا معنی لغت میں خدا پرست ہم نے نہیں کیا بلکہ آزر ایک بت کا نام تھا اور بقول بعض اگر اس کا معنی خدا پرست ہو بھی جائے تو اس سے اس کا توحید پرست ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔

(۳) اَب کا اطلاق مجازاً چچا پر ہو سکتا ہے مگر اس کے لیے قرینہ ہونا چاہیئے کہ یہاں اَب سے اپنا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؟ تو بیٹوں نے جواب میں کہا ، نعبد الٰهك واله آبائك ابراهيم واسمٰعيل واسحٰق الٰها واحدًا ۔ تو یہاں اسمٰعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ اسمٰعیل اور اسحٰق علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور یعقوب اسحٰق کے بیٹے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام علماء انساب نے "تارخ" لکھا ہے اور جیسے قرآن کریم نے آزر کے نام یا لقب سے یاد کیا ہے لیکن پھر کہیں تصریح نہیں کی کہ تارخ "والد آزر" کسی تیسرے شخص کے بیٹے تھے۔ سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے بعد اب سورۃ توبہ پارہ ۱۱ کی آیت ملاحظہ فرمائیں، جو لوگ "آزر" کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی یہ تمام کوشش صرف اس لیے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ موحد تھے مشرک نہ تھے اور "آزر" کو قرآن کریم نے مشرک کہا ہے اس لیے وہ دوسرے شخص تھے۔ مگر ان کی یہ کوشش ناکام ہے کیونکہ قرآن کریم خود تصریح کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ مشرک تھا۔ وما كان استغفار ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه (الآية)

سورۃ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا اور غرور و عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپ نے والدین کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا ، سلام عليك سأستغفر لك ربي انه كان

پس فرزندانِ شمن میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اسی وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے چنانچہ دوسری جگہ واغفر لابی فرمانے کی تصریح موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک کی حالتِ شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے نہیں۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ حالتِ شرک سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آ جائے اور قبولِ اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہؓ کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک آپ پر یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک پر اور خدا کی دشمنی پر ہی مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ شاید توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے۔ پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہو گیا تو معاملہ صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعا و استغفار ترک کر دیا۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ خداوندا تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے رسوا نہیں کرے گا مگر اس سے بڑی رسوائی کیا ہو گی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اس وقت آپ کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (بجو) کی سی ہو جائے گی۔ اور فرشتے گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

(تفسیر بدیع القرآن)

تمام عاقل اور عقلِ سلیم رکھنے والے حضرات خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حشر ایک مشرک کا ہوتا ہے یا موحد کا؟ اتنا جواب شافی ہوگا۔ (فقط واللہ اعلم)

## کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟

سوال: محترم المقام جناب مفتی صاحب! ایک شخص جو کہ امام مسجد ہے اور اپنے آپ کو قطب زمان، ولی اللہ اور بہت بڑا عالم دین بھی کہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں جمعہ کی سنت ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آجکل جو آدمی جمعہ پڑھنے گیا ہیں ادھر ہی لگا ہوا ہے دوسری طرف دھیان ہی نہیں، جو نماز پڑھتا ہے وہ صرف نماز ہی میں مشغول ہے اسے دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی روزہ رکھ رہا ہے

لئے اور کسی چیز کا پتہ نہیں۔ کوئی نوکری کر رہے ہیں اور وہ اپنے ہی حال میں مست ہے اُسے باقی دنیا کی فکر نہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ ہم مندروں گردواروں اور گرجا گھروں میں جا کر ہر چیز کی تہہ کو تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ گردواروں، مندروں اور بت خانوں میں جایا کریں۔ مسجد میں چند نمازی موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم جو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا قرآن حکیم سے ثابت کر سکتے ہیں؟ تو اس پر امام صاحب بڑے ناراض ہوئے دوسرے دن انہوں نے اس بات پر پردہ ڈالنے اور چھپانے کے لیے لوگوں کے سامنے کہنے لگے کہ میرا اندازِ بیان کی باتیں ہیں ہر ایک آدمی ان کو نہیں سمجھ سکتا۔ میری کل کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جا کر بتوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں جا کر بت توڑے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں بتوں کو نام لے لے کر توڑا تھا ——— یہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جانے کا حکم دیا تھا؟

(۲) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانوں میں جا کر بت توڑنے کا حکم دیا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی دیا ہو تو قرآن کریم کی سورۃ، رکوع اور آیت کا حوالہ تحریر فرمائیں؟

(۳) کیا ایسے امام مفتری جو اللہ تعالیٰ (امام مذکور کو توبہ و استغفار کے لیے بھی کہا گیا لیکن اس نے صرف کوئی وضاحت نہیں دیا اور نہ توبہ کی) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھے کے پیچھے بغیر توبہ کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

## مزید تشریح

(۱) مذکورہ امام مسجد اور بھی کئی من گھڑت قصے کہانیاں مسجد میں جمعہ کو سناتے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک قوال کا قصہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ایک صاحبِ کشف کے پاس گیا اور کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسا ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ میاں اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ دو تین چیزوں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ چونکہ میں نے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا اقرار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا تو سب سے پہلے تمہیں داڑھی صاف کرنی اور نماز چھوڑنی پڑے گی۔ بادلِ نخواستہ میں نے

پڑھ لیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور ان سے کہا جاتا ہے کہ شیخ صاحب آپ تو نماز پڑھا کریں
تو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کیا پتہ۔ اگر میں صبح کی نماز پڑھاؤں تو کیسے سوئے ہوئے اٹھوں تو نہ معلوم
کیسے اور کیا کیا آفت آتی ہے۔

(۲) مذکورہ امام صاحب جتو ڈھولک ساز بجانے کا ایک آلہ ہے بڑے شوق سے بجاتے ہیں
اور جب اس کی دھن میں مست ہو جاتے ہیں تو پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ اگر
کسی نے کچھ مانگنا ہے تو مانگ لے۔ راقم الحروف کی رائے میں گویا وہ صبح کی نماز کو سست اور
بیمار نعوذ باللہ خدائی دعویٰ کر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا قصے کہانیوں کی روشنی میں علمائے کرام اس امام کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے
ہیں؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھ چکے
ہیں ان کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب: <u>جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب</u>** (۱) جو خود کہا کرتا ہے وہ ولی نہیں ہو
ایسا ہوتا ہے وہ کبھی کہا نہیں کرتا بلکہ خود کو حقیر سمجھا کرتا ہے۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ کچھ نہیں ہے
غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) نہیں، جو تلاش کرنے کا اس کو حکم ہو سکتا ہے جس کو جانے کی گنجائش ہو۔

(۳) شریعت میں بے گناہ و کفر کو مٹانے کا حکم ہے۔ اس میں بہت بھی ہیں جس قدر قدرت ہو
وہاں جانے کا نہیں۔ مگر امام کی کم علمی پر اس قدر تبلیغ ہونے کی ضرورت نہیں کھانے کی
ضرورت ہے یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۴) مندروں وغیرہ میں جا کر جو تلاش کرنا کسی وجہ سے ہو سکتا ہے اس لیے یہ کلمہ کفریہ
جملے سے نکل سکتا ہے اس سے ترغیب کفریہ باتوں کی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی ضروری امر
آنے رونق کی وجہ کو پامال رکھ رہ سکتے ہیں مگر جماعت مقتدیوں میں توجہ کرنی چاہیے اس کو
بار بار ان سے کہا جائے ورنہ اس کو بھی کافی قرار دیں اگر یہ باتیں ان میں نہ ہوں۔ دوسرے
کاغذ سے معلوم ہوا کہ تعویذ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں تو فاسق ہیں۔ ان کی امامت مکروہ
ہے۔ ان کو فوراً امامت سے علیحدہ کر دینا چاہیے بشرطیکہ مذکورہ باتیں صحیح ہوں۔

کتبہ: جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۱۴/۱۱/۱۳۹۲ھ

مہر

## جدید سائنسی تحقیق انسانی کلوننگ کی شرعی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل اردو، انگریزی اور دیگر مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل وجرائد میں کلوننگ کا مسئلہ بہت زور و شور سے آرہا ہے۔ اس مسئلہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک سائنسدان ڈاکٹر ولمٹ نے کلوننگ کے ذریعے کئی بھیڑیں اور مختلف حیوانات کو پیدا کیا ہے اور اب وہ انسانی کلوننگ کا تجربہ کر رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی جنس سے اس جیسی دوسری جنس پیدا کی جائے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق میں مداخلت تو نہیں؟ جبکہ خالقیت اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص ہے کیا یہ صفت کسی انسان میں پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس بارے میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق خلیہ (سیل) سے ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی پیدائش کی ابتداء دو خلیوں سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک خلیہ باپ کا ہوتا ہے اور دوسرا ماں کا ہوتا ہے، یہ دونوں خلیے یکجان ہو کر جراثیمی نظام کے ذریعے نشوونما پاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خود بخود ٹوٹ کر کئی خلیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایک سو بیس دنوں تک ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ دو جنسوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

گویا انسان کی پیدائش بھی خلیوں سے ہوتی ہے اور ایک انسان لاتعداد خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ہر خلیہ ایک مکمل فیکٹری کا کام کرتا ہے، مگر یہ بات حقیقت ہے کہ ان خلیوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی مخلوق ان خلیوں کو پیدا نہیں کر سکتی اور مردہ خلیوں سے کسی حیوان کی پیدائش کا کام لیا جا سکتا ہے۔ سائنسدان تو کائنات کے ظاہری مشاہدات پر غور و فکر کر کے پھر اس پر عملی تجربہ کرتے ہیں جس میں کبھی تو وہ کامیاب ہوتے ہیں اور کبھی ناکام ۔۔۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر سائنسدان کسی تجربہ میں کامیاب ہو بھی جائیں تو پھر بھی اجزاء جس سے انہوں نے تجربہ کیا ہے وہ تو سائنس کی پیداوار نہیں ہے، ان کا خالق تو بہرحال اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لئے کسی کامیاب تجربہ میں بھی سائنسدان کو خالق کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ خالق حقیقی ایک تو اپنی تخلیق میں کبھی ناکام نہیں -

کے بعد دوبارہ پیدا کرسکتا ہے۔

سائنس کی اس ایجاد سے حیات بعد الموت کے بارے میں وارد بعض احادیث مبارکہ کی بھی تائید ہوتی ہے مثلاً یہ کہ جب کوئی انسان اس دار فانی سے انتقال کرکے قبر میں چلا جاتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء فنا ہو جاتے ہیں سوائے دمچی کے (دم کے سرے کی ایک ہڈی) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی سے انسان کو دنیاوی شکل و صورت میں اٹھائے گا۔ (بخاری، مسلم)

اور دمچی کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ دمچی رائی کے ایک دانے کی طرح ہے۔ (فتح الباری)

تو سائنس کی اس قسم کی ایجادات سے اسلامی تعلیمات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے البتہ انسانی کلوننگ کا عمل شرعی نقطہ نظر سے کئی وجوہات کی بناء پر ناجائز ہے:

(۱) اس تجربے کی کامیابی سے لاشعوری طور پر انسانوں کے دل و دماغ میں کسی سائنسدان کے خالق ہونے کا عقیدہ راسخ ہونے کا خطرہ ہے جو نص قرآن کریم ناجائز و حرام ہے، اس لیے کہ صفت خالقیت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ھل من خالق غیر اللہ (الآیۃ) ولن یخلقوا ذبابا۔ (الآیۃ)

(۲) اس عمل میں تغییر لخلق اللہ کا عنصر نمایاں ہے جو کہ ایک شیطانی عمل ہے جس کا شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے انسانوں کو گمراہ کرنے کا چیلنج دیا تھا۔ ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللہ۔ (الآیۃ) یعنی انسانوں کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل و صورت میں تغیر پیدا کریں اور اس کو بگاڑ دیں۔ کلوننگ میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی انسانی شکل و صورت تختہ مشق بن جانے گی اور اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا ہے: لاتبدیل لخلق اللہ۔ (الآیۃ)

(۳) اس عمل میں غیر فطری طریقہ سے انسان کی پیدائش ہوگی اور توالد و تناسل کا جو طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اس کی خلاف ورزی ہوگی۔

(۴) اس طریقہ عمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ابتداء ہی سے مادر پدر آزاد ہوگا اور ماں باپ کے پیار و محبت سے محروم ہوگا، جبکہ اولاد کی تعلیم و تربیت کیلئے ماں باپ

کا ہونا از حد ضروری ہے۔

(۵) کلوننگ کے اس عمل سے پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں جھگڑے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے، اس لیے کہ کلوننگ میں ایک ہی اصل سے خلیہ لیا جاتا ہے اور اُسے کسی دوسری عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو اب اس بچے پر اس عورت اور جس مرد سے خلیہ لیا گیا ہے کے مابین جھگڑا پیدا ہوگا جبکہ جنگ و جدال سے اسلام نے منع فرمایا ہے اور اس کے ذرائع کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) کلوننگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کے ثبوتِ نسب کا بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگا کہ اس بچے کا نسب خلیہ والے مرد سے ثابت کیا جائے یا جس عورت کے رحم میں یہ خلیہ رکھا گیا ہے اس سے نسب ثابت کیا جائے، جبکہ اسلام نے ثبوتِ نسب کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اور حتی الامکان کسی بچے کے نسب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت سے کسی نے زنا کیا اور اس زنا سے وہ حمل ہوگیا تو بچے کا نسب عورت کے زوج سے ثابت ہوگا نہ کہ زانی سے۔ ارشادِ نبوی ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (الحدیث)

(۷) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف رنگوں اور صورتوں میں پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ ہر انسان کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی لکیریں بھی ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہیں، ان کی آواز میں باہمی اختلاف موجود ہے اور یہ اختلاف اس لیے ہے کہ ان کی پہچان میں آسانی ہو، اور اگر کسی سے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس تک قانون کی رسائی ہو سکے، جبکہ کلوننگ میں ایسا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والا انسان اپنے اصل کے ساتھ ہر ہر شے میں موافق ہوگا، دونوں میں کوئی امتیازی نشان نہیں ہوگا جس کی وجہ سے اصل اور نقل میں پہچان مشکل ہو جائے گی۔ اسی طرح ارتکابِ جرم کی صورت میں مجرم تک قانون کی رسائی بھی محال ہو جائے گی جس سے لاقانونیت، بدامنی، جرائم کی کثرت اور دنیا میں فسادات کے زیادہ ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے، اور اگر کسی جرم میں اصل کی بجائے اس کے کلون کو اور کلون کی بجائے اس کے اصل کو سزا دی جائے تو یہ انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

(۸) اولاد دینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جس کے تحت وہ کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے

اور کسی کو بیٹیاں، جب کہ بعض کو دونوں اور کسی کو عقیم یعنی بے اولاد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا﴾ (الآیۃ)

کلوننگ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا مخالف و متقابل ہے۔ اس لیے کہ ہر انسان میں بار آور خلیہ جات لاتعداد مقدار میں موجود ہیں جس سے کلون کا پیدا ہونا لازمی امر ہے تو اس عمل سے کوئی بھی عقیم (بے اولاد) کا مصداق نہ ہوگا اور لوگ صرف نرینہ اولاد کا ہی تقاضا کریں گے جس سے يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا کا مصداق مفقود ہو جائے گا۔

(۹) بعض لوگ صرف اس لیے شادی کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بچے پیدا ہوں جب کہ بچے پیدا کرنا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اور شادی کرنا فی ذاتہٖ سنت مؤکدہ ہے، اور شادی کے بعد بچوں کا پیدا ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ چار چار شادیاں کرنے کے باوجود ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا حالانکہ طبی لحاظ سے وہ بالکل تندرست ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کرنے کو جائز قرار دیا گیا تو لوگ کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کریں گے اور مطلوب شادی کا سنت عمل ترک کر دیں گے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) کلوننگ کے اس عمل میں اجنبی عورت کے رحم میں خلیہ رکھا جاتا ہے، چنانچہ اس عمل کے لیے غیر محرم مرد کے سامنے اس عورت کا ستر عورت کھل جاتا ہے جو کہ خلافِ شرع، خلافِ فطرت اور حیا سوز عمل ہے۔ اسلام نے ہم جنس یا غیر جنس کے سامنے بلا ضرورتِ شرعی کشفِ عورت کی اجازت نہیں دی ہے اور اپنے ستر کو چھپانا فرض قرار دیا ہے۔

لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر انسانی کلوننگ کا عمل ناجائز و حرام ہے۔

## مسلم اور غیر مسلم محققین کی آراء اور تبصرے

ذیل میں انسانی کلوننگ کے اس غیر فطری، غیر اخلاقی، حیا سوز اور غیر شرعی طریقۂ تولید کے مضرات، نقصانات اور توالد و تناسل کے شرعی طریقہ (نکاح) کی تائید میں مسلم اور غیر مسلم محققین، مذہبی و حکومتی زعماء کی آراء درج کی جاتی ہیں۔

(۱) انسانی کلوننگ کے بارے میں مصر کے مشہور مفتی جناب فرید واصل صاحب کا فتویٰ

یہ ہے کہ:۔

أن الاجماع قائم من الناحية العلمية والطبية على استنساخ البشر مرفوض وأيضًا من الناحية الأخلاقية ومن الناحية العقلية ومن الناحية الاجتماعية" المجتمع ۳۰ ذوالقعدة ۱۴۱۸ھ

(بحوالہ ماہنامہ الحق شمارہ ۳ جلد ۳۳ جون ۱۹۹۷ء)

یعنی انسانی کلوننگ کے عدم جواز پر علمی، طبی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔

(۲) اسی طرح جامعۃ الازہر الشریف کے استاذ پروفیسر عبد المطلب نے بھی انسانی کلوننگ کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسانی کلوننگ پر تحقیق فوراً بند کر دی جائے اس لیے کہ جس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ الحق شمارہ ۶ جلد ۳۲ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۳) اپنے تو کجا اغیار اور غیر مسلم حکومتی زعماء نے اس تحقیق کو بند کرنے کے اقدامات کیے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے ایسے تمام تحقیقی مراکز کے فنڈ روک لیے ہیں جہاں پر کلوننگ کے شعبے میں کام ہو رہا ہے اور جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہاں انسان کی فوٹو سٹیٹ کاپی تیار کی جا سکتی ہے، بل کلنٹن نے نجی شعبے میں کام کرنے والے تحقیقی مراکز سے بھی کہا ہے کہ وہ بھی اس سلسلہ میں سرکاری شعبے میں کام کرنے والے مراکز کی تقلید کریں۔ (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۷ اپریل ۱۹۹۷ء)

(۴) عیسائیت کے روحانی پیشوا پوپ جان پال نے ۱۹۹۷ء کو ویٹی کن سٹی میں ہزاروں افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حیات کا احترام خطرناک تجربات کا نشانہ بنا ہوا ہے اس لیے دنیا کے تمام ممالک انسانی کلوننگ کی بندش پر سخت اقدام کریں اور اس کے لیے سخت سے سخت قوانین کا اجراء کریں اس لیے کہ غیر جنسی عمل کے ذریعے انسان کی تخلیق اخلاقیات کے منافی اور رشتہ ازدواج کے بندھن کے تقدس کو پامال کرنے کے مترادف عمل ہے۔ (تلخیص از ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۶ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۵) بلکہ اس ایجاد کی ٹیم میں شریک کار سائنسدان ڈاکٹر ایین کولین کا کہنا ہے کہ میں اپنی بیوی اور چودہ سالہ بیٹے کو اس کام کے بارے میں قائل نہ کر سکا ان کا کہنا ہے کہ اخلاقیات کی رو سے یہ غیر معتبر کام ہے، یہ خوفزدہ کر دینے والی سائنس ہے۔ (ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۶ مارچ ۱۹۹۷ء)

(۲) اور خود اس جماعت کے سربراہ ڈاکٹر ایان ولمٹ نے بھی انسانی کلوننگ کو غیر انسانی فعل قرار دیا ہے، چنانچہ اس نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ کلوننگ کے عمل سے حیوان تیار کرنے کا عمل تو ٹھیک ہے لیکن انسان تیار کرنے کا عمل ایک غیر انسانی فعل ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الحق جلد ۳۲ شمارہ ۷ اپریل ۱۹۹۷ء)

**خلاصۂ کلام** | شریعت مقدسہ اور غیر مسلم محققین اور دانشوروں کی آراء کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ کلوننگ کوئی غیر ممکنہ عمل نہیں اور نہ کوئی تخلیقی صفت ہے کہ جس سے کوئی ماہر فن انسان صفت خالقیت سے متصف ہو جائے البتہ اس تجربہ کو انسانی کلون پیدا کرنے کا ذریعہ بنانا تفصیل میں ذکر کی گئی وجوہات کی بنا پر ناجائز حرام اور غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل ہے۔ لہٰذا بین الاقوامی سطح پر اس عمل کو فوراً بند کر دینا انسانیت کی بقاء کے لیے از حد ضروری ہے۔ (ھذا ما ظہر لی واللہ اعلم)

# چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام

## خلائی پرواز کا اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو حضرت انسان کے فائدے اور خدمت کے لیے پیدا کیا اور اسی کو یہ قوت دی ہے کہ وہ تمام کائنات کو مسخر کر سکے۔ اسی قوت تسخیر اور سائنسی ایجادات کے نتیجے میں چاند اور دیگر سیاروں تک انسان کی رسائی نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے اور دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا ہے اور بعض ذہنوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہوگئے ہیں کہ سائنس کی یہ ترقی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنے اپنے مقالوں میں اسی قسم کے توہمات اور شکوک و شبہات کا رد کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ چاند اور دوسرے سیاروں تک انسان کی رسائی سے اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اسی قسم کی سائنسی ایجادات و ترقیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں ——— یہاں "فتاویٰ حقانیہ" میں ان دو مضامین کو افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے ——— (مرتب)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۞

**کائنات پر انسان کی فضیلت**

محترم بزرگو! خداوند کریم نے انسان کو کائنات پر صوری و معنوی فضیلت عطا فرمائی ہے جس میں انسان بہت بھولا ہے مگر

محبوب کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ تو جب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوئی اس کو فوراً جذبۂ عشق نے قبول امانت پر آمادہ کر دیا اور بے پرواہ ہو گیا کہ وہ ذمہ داری جو کہ اٹھائی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی؟ دیکھیے! اگر مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارۂ ابرو پر پہاڑ کو کھودنے لگا تو انسان جو کہ عاشق حقیقی ہے محبوب حقیقی کے اشارے پر کیوں بار امانت اٹھانے سے جھجکتا۔ اور اس کا نتیجہ بھی نکلا کہ خداوند کریم نے اسے آسمانوں زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی یہ راعی اور وہ رعیت بنے ساری کائنات اس کی مسخر ہوئی اس کو بحر و بر اور آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا پر چلنے اور ان میں تصرف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اس کی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

## کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی

اس تصرف اور استعمال کی راہنمائی اپنے دور کے پیغمبر نے فرمائی جو معصوم عن الخطاء اور معلم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکے اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے اس امانت کا غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے صحیح اور نیک مقصد کے لیے کرے انبیاء میں بے جا تصرف سے بہ ذریعہ وحی منع کر دیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمت علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے ان انبیاء کو دیئے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی ذات پر علوم نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

## علوم کا ظہور اور تکمیل حضور کی ذات پر ہوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو جو علوم دیئے گئے ہیں ان کی نظیر سابقہ ادوار اور گذشتہ امتوں میں نہیں پائی جاتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آپ تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور مہمانی و ضیافت کے مختلف مشروبات خدمت عالیہ میں پیش کیے گئے۔ ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا ایک میں شہد تھا ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی یعنی شراب طہور جو تمام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیب و طاہر ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہو گی اگرچہ تھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا نہ شہد اور شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا الحمد للہ کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق

ہے اور دودھ عالمِ مثال میں علم کی شکل ہے۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ آپ کی امت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی۔ اگر آپ شہد پی لیتے تو امت لذتوں میں پڑ جاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طیب و طاہر تھی تو امت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی اور اگر پانی پی لیتے تو امت بے کمال رہ جاتی کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے نہ میٹھا نہ کڑوا، نہ سرخ نہ زرد، نہ خوشبودار اور نہ بدبودار۔ اس میں فی نفسہ کوئی کمال نہیں، شہد میں لذت اور مٹھاس ہے، شراب دنیوی مزیلِ عقل ہے اور اخلاقِ رذیلہ پیدا کرتی ہے، حضورِ اقدس نے ان سب کو چھوڑ کر دودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو امت میں بھی علم سرایت کر گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ کے معنوی اثرات و کمالات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ حضور کا ارشادِ گرامی ہے۔ الولد سر لابیہ (بچہ باپ کا راز ہے اس کی مخفی صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں)۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: اوتیت علم الاولین والآخرین (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا) دوسری حدیث میں ہے: انا مدینۃ العلم (میں تو علم کا شہر ہوں)۔ تو حضور کا اثر اور پرتو ساری امت پر ہے کہ پوری امت علم کی وارث ہے البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں، علمِ مادیات جس میں صنعت و حرفت زراعت، طب، سرجری اور سائنس، جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں اور علمِ روحانیات جس میں تمام علومِ مذہبیہ وغیرہ داخل ہیں۔

## امتِ دعوت و امتِ اجابت

اسی طرح آپ کی امت کی بھی دو قسمیں ہیں: امتِ دعوت جنہیں حضور کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ قولوا لا الٰہ الا اللہ، یہ دعوت الی الاسلام کل دنیا کے باشندوں کے لیے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا)۔ تو کل دنیا کے انسان خواہ عرب کے ہوں یا ایشیا کے، مشرق کے ہوں یا مغرب کے، امریکہ کے ہوں یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متمدن وحشی ہوں سب کے سب امتِ دعوت میں شامل ہیں، آج بھی حضور کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا، مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی، اس لیے کافر ہے کہ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے، اور جنہوں نے حضور کی دعوت قبول کی ہے وہ امتِ اجابت ہے کہ دعوت کی اجابت میں انہوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا ہے، ایسی امت کو امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق ما لا تعلمون (سورۃ ... آیت ۸)

اور پیدا کیے اللہ نے گھوڑے خچر اور گدھے تاکہ ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لیے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ ویخلق ما لا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں۔ اس طرح سمندری سواری کا ذکر فرما کر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ (یٰسٓ ...) زمانے کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کے لیے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔

الغرض ان آیات میں تمام بری، بحری اور فضائی ایجادات کی طرف اشارہ موجود ہے اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آمنے سامنے بات چیت کا تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو ٹیلیفون، تار، وائرلیس اور ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا اور بھی کئی ذرائع کلام پہنچانے کے پیدا ہوئے

**خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے**

خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکتا اور نہ کبھی یہ کہا کہ خلا میں ذی روح اجسام کا پرواز ناممکن ہے۔ نہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ فضا میں کرۂ نار اور کرۂ زمہریر ہے جن سے ذی روح کا گزرنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ یہ باتیں تو علمائے یونان کی مخترعات ہیں جن کا بطلان اب تجربہ اور اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

**قرآن مجید اور لامحدود پرواز**

قرآن مجید تو پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ (النمل ع ۳) اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو پہلے اس کے کہ لوٹ آئے تیری طرف تیری نظر۔

اور وہ طرفۃ العین میں تخت لے آئے گویا کہ راکٹ کی سی تیز رفتاری سے اسلام کا انکار

نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

## خلائی پرواز مدارِ شرافت نہیں

باقی رہا کہ ستاروں تک پرواز۔ تو یہ قرآن کی تمہید سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر مدارِ شرافت اڑنا یا پرواز کرنا نہیں ہے۔ آج فضا میں بادل پھر رہے ہیں۔ چیل، گدھ، کوّے اور دیگر پرندے فضا میں بہت اونچے اڑ رہے ہیں۔ ایک دیو ہیکل جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تختِ سبا چند لمحات میں پہنچا دینے کی پیشکش کی۔ خود انسان ایک عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہازوں میں پرواز کر رہا ہے۔ تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلا میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہوا جو باعثِ حیرت بن جائے۔

## جنات کی آسمانوں تک رسائی

قرآن مجید سے تو جنات کی آسمان تک پرواز ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ جن میں جنات کی آپس میں گفتگو نقل فرمائی ہے:

وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا ۞ وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا (سورۂ جن آیت ۸-۹)

(ترجمہ) اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے۔ اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے، پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائے گا اپنے واسطے انگارہ گھات میں۔"

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جنات اور شیاطین آسمانِ دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں پر بیٹھ جاتے تاکہ فرشتوں کی آپس کی گفتگو سن سکیں۔ پھر کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں۔ ان میں سے جو کوئی بات درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہبِ حق پر اثر پڑتا۔ اب کے بعد دوسرے نبی آ جاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو جدا کر دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ کریم کے آخری نبی تھے اور خداوند کریم کو دینِ اسلام قیامت تک کے لیے محفوظ رکھنا اور تلبیس کی ملاوٹ سے بچانا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور اگر جنات اوپر جانے کی کوشش

کرتے اور ان پر انگارے اور شہاب ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سن سکیں اور دین اسلام
خلط ملط نہ ہو۔ اور صعود بلکہ آسمانوں کو چھونے (لمس سماء) تک کا بھی ثبوت ملتا ہے البتہ بعض
روشن خیال اس کی بھی تاویل کرنے لگے جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنات میں
آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے اسی لیے جنات وہاں تک پرواز کرتے تھے جہاں تک
ان کی پرواز پر پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں۔ اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور جدوجہد کے ذریعے
وسائل کی بنا پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

**اسلام میں ستاروں تک رسائی کے لیے آسمانوں سے گزرنے کا کہیں ذکر نہیں**

یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کے لیے آسمانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمان دنیا اور سورج چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر ستارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں۔ یہ فلاسفہ یونان کا عقیدہ اور بطلیموس کا مسلک ہے جس کا ذکر تصریح شرح چغمینی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفہ اسلام کا۔

**سائنس کے متضاد نظریات اور اسلام**

ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور نہ جدید فلاسفہ کے معتقد ہیں۔ ان فلاسفہ کا ابطال آپس میں خود (مثلاً فیثاغورث وغیرہ نے) کیا ہے۔ اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور باطل قرار دے رہے ہیں، پھر جدید سائنس دانوں کا آپس میں بھی شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متصادم ہیں تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں! البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمان کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے ہیں جو کہ بند رہتے ہیں، اندر جانے والا بغیر اجازت کے اندر نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جبرئیل، پھر انہوں نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے؟ من معك قال محمد صلى الله عليه وسلم قيل ارسل اليه قال نعم ففتح۔
جبرائیل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تب دروازہ کھول دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فلاں آسمانوں میں داخلہ بغیر اجازت ممنوع ہے کہ نہ فرشتہ کو

امام ابو حنیفہؒ کے استاد عطاء بن ابی رباحؒ کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سورہ طلاق کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر قابل اعتماد نہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے اس کی تردید روح المعانی کے مختلف مقامات پر موجود ہے اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملابست کے طور پر مجازاً نسبت کی گئی ہے۔

## كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ کی تفسیر

مثال کے طور پر قرآن کریم کی آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے بظاہر لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سب ستارے آسمان میں تیر رہے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سے مراد اس موج کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں۔

قال اکثر المفسرين هو موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر

وقال الضحاك هو ليس بجسم بل هو مدار هذه النجوم

حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار دیا ہے ——— الغرض اکثر مفسرین جن کواکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں نہ کہ آسمان کے بیچ میں ——— تو روس و امریکہ کی خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلیموسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر، نہ کہ اسلام پر۔ چاند تو کیا اگر تمام کواکب تک بھی انسان کی رسائی ہو جائے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

## اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے

اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے ہی اسلام کی غیبی تائید کر رہا ہے اور ان پر اتمام حجت ہو رہی ہے، سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کئے تب کہیں خلا نورد آسمان کے ذریعہ چاند سے مشت خاک لائے۔ لیکن سید المرسل اور رسالتوں کے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جبکہ دونوں ٹکڑوں نے کوہ حرا کی پہاڑی کو بیچ میں لے لیا پھر اسی طرح اللہ رب العزت نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کو ملا دیا۔ اقتربت الساعة وانشق القمر وان يروا آية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر۔ (القمر)

اتنا بڑا کام رب جلیل بلا کٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کئے ایک لمحہ میں ہو گیا ہے

خود ناقوسیت نے اس جوہ کی اب تک ہنسی اڑائی، فلاسفہ نے مذاق اڑایا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیارے خرق والتیام دیکھنا اور جڑنا اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں۔ تو حقیقت تو یہ ہے آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے ان دشمنان اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کرا دیا

## قیامت اور معراج کی تائید

قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فنا اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے، آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابل تغیر مان کر اس کی قدامت کے قائل تھے اور اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوث عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوئے تو ان لوگوں (فلاسفہ) نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت اتنی جلدی کیسے طے ہوئی اور بغیر آکسیجن کے کیسے زندہ رہے؟ آج کے خلانورد اس جسم خاکی کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ انہوں نے ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پرواز کی۔ تو کیا مالک ارض زمین و آسمان کا خالق ہے اس کا اپنے رسول مکرم کو بھیجنا تعجب کیا جا سکتا ہے؟ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا (بنی اسرائیل) "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گئی"۔

## رفع مسیح کی تائید

قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ بل رفعہ اللہ الیہ۔ مگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اسے ناممکن بتلا رہے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ وہاں کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند، مریخ اور زہرہ میں اپنے لیے الاٹمنٹ کروا لینا چاہتے ہیں گو ابھی یہ مرحلے بہت دور ہیں۔ ہنوز دلی دور است

## آدم علیہ السلام کا نزول

اسلام نے بتلایا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو مٹی میں سے پیدا ہونے کے بعد انہیں جنت میں اٹھایا گیا، کچھ مدت جنت میں گذارنے کے بعد خلافت ارضی کیلئے انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اس کو بعض تو آدمیوں کی اولاد نے انکار کیا مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیق انسان حضرت آدم علیہ السلام سے کر کے اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور عبادت سے گذرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطور معجزہ و قدرت خداوندی کے اس کی کئی مثالیں پیش کیں۔

## تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے

اسی طرح جنت کے لیے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور مومنات قبروں سے جنت میں جائیں گے۔ پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم بنے گی اور عرش الرحمٰن کے نیچے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہوگی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین ان شاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ سفر جسم اور روح دونوں کا ہوگا تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہوگی تب تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ تو افسوس ہے کہ ایک ایسی امت اعداء اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابل تسلیم سمجھے، حالانکہ یہ تو معمولی سی پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے جو بطور اتمام حجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

## کون سا مسئلہ حل ہوا؟

چاند کی تسخیر کے "کارنامے" سے کون سا انسانی مسئلہ حل ہوا؟ بھوک، افلاس، بیماری ختم ہو گئی؟ کیفیت عناد، کینہ اور خانہ جنگی ختم ہوئی؟ امتیازات انسانی، رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کون سا فائدہ ہوا؟ کچھ بھی نہیں! باہمی عداوت و منافرت اور بھی بڑھ گئی کہ ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا۔ پھر تجربہ میں کون سا خاص تحقیقی انکشاف ہوا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہو؟ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا مٹی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو منور کرتی ہے جبکہ یہ تصور تو قطعی طور پر فلاسفہ قدیم نے بھی پیش کیا تھا بتصریح اور شرح چغمینی اٹھا کر دیکھیں اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے اور عربی زبان کا یہ مقولہ تو زبان زد عام ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے)

## سائنس سے باطل مذاہب ہی متاثر ہوں گے

ہماری نگاہ میں اس کارنامہ سے ایک ہی فائدہ حاصل ہوا ہے اور وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ براندام ہیں، یہودیت اور نصرانیت کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا ہے۔ آج ہی کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات ہی ترمیم کر دی ہیں اور کلیسا والے بھی واویلا کر رہے ہیں۔ فلاسفہ یونان کی تغلیط ہو گئی، معجزات کے منکر شرمندہ ہوئے مگر اسلام کا تو ہر امر تائید ہی تائید ہو گئی، کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت اسلام کی متاثر نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ یہی تو دین قیم ہے اور قیامت

تک زندہ رہنے والا دین ہے۔ خداوند کریم نے اتمام حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اپنی زبان کی سائنس کی بدولت حواس اور مشاہدہ سے بھی کرادی۔

## وحی اور اسلام کے دیگر دعوؤں کی تائید

جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی الہام کے ذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے، تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، ٹیلیفون کیے جا رہے ہیں اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعے ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرائیل امین اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے تھے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہوتا تھا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

## معجزہ امکان کی دلیل ہے

اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ کہلاتا تھا جو بغیر آلات و وسائل کے ہو جو کسی غیر نبی کے بس میں نہیں، مگر اس سے بہرحال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا دخول فی السماء ممکن ہے اس لیے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جائے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنا دے۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعہ سے ایسا کر دے تو ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا، مثلاً ایک شخص بغیر ذرائع کے کراچی پہنچ جائے تو یہ اس کی کرامت ہے اور اگر ریل، موٹر کار، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ جائے تو اسباب مادیہ کا عمل خرق عادت نہیں تو اس کو کرامت نہیں کہا جا سکتا۔

## قرآن کریم کا بنیادی مقصد

رہا یہ امر کہ موجودہ ترقیات کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً کیوں نہیں تو یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا موضوع آخرت کی دائمی اور حقیقی زندگی کے حصول کے لیے دنیا کی چند روزہ زندگی کو استعمال کرنے کا طریقہ بتلاتا ہے اور اسی مقصد کے لیے زندگی کے کسی مرحلہ پر پیش آنے والی ضرورتوں کو تشنہ نہیں چھوڑتا، سعادت آخروی کے طریقوں کو ترغیب و ترہیب سے بیان کرتا ہے اور تجارت، سیاست، ملازمت، زراعت سب شعبوں میں حلال و حرام کی راہنمائی کرتا ہے لیکن وہ طبیعیات، نجوم اور جغرافیہ کی کتاب نہیں کہ ہر زمانہ کے عروج و ارتقاء کے سارے مراحل بتلائے البتہ بطور آیات آفاقی اور مبداء و معاد میں غور و فکر کرنے کے لیے

کہیں ضرورت پیش آئی تو ان اشیاء کا ذکر ایسے جامع کلمات سے کرتا ہے جس سے قیامت تک اہم فنی مسائل بھی مستنبط ہو سکیں مگر یہ نہ تو ہر شخص کا کام ہے نہ اس کا فہم ایمان کے لیے ضروری ہے ۔

**قرآن کریم میں علوم کا لاانتہائی ذخیرہ**

اولوالابصار اور عقلمندوں کے لیے علوم کا لامتناہی ذخیرہ قرآن مجید میں موجود ہے اور ان کلیات سے قیامت تک جزئیات نکالی جا سکتی ہیں ۔

محترم بھائیو! قرآن کریم کی کائنات بے حد و بے حساب ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حدیث میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ عرش معلّٰی کے نیچے ایک ہزار قندیلیں لٹک رہی ہیں اور یہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمایا ہوا ہے باقی قنادیل میں کیا ہے؟ اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کس کو ہو سکتا ہے؟ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔

مختصراً یہی کچھ عرض ہوا آئندہ کسی موقع پر ملنا چاہا تو مزید تفصیل کی جائے گی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

⌖ ⌖ ⌖

## اسلام اور عصر حاضر کے

# سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم و تحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمہ خلائی تحقیقات نے لونا نمبر ۹ کو سطح چاند پر اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ ستارہ پر پہنچ کر ٹوٹنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک ڈھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظام شمسی کے اس دوسرے سیارہ زہرہ کی مسافت (تقریباً) سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے

**اکتشافات کا عہد** | موجودہ دور جدید طبعی تحقیقات، علمی و فنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پر تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ سے اکتشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک نیا شور بلند ہوا ہے وہاں بعض حلقوں میں اس پر حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا گہرا مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض مسلم اذہان شکوک و شبہات کے شکار ہوئے کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کا ان کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ لا متناہی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں؟ اور اس عالم کائنات روایات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متوارث نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو اکتشافات اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے ٹکراتا ہو؟ —— آج کی فرصت میں ہم اس نقطۂ نگاہ سے مختصر

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک و
شبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے
ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساس کمتری کا ازالہ بھی ہو جس کے شکار بعض حضرات ان
کارناموں کی پُرفریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان
اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی
ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدود کار | جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی
ٹکراؤ اور تصادم کے خدشات اور وساوس کا تعلق ہے، عقل و فہم کی اس کج روی اور
فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے
دائرۂ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں
بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس و تحقیق اور علم و انکشافات
کا مرکز کار اس عالم محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدات
میں آ سکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات
سے وراء الوراء ہے۔ وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے جہاں تک ہمارے
عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس | مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے جن
کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں واماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں
عالم کی حقیقت کیا ہے۔؟ اس کارخانۂ ہست و بود کی یہ ہنگامہ آرائیاں کہاں جا کر ختم ہوں
گی؟ اس عالم آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے۔؟ پھر اس کائنات کی
وہ جوہری ہستی "جسے ہم "انسان" کے نام سے پکارتے ہیں جسم و مادہ کے اس کارخانہ اور
قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض و حاوی ہے۔؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ

ایک آہنی مشین کا ڈھڑا ہے، اور ایک خزانہ قوت ہے، جو اس مشین اور ذخیرہ قوت سے پردہ ہٹاکر یہ بتاتا ہے کہ واقعات و حوادث انہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانہ عالم کی یہ اندھادھند مشین خود کیا ہے؟ یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا ___؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔"

(از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۰)

واضح ہے کہ عالم سائنس کے یہ پرشکوہ آج خلا کو مسخر اور نظام شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں۔ مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے۔ گو یہ نہیں ان کے حق مخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی۔ اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ:

"سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اول تا آخر بتائے جا سکتے ہیں، کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔" (دیکھئے)

یہی دیکھئے نہ عالم سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلۂ علت و معلول، ایٹمی الیکٹرون سالمات (اجزاء لایتجزیٰ) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی، مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد سے برملا اپنی کتاب "اصول و نتائج" میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

"وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قویٰ کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں جتنی لایعنی پر زور سرخیاں پڑھنے کا موقع مجھے ملا ان میں سب سے

بدقسمتی ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغاز عالم کے متعلق روشنی فراہم کرتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کے مغالطات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں جو یہ ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ (البرٹ آئم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے غیب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی درماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور ضرورت سے اس کے فرار و گریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں۔ ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحب دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی شہ زبان سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔"

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور لرزتی معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے ؎

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ

جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

تعلیم مذہب کی حدود اور وسعتیں | مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس بھی بے یار و مددگار ظلمات بعضها فوق بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے ٹھیک وہاں سے تعلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی پہنائیاں لامحدود ہیں۔ اور جس کی وسعتیں علم، ہدایت، فکر، فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹے ہوئی ہیں۔ جہاں ظلمت و جہل نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیاپاشیاں اور قدرت و فطرت کے اٹل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں ہیں۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سے حدود محسوسات و مشاہدات کا عالم بھی حیران و سرگرداں

چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آگے ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالوں کے جوابات دیتا ہے۔ یعنی تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کراتا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

نمو کائنات میں مذہب کی رہنمائی | زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارے میں انسانی رہبری کے بعد مذہب یہ بتلاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہئے اور قدرت نے تسخیر فطرت کی جو استعداد انسان کو دی ہے، اسے کن مقاصد میں لگانا چاہئے۔ مذہب کہتا ہے کہ مشاہدات و محسوسات کی یہ ساری کائنات اس اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے جس کے لئے اس جرم صغیر انسان کو پوری کائنات پر سبقت دی گئی اسے اشرف المخلوقات بنایا گیا اور اسے خلافت الٰہی کے آخری مقام عروج پر فائز کیا گیا۔ مذہب کہتا ہے کہ اس زندگی کو ترقی دو۔ زمین سے تمہاری سائنس اور عقل تمہاری ترقیات اور ایجادات ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اسی طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی روحانی غذا ہی تو ہے جس سے تسخیر فطرت کی اس پوری کوشش کا ذریعہ اور ترغیب تمہارے ضمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو تمہاری فطرت میں قدرت کے دست فیاض نے رکھی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو، پہاڑوں کو چیر سکتے ہو، ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیو ہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں اڑا سکتے ہو کائنات کے تمام اسرار کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو، یہاں تک کہ تم اس کائنات سے ایٹمی توانائی کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگر شق کر دو اور خلاؤں کی پہنائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے

علاوہ زہرہ و مہتاب اور نظام شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو
گے یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دجالی تہذیب کے کامل
ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صنعت درجۂ کمال تک پہنچ
جائے تم بادل برساؤ اور بعض صورتوں سے احیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ ۔

بہت سے دعووں کی تائید و توثیق | مذہب اس دن کے انتظار میں ہے کہ تم یہ
سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعووں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی
کارناموں پر موقوف ہے اسی طرح اخبار غیب اور رجال غیب کے بہت سارے دعوے
اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں جیسے تم اپنے ماؤف دل و دماغ اور مفلوج ذہن کی بناء
پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے وہ حقیقتیں اور خوارق عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے
خالق نے نبیوں اور رسولوں کی مقدس شخصیتوں دنیاوی وسائل کے حصول کرایا تھا تم آج سائنس اور
صنعت و دولت اور وسائل کے بہت سے مظاہروں کے میدان میں آگے ہو ہم نے
مانا دنیا کی صدیوں کی کدوکاوش کے بعد آج تمہاری روحانی خلاء سے پار کی دنیا تک جیسی
دور بینیں اور عروج و پرواز کی منزلیں مگر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں
خلافت الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہر انسان نے محمد عربی فداہ ابی و امی کی شکل میں عروج و
پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں ۔ ولقد رای من آیات ربہ
الکبریٰ ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطہ معراج تھا ( صلی اللہ علیہ وسلم ) وہ جو
چاند اور ستاروں سے ہو کر آسمانوں اور علوی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا جہاں
دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور فاتح سرحدی جبرئیل امین کی رسائی بھی ناممکن تھی ملاء اعلیٰ
کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی ۔ بلکہ نہ
اس عالم مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی ۔ جبرئیل علیہ السلام اور

سبحان الذی سخر لنا هذا | کہ وہ پاک ذات ہے جس نے
وما کنا له مقرنین وانا الی | اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم
ربنا لمنقلبون۔ | ہرگز اسکو اپنے قابو میں نہ لا سکتے

تھے۔ (اگر اسکی رہنمائی و دستگیری نہ ہوتی) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلک سخرنا ها لکم لعلکم | اللہ نے انہیں تمہارے لئے یوں
تشکرون۔ | مسخر کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔
کذلک سخرها لکم لتکبروا | اسی طرح انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ
الله علی ما هداکم | تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے

تمہیں ہدایت کی ——— (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

**چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف** | الغرض سائنس کا دعوی یا چاند اور سورج کی تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو۔ سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں وہ فلسفہ یونان یا بطلیموسی علم ہیئت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں، گنبد کا ہول کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و درجوں پر تقسیم ہونا ثابت ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے۔ کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت فضا میں معلق (لٹکے ہوئے فانوسوں) کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں[1]۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

**طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات** | باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

---

[1] النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض [illegible] بسلاسل من نور بايدى الملائكة
(روح المعانی [illegible])

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات و تاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سماوات، کواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ وغیرہ سے بحث ہوتی ہے۔) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم غیبیہ و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی عالم ہوگا وہ غلطی پہ ہیں

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان جاہل اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں جو ہر فنی و سائنسی و مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| الآفة الثانية نشأت من صديق | طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی |
| للإسلام جاهل ظن أن الدين | ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض |
| ينبغي أن ينصر بإنكار كل علم | نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات |
| منسوب إليهم فأنكر جميع علومهم | کی ہر فنی و سائنسی اور نظریہ اور ان کے |
| وادعى جهلهم فيها حتى أنكر قولهم | ہر تحقیق کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت |
| في الكسوف والخسوف وزعم أن | سمجھتے ہیں یہاں تک کہ طبعیات کے مسئلہ |
| ما قالوه على خلاف الشرع فلما قرع | میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بارے |
| ذلك سمع من عرف ذلك | میں ان کی باتوں کو خلاف شریعت اور مذہب |
| بالبرهان القاطع لم يشك في | سے متصادم سمجھ کر غلط قرار دیتے ہیں اس کا اثر |

براهينه، ولكن يعتقد أن الإسلام مبني على الجهل وإنكار البرهان القاطع فيزداد للفلسفة حباً وللإسلام بغضاً، ولقد عظم على الدين جنايةُ من ظن أن الإسلام ينصر بإنكار هذه العلوم، وليس في الشرع تعرض لهذه العلوم بالنفي والإثبات، ولا في هذه العلوم تعرض للأمور الدينية۔

پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و انکشافات کی صداقت کے قائل ہوتے ہیں، اور مضبوط دلائل سے ان کے ہاں یہ چیزیں مسلّم ہو چکی ہوتی ہیں، ان کا اعتقاد خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہو جاتا ہے۔ (اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد جہل اور مشاہدات کے انکار پر ہے، پھر ریاضیات طبیعیات کے انکار کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں بڑی جہالت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود، اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی امور کا تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال غزالیؒ صـ)

**حسن و قبح کا مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔** جہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پر زد نہیں پڑتی، پھر اسلام جیسا دینِ فطرت ـــــ! جو اپنے بنیادی اصول و ارکان، روح اور مزاج اور مقاصد میں ذرہ بھر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں، اس کے مبادی اور اغراض لاثانی اور اس کے احکام و قوانین اٹل ہیں، ناممکن ہے کہ ہیں مثبت حقیقی سائنس و علم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول نہ کر سکے، وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تگ و تاز مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکری کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد نہ ٹھہرا لو۔ یہ چیزیں بذات خود نہ خیر ہیں نہ شر، اگر تمہاری یہ تسخیری ترقیں عالم کی فلاح اور انسانیت

کے رُخ میں جا گرے (ترجمہ از خبر الصادق) پچھلے ہفتے فرانس کے مشہور رسالے — "پیرس ماریچ" — میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ "جنگ" ۲ مارچ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ "دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی پر چند لمحوں میں پانی پھیر دیا گیا۔"

یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا، آج کے بیس میگاٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائے گی برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام ایچ بمبی دور مار میزائلوں کا ذخیرہ کر رہے ہیں جن سے براہ راست چین اور روس کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ حکومت روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگاٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

**تہذیب جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں**

تہذیب جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں کی تعبیر حضرت اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کی ہے:

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی  
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے۔ غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے۔ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے ایک دارالخلافہ ترکیہ میں پے در پے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے، دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز

بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح اس درندگی و بہیمیت کو بھی نگاہ میں رکھئے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی نہتی انسانیت پر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر الفریڈ ایوان نے جنگ عظیم کے بعد کہا تھا کہ "جنگ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارہ میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجنیری کی ساری حکمتیں جن سے انسان کی خدمت کی جا سکتی تھی الٹی اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور اس کی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہیمیت میں ان آلات سے بے پناہ اضافہ ہو گیا تخریب و بربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں کے ہاتھ آ گئے۔" ان ترقیات کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ "تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پر اڑتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم و ہمت پر عش عش کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضائے آسمانی سے نہتے انسانوں پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں یا شیطانوں کے۔

انما یرید الله ان یعذبهم بها فی الدنیا وتزهق انفسهم وهم کفرون۔ الآیة

هل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق الله خالق فلک مولانا الکریم۔

# چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے۔ امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی ۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے۔ مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبیعاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

**فطرت انسانی کے تجسس کا قابل تسلیم جواب**

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، اندھی، ناسمجھ الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پرحکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبیعات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پہ ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

**لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات**

پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جو اب تک ہمارے

علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آسکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی قدرت کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ
سائنس کو بھی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے
علم و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کروڑواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ
و مادہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرم ﷺ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں
کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی
تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکرین انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا اور مذہب
کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو قرآن کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں
کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت
کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بعید تر ہے۔ صرف ستاروں
کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جز اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات
کو مطلع صاف ہو تو دو ہزار ستارے نظر آتے ہیں۔ ملکی دوربین سے کئی ہزار اور دوربینوں سے کروڑوں
اور امریکہ کے بڑے رصدگاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر شمل نے جغرافیہ عالم میں
خوردبینوں سے نظر آنے والے ان ستاروں کی تعداد سات ارب بتائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا خیال
ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر
ان میں سے بعض ستارے تو اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں
سما سکتی ہیں۔ پھر ان ستاروں کی درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی فاصلوں
کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل دور ہے۔ ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل
دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا
رہا ہے۔ پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام
کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرنے کے لئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری

کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۵۰۰ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس پہ بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دوگنی ہو جاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آ رہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی ہے۔ اور حیرت ہوا اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اس کی بے حساب گہرائیاں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| ولو ان ما فی الارض من | اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور گہرہ |
| شجرة اقلام والبحر یمدہ من بعدہ | سمندروں کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی |
| من بعدہ سبعة ابحر | سیاہی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیقی |
| ما نفدت کلمات اللہ | کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی |

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

**عالمِ غیب** | یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترکتازیوں سے دور اور وراء ہے جسے عالمِ غیب سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک دہلیز اور مقدمہ ہے۔ اس کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی

کائنات میں ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارومدار ہے۔

**تخلیق کائنات کا مقصد اور تسخیر کائنات کے فطری تقاضے**

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور بلا حاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ حضرت انسان کو ان بے شمار قوتوں سے مالا مال کیا۔ [illegible] (کہف) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبر کرنے اس کی حکمتوں کو سمجھنے اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بناؤ۔ اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تعیش کا ایک گنج گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ فطرت نے تخلیق اور اسباب کے ہر عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے [illegible] حالانکہ مخلوق اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی بڑی بڑی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا وجود اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم (تکاثر) پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے

| | |
|---|---|
| ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیه وتقولوا | تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو |
| سبحان الذی سخر لنا هذا | کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو |
| وما کنا له مقرنین وانا الی | ہمارے بس میں کر دیا بیشک ہمیں اپنے |
| ربنا لمنقلبون | رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ |

اس مقصد کے لئے قرآن کریم آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

**مذہب اور سائنس کے حدود اور سرچشمے** | اس وسیع کائنات کا شرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے — تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور روح کی اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی قوت پرواز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کیفیت عناصر سے ہے، خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور مریخ کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الہیات ہیں۔ وہ ہمیں انسان کے بہت سے فطری حقائق بتاتا ہے، خداوندی، آخرت، حساب و کتاب اور قانون

مکافاتِ عمل و زندگی کے ذہنی ماورا، توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف
کرتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشافات پر مبنی
نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں
ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت زماں اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک چیلنج
ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے
کا منبع علم و عقل خام اور فہم ناقص کہ ہر ضابطہ الثری و ابن الثری۔

**سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں**

پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں
سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم و منافات
تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر
سائنس کی کوئی بات مشاہدہ، تجربہ اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے
اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر اس قسم کی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت حق کی بجائے غور و فکر کا نتیجہ ہوگا۔
حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کو جس کو ہم
نے مذہب سے منسوب کیا ہوگا درحقیقت کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا
رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملتا ہوگا — اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا
مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول
اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ یہ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا
کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

## خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت

کا اولین مقصد صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبیوں کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرنا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالم آخرت و حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو ریاضی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو۔ اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہیں، جو حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ [illegible] کہ یہ حج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت اور حقیقت، زمین سے اس کی مسافت اور اس کے قابل عبور ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی۔ کیمیا، نجوم، طب اور ریاضی کی الجھنیں جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

**راہ اعتدال** پس اگر آج کوئی شخص علماء طبیعیات کے کسی کارنامے سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے ڈھنگی کی علامت ہیں۔

# چاند کی تسخیر میں اسلام کا موقف

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلا شبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صراحت نہیں کی ہے اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ خود یہ چیز اس کے موضوع سے باہر تھی ورنہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم نہ تھیں۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع پذیر ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ایسی کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خواب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا تعبیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

**نظام فلکی اور ائمہ سلف**

پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثا غورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور

---

؎ ۔ یہاں واضح اور غیر مبہم انداز سے اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعت کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں بیان ہوئی ہیں جنہیں تاویل کے ذریعہ عصری ایجادات کے لئے پیش گوئی قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ رکھا گیا اور موجودہ ایجادات کی طرح ایک ایک کرکے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

ہوتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملینِ مذہب کو اٹھارہ رفتہ قرار دے کر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی ترقیاں مغربی نظامِ تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے فرزند پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری ترقیاں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظامِ تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجے میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجے کے کلرکوں، مستریوں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقال کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظامِ تعلیم سے ہمیں ذہنی آزادگی، یورپ کی مرعوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایجاد و اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

## تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی؟ اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آ چکی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ مادی فراوانی کی شان کچھ نرالی ہے۔ تسخیرِ قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جھلسنے والے اور جنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور غذائی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس کوئی

# چاند تک انسان کی رسائی

## چند شبہات کا ازالہ

چاند تک انسان کی رسائی کے بارے میں دارالافتاء اور ماہنامہ الحق کے ذریعے بیشمار خطوط موصول ہوئے۔ اس مسئلہ پر جولائی / اگست ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں مختصر روشنی ڈالی گئی، بعض خطوط میں کچھ حضرات نے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے، دارالعلوم کے دارالافتاء نے اس مضمون میں ان شبہات کے ازالہ کی کوشش کی جسے ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا۔ اب یہاں بحث بغرض افادہ عام شامل فتاویٰ کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

(الف) اولاً چند بنیادی باتیں عرض ہیں۔ واضح رہے کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اس سارے عالم کا بنانے والا صرف اللہ ہی ہے اور وہ اس عالم کے تمام ذرات اور تمام ان قوتوں سے جو کہ عالم میں ودیعت کی گئی ہیں بخوبی عالم اور واقف ہے۔ پس جو حقائق اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بیان کیے ہیں ان میں غلطی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سائنس اور وحی میں اگر تصادم محسوس ہو تو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ سائنسدانوں نے پوری تحقیق نہیں کی ہے ورنہ ان کی صحیح تحقیقات وحی سے کبھی متصادم نہ ہوتیں کیونکہ وحی اور سائنس (جو واقعات پر مبنی ہو) میں مخالفت اور تصادم ناممکن ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے وحی کو اس مقصد کے لیے نازل کیا ہے کہ انسان کو تعلق مع اللہ کے حصول کے طریقے معلوم ہوں اور مرضیات الٰہی و غیر مرضیات سے آشنا ہوں، وحی الٰہی کا مقصد اصل سائنس اور کائنات سائنس کی تعلیم نہیں ہے اور نہ قرآن کریم تاریخ یا جغرافیہ کا صحیفہ ہے۔ ان مقاصد کی تحصیل کے لیے نعمت خداداد یعنی عقل کا استعمال ضرورت کے وقت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی میں ایسے حقائق کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے جن کا نزول وحی کے مقصد کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

(ج) عقلیات اور اسرائیلیات کے متعلق اسلامی رویہ یہی چلا آیا ہے کہ ان میں سے جو امور وحی سے مخالف ہوں ان کی تکذیب کی جائے گی اور جو مخالف نہ ہوں تو وہ دو قسم ہیں: ایک یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت ملا ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی۔ دوسرا یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت نہ ہو تو ان کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔

(د) قرآن اور حدیث سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کفار آسمان میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا تفتح لهم ابواب السماء، مکذبین اور کفار کے لیے ان کے اعمال اور ارواح اور اجساد کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے (سورۃ الاعراف ع ۵) لیکن آسمان تک جانے سے ممنوع نہیں ہیں ورنہ آسمان تک جانا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دعویٰ اور علیہ البیان، مثلاً شیاطین اور جنات کا آسمان تک چڑھنا اور آسمان کو چھونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاۤءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (سورۃ جن) لہٰذا جو اشیاء آسمان سے نیچے ہیں کفار کے لیے ان پر چڑھنا ممنوع نہیں ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(ھ) چاند کے متعلق حکماء یونان زمانہ قدیم کا خیال اور عقیدہ تھا کہ چاند پہلے آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور بہت سے اہل اسلام بھی ان سے موافقت کرتے تھے، اس بناء پر کہ یہ عقیدہ نصوص سے متعارض نہیں تھا اس لیے کہ قرآن و حدیث میں چاند کے متعلق صاف طور پر نہیں کہا گیا تھا کہ چاند آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ چاند آسمان و زمین کے درمیان فضا میں ہے کیونکہ قرآن کے مقصد نزول کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، چونکہ قرآن مجید میں چاند کے متعلق "فی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا۔ وقال اللہ تعالیٰ: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا۔ وقال اللہ تعالیٰ: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ مگر کلمہ "فی" کا مدلول ظرفیت ہے نہ کہ مرکوزیت یعنی "فی" کا مدلول یہ ہے کہ اس کا مدخول کسی چیز کے لیے زمان یا مکان ہوگا اور یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے مدخول میں کوئی چیز مرکوز ہوگی۔ زید فی الدار، فی المسجد، فی السوق، فی الجنۃ سے یہ مراد نہیں ہے کہ زید ان اشیاء میں مرکوز ہے۔ (و هذا مما لا يخفى على من تعرف الاستعمال) نہ یہ لغت کا تقاضا ہے نہ عرف کا۔ اور مزید برآں یہ کہ ظرفیت سے ہمیشہ کے لیے یہ مراد نہیں ہوتا ہے کہ کلمہ "فی" کا مدخول نفس الامر اور حقیقت میں ظرف ہوگا۔

بلکہ بسا اوقات اس سے مراد بادی اور ظاہری نظر میں ظرفیت ہوتی ہے خصوصاً ایسے مقام میں جہاں عام اذہان کے لیے حقیقت کے سمجھنے میں مشکلات پیش ہونے کا خطرہ ہو۔ اور یہ معنی بھی فصیح اور بلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجدھا تغرب فی عین حمئۃ۔ ذوالقرنین نے سورج کو ایک گدلے تالاب میں ڈوبتے پایا۔ اس کا مقصد بھی یہی ظاہری نظر میں آنا ہے نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ تو اس تحقیق کی بناء پر یہ تنگی بھی زائل ہو جاتی کہ فی السماء ہونا بادی اور ظاہری نظر میں ہو۔

(ب) یہاں پر بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ فلک اور سماء بعض مفسرین کے نزدیک ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ فلک سماء کو کہا جاتا ہے نہ کہ آسمان کو۔ قال العلامۃ الآلوسی فی تفسیرہ ج ۱۷ ص ۳۳: والفلک فی الاصل کل شیٔ دائر ومنہ فلکۃ المغزل والمراد بہ ھنا علیٰ ما روی عن ابن عباس والسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم السماء۔ وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء یجری فیہ الشمس والقمر وقال الضحاک ھو لیس بجسم وانما ھو مدار ھذہ النجوم۔ انتہیٰ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں: فلک گول چیز کو کہتے ہیں، چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیرہ ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرما دیا خواہ وہ آسمان ہو یا فضاء بین السماء میں ہو یا فضاء بین الارض والسماء ہو یا تحت سماء ہو۔ کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور سلف سے تفسیریں مختلف منقول ہیں۔ کما فی الدر المنثور۔ اس لیے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔ (سورۃ الانبیاء ع ۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فلک اور سماء الگ الگ چیزیں ہیں، نیز اس کی بھی تائید ہوئی کہ شمس و قمر آسمان کے جوف میں یقینی طور پر مرکوز نہیں ہیں۔

(ج) نجوم (ستاروں) کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں: ان النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملائکۃ من نور۔ (روح المعانی جلد ۳ ص ۸) یعنی ستارے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور آسمان کے جوف میں مرکوز نہیں ہیں۔ مزید فرماتے ہیں: لم یقم دلیل علیٰ ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شیٔ من السمٰوٰت کالفص فی الخاتم۔ (روح المعانی جلد ۲۴ ص ۱۰)

حالانکہ ان کے متعلق اللہ فرماتا ہے: تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا۔ (سورۃ الفرقان ع ۶) بروج سے مراد نجوم اور ستارے ہیں۔ (فی التحقیق وھو منقول عن السلف) اور فرماتے ہیں،

وَزَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (سورۃ الملک ۵) تو جس طرح نجوم کے متعلق "فی"
استعمال ہوا اسی طرح زینت سماء کہا گیا ہے اور باوجود اس کے کہ یہ آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ
باری اور ظاہری نظر پر اس کا اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسی طرح چاند کے متعلق بھی کہا جائے گا بلکہ جب
یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین اور آسمان دونوں گول ہیں تو اسی تقدیر پر چاند اور سورج بلکہ زمین تمام
کے تمام پر یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے کہ یہ چیزیں آسمان اور آسمانوں میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کے لیے چاند اور سورج بلکہ آسمانوں پر
اترنا ممکن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وسلم کا آسمانوں کی طرف مافوق الاسباب چڑھنا اس امکان کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس حکم کا
انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ بیشک امریکہ وغیرہ کے کفار
کے لیے ناممکن ہے کہ وہ آسمان میں داخل ہو جائیں لیکن جو چیزیں آسمان سے نیچے ہیں ان پر اترنا
کفار کے لیے ناممکن اور ممنوع نہیں ہے۔ پس اگر چاند آسمان سے نیچے ہو جیسا کہ یہ اکثر مفسرین
کا ملا ہے تو کفار کے لیے اس پر اترنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ باقی رہا امریکہ کا یہ دعویٰ کہ

(۱) اس نے چاند پر انسان اتارا ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ
ایسے دعووں کا وحی کے ساتھ کوئی تصادم نہیں ہے۔

(۲) آلات اور رصدگاہوں کے ذریعے اس کا مشاہدہ ہوا ہے۔

(۳) روس وغیرہ جو کہ امریکہ کے مخالف ہیں انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

(۴) نیز شریعت میں کفار کے دنیوی اخبارات پر اعتماد کرنا جائز ہے بلکہ اس میں دینی مصالح بھی
موجود ہیں خصوصاً دفع فتنہ اور واقعہ معراج کا ذہن نشین ہونا اور کفار پر اتمام حجت ہونا اور انکار
کی صورت میں قرآن مجید کی تکذیب کا خطرہ ہے خصوصاً جبکہ عام مشہور ہو جائے لہٰذا اس کو
تسلیم کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ اس سے حکمت یونانی کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ ان کا یہ
اعتقاد کہ چاند آسمان کے تخن میں مرکوز ہے غلط ثابت ہو گیا۔

## چند شبہات کا ازالہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان علویات پر نہیں اتر
سکتا ہے ورنہ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کس طرح آسمان پر ٹھکانا رکھتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام طور پر
انسان زمین پر ٹھکانا رکھے گا کیونکہ دنیوی زندگی کی ضروریات کا یہیں انتظام ہوا ہے لہٰذا یہ ممکن

ہے کہ بعض افراد ما فوق الاسباب یا تحت اسباب بخلاف عادت علویات پر اتر جاتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ (اور اسی زمین میں تم کو لوٹا دیں گے) اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ انسان خلائی پرواز نہیں کر سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی وقت ضرور زمین میں لوٹایا جائے گا خواہ موت کے ساتھ متصل ہو یا حشر سے پہلے ہو۔

(۳) وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے) تو اس سے مراد لمس اور آسمان تک چڑھنے سے حفاظت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آسمان کے حالات سے خبرداری سے حفاظت ہے یا آسمان کے باشندوں کے اختلاط سے۔

(ملخص سید الآلوسی فی تفسیرہ ج ۱۴ ص ۲۳)

(۴) شہاب ثاقب کا حملہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ شیاطین استراق کرنے لگتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا۔ اور قرآن کریم سے یہ معلوم نہیں کہ صرف چڑھنے سے یہ حملہ شروع ہوتا ہے لہٰذا کفار کی آسمان تک رسائی میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

# باب الفرق الاسلامیة وغیرھا

## (اسلامی اور کفریہ فرقوں کے احکام ومسائل)

### اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف

سوال :- جناب مفتی صاحب! اہل سنت والجماعت کا مصداق کون لوگ ہیں اور ان کی کیا تعریف ہے ؟

الجواب :- اہل سنت والجماعت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد واحکام میں قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے مسلک کو اپنانے اور ان کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

لما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ : اہل سنت وجماعت وہ مسلمان ہیں جو عقائد واحکام میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ قال فی شرح العقائد النسفیۃ : فبهت الجبائی وترک الاشعری مذهبه فاشتغل هو ومن تبعه بابطال رأی المعتزلة واثبات ما ورد به السنة ومضی علیه الجماعة۔ (امداد الاحکام ج۱ کتاب الایمان والعقائد ص۱۶۹)

### ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی اور اس کی جماعت حزب اللہ کا شرعی حکم

سوال :- جناب مولانا صاحب! اس سلسلہ روزگار کراچی میں مقیم ہوں، یہاں ایک نیا فرقہ "حزب اللہ" کے نام سے وجود میں آیا ہے جس کا بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نام کا کوئی شخص ہے، اس فرقہ کے لوگ بڑی عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، توسل بالاعمال وبالذوات، وہ عذاب قبر وغیرہ کے منکر ہیں، تقلید مذاہب اربعہ کو شرک کہتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں وعقائد ان لوگوں کے ایسے ہیں جو ہم نے آج تک اپنے علماء سے نہیں سنی ہیں۔ تو اس فرقہ کے بانی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ عقد مناکحت اور دیگر سماجی تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی بانی جماعت حزب اللہ سوال میں مذکور عقائد کے علاوہ بھی بہت سارے خلاف شرع عقائد کا قائل اور داعی ہے امت مسلمہ میں فتنہ اور فساد

پیدا کرنے والا شخص ہے۔ اس کے شائع شدہ رسائل میں امت مسلمہ کے متفقہ اور اجماعی عقائد سے فرار اور ایک نئے دین کی بنیاد رکھنا پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ شخص مسلمانوں کی تکفیر میں بھی از حد جلد باز ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے مشائخ اور محدثین علماء کرام کو بھی معاف نہیں کرتا۔ اس لیے ڈاکٹر عثمانی اور اس کے متبعین ضال (گمراہ) اور مضل (گمراہ کرنے والے) ہیں۔ نکاح رشتہ ناطے کے علاوہ بھی کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے۔ اور ان لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔

## محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! حضرات علماء دیوبند محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کافر ہیں یا مسلمان؟

الجواب: محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک متشدد قسم کا مذہبی آدمی تھا اور اس کے پیروکار بھی اس کے نظریات کی روشنی میں لوگوں کی تکفیر میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ حضرات علماء دیوبند اس کے عقائد و نظریات سے اتفاق نہیں رکھتے اور نہ ہی اس اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر کے قائل ہیں۔ عوام الناس کو اس کے عقائد و نظریات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ انور شاہ الکشمیریؒ: اما محمد بن عبد الوہاب النجدی فانہ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی ھذا الوادی الا من یکون متیقظاً متقناً عارفاً بوجوہ الکفر واسبابہ۔

(فیض الباری ج۱ ص۱۷۱ کتاب العلم باب من جعل الخ)[1]

---

[1] قال العلامۃ خلیل احمد السہارنفوریؒ: الحکم عندنا فیہم ما قال صاحب الدر المختار و خوارج ہم قوم لہم منعۃ خرجوا علیہ بتاویل یرون انہ علی باطل کفر او معصیۃ توجب قتالہ بتاویلہم یستحلون دماءنا و اموالنا و یسبون نساءنا الی ان قال وحکمہم حکم البغاۃ ثم قال وانما لم نکفرہم لکونہ عن تاویل وان کان باطلاً۔

(المہند علی المفند ص۳۶ بحوالہ الف فی عشر)

امَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث جبرئیل: وسوالہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان. فقال ان تؤمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ. رواہ البخاری فی صحیحہ کتاب الایمان باب ۳۷،

{ ومسلم فی صحیحہ کتاب الایمان. باب ۱،۴،۵ — وابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۶،۱۷ — والنسائی کتاب الاشربۃ، باب ۴۸ — وابن ماجۃ مقدمۃ، باب ۹۔ }

فھذہ الاصول التی اتفقت علیہا الانبیاء والرسل صلوات اللہ علیہم ولم یؤمن بھا حقیقۃ الایمان الا اتباع الرسل۔[1]

---

[1] وقال اللہ تبارک وتعالی: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ (سورۃ المؤمن آیت ۴۶)

وقال: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوِٴ الْمَكْنُوْنِ ۔ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۔ (سورۃ الواقعہ آیت ۲۲) ۔ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۔ (سورۃ الرحمٰن آیت ۷۲)

وقال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: والجنۃ والنار حق مخلوقتان الیوم لا تفنیان ابدا ...... وفی شرحہ وفی نسخۃ ولا تموت الحور العین ابدا ولا یفنی عقاب اللہ ولا ثوابہ سرمدا ..... وقال الامام الاعظم فی کتاب الوصیۃ ..... والجنۃ والنار حق وھما مخلوقتان ولا فناء لھما ولا لاھلھما لقولہ تعالی فی حق اھل الجنۃ: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ وفی حق اھل النار اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔ خلقھما للثواب والعقاب۔ وقال ایضا فی الوصیۃ واھل الجنۃ فی الجنۃ خالدون واھل النار فی النار خالدون۔ لقولہ تعالی فی حق المؤمنین اولٰئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون۔ وفی حق الکفار اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۳۳ بحث حوض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حق والجنۃ والنار مخلوقتان الیوم)۔

ومثلہ فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۴۲۶ ان اللہ خلق الجنۃ والنار

## پرویزی فرقہ کے عقائد و نظریات

سوال:۔ ایک شخص پرویزی عقائد و نظریات کا معتقد ہے اور پرویزیت کی نشر و اشاعت کرتا ہے نیز اس مذہب کے اثبات اور حقانیت پر لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کی نماز جنازہ میں مسلمانوں کو شرکت کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پرویزی اصل میں منکرین حدیث کہلاتا ہے، اس فرقہ کے پیروکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو غیر معتبر کہتے ہیں، دراصل یہ فرقہ بظاہر اسلام کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی میں مصروف عمل ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ احادیث نبویہ پر مشتمل ہے اور احادیث مبارکہ قرآن پاک کے مطالب اور مراد کے لیے مظہر اور مبیّن ہے احادیث مبارکہ کی حجیت چونکہ قرآن پاک ہی سے ثابت ہے اس لیے احادیث نبویہ کا انکار کرنا قرآن پاک کے انکار کے مترادف ہے، لہٰذا اس قسم کا عقیدہ رکھنا دین محمدی کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورۃ ہود ۱۱۳)

قال اللہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورۃ الجمعۃ آیت ۲)

قال ابو عبداللہ محمد بن یوسف فی تفسیر ھذہ الآیۃ: ويعلمهم الكتاب هو القرآن والمعنى انه يعلمهم ويلقي اليهم معانيه والحكمة الشريعة وبيان الاحكام وقال قتادة الحكمة السنة وبيان الشرائع الى غير ذلك۔ (البحر المحيط ج ۸ ص ۲۶۳ وبهامشه الحكمة وهي السنة التي لم تكن في الكتاب)

قال اللہ تعالیٰ: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (سورۃ النجم ۳ ، ۴)[1]

---

[1] ولما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثله معه الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله (رواہ ابو داؤد بحوالہ مشکوۃ ص ۲۹ باب الاعتصام)

ومثله فی المرقاۃ شرح المشکوۃ مفصلاً ج ۱ ص ۲۴۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة

## گستاخِ رسول سلمان رشدی کی سزا کا حکم

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل سلمان رشدی کی مخالفت میں اس کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" کی وجہ سے عالم اسلام خصوصاً پاکستان ہندوستان اور ایران میں مظاہرے جاری ہیں، ان مظاہروں کے دوران ایک عالم دین نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ (سلمان رشدی) مرتد ہے اور اس کی سزا قتل ہے اور شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل چونکہ حداً ہے لہٰذا بعد از توبہ بھی قتل کیا جائے گا۔ اس بارہ میں وضاحت فرمائیں؟

**الجواب:** جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالیہ میں گالی بکے تو بلاشک و شبہ وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے، اگر اپنے فعلِ شنیع پر مصر رہے تو اس کی سزا قتل ہے البتہ اگر صدقِ دل سے توبہ کرے کہ آئندہ ایسی بکواس نہیں بکوں گا تو محققین علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن صاحب بزازیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک ایسے شخص کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ تاہم ایسا شخص جس کی خباثت پورے عالم اسلام میں پھیل رہی ہو اور اسے رہا کرنے کی صورت میں دوسروں کو بھی جرأت ملتی ہو تو ایسے گستاخ کے ناپاک وجود کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن بزاز الکردریؒ: اذا سب الرسول علیہ السلام او واحداً من الانبیاء علیہم السلام فانہ یقتل حداً ولا توبۃ لہ اصلاً سواء بعد القدرۃ علیہ والشہادۃ او جاء تائباً من قبل نفسہ کالزندیق لانہ حد وجب فلا یسقط بالتوبۃ کسائر حقوق الآدمیین۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۲۲ الثالث فیما یتعلق بالانبیاء) [1]

---

[1] وقال العلامۃ الحصکفیؒ: والکافر بسب النبی من الانبیاء فانہ یقتل حداً ولا تقبل توبتہ مطلقاً ولو سب اللہ تعالیٰ قبلت لانہ حق اللہ والاول حق عبد لا یزول بالتوبۃ ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۲۳۱ باب المرتد)
ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۸۶ کتاب الفاظ الکفر ویتصل بہذا۔

## فرقہ آغاخانی کے عقائد و نظریات

سوال:۔ فرقہ اسماعیلیہ آغاخانی جو پرنس عبدالکریم آغاخان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس فرقہ کے لوگ مؤمن ہیں یا کافر؟

الجواب:۔ فرقہ اسماعیلیہ آغاخانی کے تمام عقائد و نظریات قرآن و حدیث کے بالکل خلاف اور متصادم ہیں۔ اسی طرح ان کے فروعی مسائل صلوٰۃ، صیام، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ بھی اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے ان لوگوں نے اپنا مذہب خود ہی ایجاد کیا ہے ان کا کوئی بھی مسئلہ (اصولی ہو یا فروعی) اسلامی تعلیمات کے ساتھ موافق نہیں ہے یہ لوگ انتہائی گمراہ کن عقائد رکھتے ہیں مثلاً آغاخانی امام کی تصویر کی پرستش، تسمیہ کے موقع پر بجائے بسم اللہ کے لفظ "اوم" ذکر کرنا، نماز، ذکر اذکار، ورد و دعا کا طریقہ بھی بڑا عجیب ہے ان کا سلام "یا علی مدد" اور سلام کا جواب "مولا علی مدد" کلمہ شہادت اشہد ان علیاً اللہ ہے، وضو کو یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ ہمارے دل کا وضو ہے اور روزہ کان، زبان اور آنکھ کا ہوتا ہے کھانے پینے سے نہیں ٹوٹتا، زکوٰۃ کی بجائے دو آنہ جماعت خانہ کو دیتے ہیں، حج ان کا اپنے حاضر امام کا دیدار کرنا ہے یہ سب امور موجب کفر اور تحریفات ہیں، اسلامی تعلیمات جو ہمیں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے ہیں ان کے ساتھ ذرہ بھر بھی ان عقائد کا واسطہ نہیں ہے لہٰذا یہ فرقہ اسلام سے کوسوں دور کفر و ارتداد کی شدید ظلمات میں گھرا ہوا ہے۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: والکفر لغۃ الستر وشرعاً تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مما جاء بہ من الدین ضرورۃ والفاظہ تعرف فی الفتاوی۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۲۲۱ باب المرتد)

---

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مر أی عدم الاذعان والقبول لما علم مجیئہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورۃ أی علماً ضروریاً لایتوقف علی نظر واستدلال، ولیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا لان مجرد نسبۃ الکذب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر وظاہر کلامہ تخصیص الکفر بجحد الضروری فقط مع ان الشرط عندنا ثبوتہ علی وجہ القطع وان لم یکن ضروریاً (رد المحتار ج۳ ص۲۲۳ باب المرتد قبیل مطلب فی منکر الاجماع)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۵ ص[illegible] باب احکام المرتدین۔

## شیعہ کے کفر اور اسلام کی تحقیق

سوال: کیا شیعہ عقائد و نظریات رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا کافر؟ نیز ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شیعہ کے مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے عقائد و نظریات ایک دوسرے سے جدا ہیں، اسی وجہ سے ان کی تکفیر میں سلفاً خلفاً اختلاف چلا آرہا ہے، لہٰذا ان میں سے جو فرقہ ضروریاتِ دین کا منکر ہو اس کی تکفیر میں کسی کو اختلاف نہیں، مثلاً جو گروہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت کا قائل ہے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور خلافت کا منکر ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہو اور ان کو نبی آخر الزمان تسلیم کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق وحی لانے میں غلطی کا معتقد ہے یا قرآن کریم میں تغیر و تبدل کا قائل ہے تو اس فرقے کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور اس سے تعلقات رکھنا، نشست برخاست، رشتہ ناطہ قائم کرنا، ان کے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنا ناجائز ہے، اور اس کے علاوہ عقیدہ رکھنے والے گروہ مبتدع ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها او انكر صحبة الصديق رضي الله عنه واعتقد الالوهية في علي رضي الله عنه وان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي او نحوذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۳۷ باب المرتد) ـہ

---

ل؎ قال العلامة ابن البزازؒ: ويكفر الروافض في قولهم برجعة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح وانتقال روح الاله الى الائمة وان الائمة الهة وفي قولهم بخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنهي الى ان يخرج ويقولهم ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي الى محمد صلى الله عليه وسلم دون عليؓ واحكام هؤلاء احكام المرتدين ومن انكر خلافة ابي بكر رضي الله عنه فهو كافر في الصحيح ومنكر خلافة عمرؓ فهو كافر في الاصح ويجب اكفار الخوارج في اكفارهم جميع الامة سواهم ويجب اكفارهم باكفار عثمان وعلي وطلحة والزبير وعائشة رضي الله عنهم. (البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۱۸ باب احكام المرتدين)
ومثله في الهندية ج۲ ص۲۶۴ الباب التاسع في احكام المرتدين۔

## فرقہ اثنا عشریہ کی ختم نبوت کے متعلق تاویل فاسدہ

سوال: شیعہ فرقہ اثنا عشریہ جو کہ بارہ اماموں کو مانتا ہے ان کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مامور من اللہ مفترض الطاعۃ اور معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک بنیادی عقیدہ اور اصول دین میں سے ہے۔ کیا یہ عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی تو نہیں؟

الجواب: شیعوں کے مختلف فرقے ہیں، ان میں سے بعض صراحۃً ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں وہ تو کافر و مرتد ہیں، اور بعض اپنے کفر و ضلالت کو چھپانے کے لیے کسی امر اجماعی وما ثبت فی الدین بالضرورۃ کی تاویل بعید کرتے ہیں جو کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت کے خلاف ہوتی ہے، تو ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ قریب الی الشر ہوتا ہے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی تاویل بعید کرتے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی کا نام نہیں دیا جائے گا، اور نبوت بایں معنی کہ کسی انسان کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا جس کی اطاعت مخلوق پر فرض ہو، معصوم من الذنوب ہو، یہ صفات تمام کی تمام ائمہ اثنا عشرہ میں موجود اور باقی ہیں، لہٰذا اس قسم کی تاویلات کرنے والا جو قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مخالف ہو زندیق اور اس کا حکم قتل ہے۔

قال الشاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم: وقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ولکن معنی ہذا الکلام انہ لا یجوز ان یسمی بعدہ احد بالنبی واما معنی النبوۃ وہو کون الانسان مبعوثاً من اللہ الی الخلق مفترض الطاعۃ معصوماً من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یری فہو موجود فی الائمۃ بعدہ فذلک الزندیق وقد اتفق جماہیر الحنفیۃ والشافعیۃ علی قتل من یجری ہذا المجری۔
(مسوّی علی الموطا ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعہ دہلی) اھ

---

قال العلامۃ التفتازانی: وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہارہ شرائع الاسلام یبطن عقائد ہی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۶۸)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۴ ص ۲۴۱ باب المرتد۔

## شیعہ کے بعض کفریہ عقائد

سوال:- اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کی الوہیت، جبرئیل امین کا غلطی کرنا اور دیگر تمام امور کو امام مہدی کے ظہور تک معطل سمجھنے کا عقیدہ رکھے تو از روئے شریعت اس شخص پر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

الجواب:- مندرجہ بالا عقائد مکمل طور پر صریح شرک اور کفریہ عقائد ہیں، جو شخص یا گروہ ان عقائد کا حامل ہو تو باجماعِ اُمت وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، ان کے ساتھ مسلمانوں سا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة او انكر صحبة الصديقؓ او اعتقد الالوهية في علي او ان جبرئيل غلط في الوحي۔
(رد المحتار ج۳ ص۴۶ باب المرتد)[1]

## بہائی مذہب اختیار کرنا کفر ہے

سوال:- ایک شخص نے اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے، دلائل سے وضاحت فرمائیں کہ دینِ اسلام چھوڑ کر بہائی مذہب اختیار کرنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- فرقہ بہائیہ چونکہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً روزِ قیامت، دخولِ جنت و جہنم سے انکار، اللہ تعالیٰ کا کسی کے جسم میں حلول کرنے کا عقیدہ رکھنا، ختمِ نبوت سے انکار، میراث میں مرد و عورت کی مساوات، عدت سے انکار وغیرہ، یہ تمام عقائد ضروریاتِ دین میں ہیں اور پوری امتِ مسلمہ کا ان پر اجماع ہے، لہٰذا ان میں سے کسی ایک سے انکار کرنا یا کسی کے جسم میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھنا موجبِ کفر اور ارتداد ہے، اسلام میں داخل ہونے کے لیے کل ما ثبت بالضرورة کا یقین اور اقرار کرنا ضروری ہے، کسی ایک حقیقت کا انکار بھی موجبِ کفر بن سکتا ہے، اس لیے بہائی مذہب اختیار کرنے والا کافر و مرتد

---

[1] قال العلامة ملا علي القاريؒ: وان كان مستحل السب او القتل فهو كافر لا محالة ... وفي شرح العقائد: وسب الصحابة والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضي الله عنها۔
(شرح الفقه الاكبر ص۱۴۲ الكبيرة لا تخرج المؤمن من الايمان)
وهكذا في البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۱۸ باب احكام المرتدين۔

خارج عن الاسلام ہے۔

لے قال العلامة ملا علی القاریؒ: والتحقیق ان الایمان هو تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند الله اجمالاً ..... ثم المراد من الضروری ما علم بالضرورة کونه من الدین بحیث یعلم العامة من غیر افتقار الی النظر والاستدلال کوحدة الصانع ووجوب الصلوة وحرمة الخمر ونحوها وانما قید بها لان منکر الاجتهادات لا یکفر اجماعاً واما من یؤول النصوص الواردة فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانه یکفر لما علم قطعاً من الدین انها علی ظواهرها الخ (شرح الفقه الاکبر مطلب الایمان هو الاقرار والتصدیق)

## ختم نبوت کے وقت کے تعین کی تحقیق

سوال: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کس وقت سے تسلیم کرنا چاہیے؟ ولادت کے بعد سے یا نبوت ملنے کے بعد سے یا بعد الوفات؟ مقصد یہ ہے کہ وحی کا دروازہ کس وقت سے بند تصور کیا جائے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی سے خاتم النبیین ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب مبارک کے لیے ازل سے ہی منتخب فرما دیا تھا۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ ارشاد فرمایا: جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت بھی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ عالم اجساد میں آپ سب انبیاء کے بعد آئے اور جب عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو نبوت ملی اور وحی کا نزول شروع ہوا۔ آپ کوئی شریعت

---

لے قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مر ای عدم الاذعان والقبول لما علم مجیئه به صلی الله علیه وسلم ضرورة ای علماً ضروریاً لا یتوقف علی نظر واستدلال ولیس المراد التصریح بانه کاذب فی کذا لان مجرد نسبة الکذب الیه صلی الله علیه وسلم کفر وظاهر کلامه تخصیص الکفر بجحد الضروری فقط مع ان الشرط عندنا ثبوته علی وجه القطع وان لم یکن ضروریاً۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۳ باب المرتد)

ومثله فی تنویر الابصار مع الدر المختار ج ۴ ص ۲۲۳ باب المرتد۔

اور نئی کتاب ملی جو تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کے لیے ناسخ بنا دی گئی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے تاہم نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے پہلے نزول فرمائیں گے اور شریعت محمدی کا احیاء اور اس کی اتباع کریں گے۔ اور احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ پر وحی بھی آئے گی لیکن یہ وحی شریعت مصطفےٰ کو بدلنے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اس وقت کے ضروری امور سے متعلق ہوگی گویا انقطاع وحی سے مراد وہ وحی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔

ما ورد فی الحدیث: قال ابو هریرة رضی الله عنه. قالوا یا رسول الله متی وجبت لك النبوة قال وآدم بین الروح والجسد۔ (رواه الترمذی بحواله مشکوٰة ص۵۱۳ باب فضائل سید المرسلین صلی الله علیه وسلم، الفصل الثانی)

قال العلامة ملا علی القاری[1] فی شرح هذا الحدیث: وجبت لی النبوة والحال ان آدم بین الروح والجسد یعنی مطروح علی الارض بلا روح والمعنی انه قبل تعلق روحه بجسده...... وروی ابو نعیم فی الدلائل وغیره من حدیث ابی هریرة مرفوعاً کنت اول النبیین فی الخلق وآخرهم فی البعث (مرقاة المصابیح ج ۱۱ ص۵۸)

وقال العلامة جلال الدین سیوطی رحمه الله: فبینما هو کذلك اذ اوحی الله الی عیسیٰ بن مریم علیه السلام انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور ویبعث الله یاجوج وماجوج (الحدیث)...... فذلك صریح فی انه وحی حقیقی لا وحی الهام (ان ما توهمه هذا الزاعم من تعذر الوحی الحقیقی فاسد لان عیسیٰ علیه السلام نبی فای مانع من نزول الوحی علیه؟ فان تخیل لنفسه ان عیسیٰ علیه السلام قد ذهب عنه وصف النبوة فهذا قول یقارب الکفر لان النبی لا یذهب عنه وصف النبوة ابداً حتی بعد موته وان تخیل اختصاص الوحی للنبی صلی الله علیه وسلم بزمن دون زمن فهو قول لا دلیل علیه ویبطله ثبوت الدلیل علی خلافه۔ (نزول عیسیٰ بن مریم آخر الزمان ص۴۸-۵۲)[1]

---

[1] وهکذا فی اشعة اللمعات ج ۴ ص۴۹۹ باب فضائل سید المرسلین صلی الله علیه وسلم

## قادیانیوں کا کفر قرآن وحدیث کی روشنی میں

سوال: قادیانی جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدی کا سچا مذہب ہے باقی سب مذاہب باطل ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ واقعی احمدی سچا مذہب ہے اور قرآن وحدیث کے موافق ہے یا مخالف؟ مجوزہ کر ان کے ساتھ میل جول رشتہ ناطہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: تمام امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا نزول عیسیٰ ابن مریمؑ سے انکار نہیں اسلئے کہ ان کی نبوت اور پیغمبری آپ سے پہلے تھی نیز ان کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نازل ہونا آپ کی ختم نبوت پر اثر انداز نہیں ہوگا، بہرحال ختم نبوت کا عقیدہ تمام امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے، ایسے متفقہ عقائد سے انکار کرنے والا کافر و مرتد ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعوے نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی رو سے بالکل جھوٹ اور بکواس پر مبنی ہیں لہٰذا ان کے ان جھوٹے دعووں کی بنیاد پر ان کے ماننے والے کافر اور مرتد ہیں۔ جب ایک مسلمان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص قادیانی ہے اور سمجھانے بجھانے پر بھی وہ باز نہیں آتا تو اس کے ساتھ اسلامی طریقہ پر میل جول اور اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" (سورۃ هود) جمہور علماء اسلام جب قادیانی عقائد و نظریات پر مطلع ہوئے تو سب نے ان کے کفر و ارتداد کے فتوے دیئے جن کی بناء پر وہ سب جو دعویدار ان عقائد کے معلوم ہونے کے قادیانیوں کو مسلمان سمجھیں، خواہ وہ مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہوں یا مسیح مہدی یا مجدد بہرحال کافر و مرتد ہیں۔ مزید تحقیق کا شوق ہو تو "تکفیر قادیانی" نامی رسالہ کو مطالعہ کریں جس میں سیکڑوں معتمد علماء کے دستخط ثبت ہیں۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیماً۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰، پ ۲۲)

---

قال العلامۃ ابن کثیر رحمہ اللہ تحت ہذہ الآیۃ فهذہ الآیۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ واذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بعدہ بالطریق الاولیٰ والاحری لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس وبذلک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ ﷺ من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص [illegible])

ومثلہ فی الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۴ ص ۱۹۶ سورۃ الاحزاب

## قادیانیوں کے دلائل اور ان کے جوابات

سوال:- ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے ثبوت اور حقانیت کے لیے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:-

قادیانی کے دلائل: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

ہمارا عقیدہ: واضح ہو کہ یہ قرآن پاک کی آیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے کل یا جزو سے انکار کرنا ہمارے نزدیک موجب کفر ہے، پس ہم جماعت احمدیہ والے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اور جو آپ کو خاتم النبیین نہ مانے وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہی نہیں۔ لیکن لفظ خاتم کا حقیقی معنی و مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا کی کسی بھی لغت میں لفظ ختم مقام و درج میں آکر خاتم کا معنی بند کرنے والا یا روکنے والا نہیں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا محاورہ یا عرب کا مقولہ یا کسی عرب شاعر کا کوئی شعر تمام عربی لٹریچر میں موجود نہیں اور نہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی عربی کتاب میں خاتم کا لفظ بند کرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، چنانچہ لغات کی چند مشہور کتابیں ملاحظہ ہوں:-

| لفظ | معنی | نام کتاب لغت |
|---|---|---|
| ۱۔ خاتم | نگینہ، مہر، جس پر نام وغیرہ کندہ کیے جاتے ہیں۔ | لسان العرب، تاج العروس، المنجد، قاموس، جوہری۔ |
| ۲۔ خاتم | انگشتری، مثل خاتم من ذهب یعنی سونے کی انگوٹھی | " " " " " |
| ۳۔ خاتم | گھوڑے کے جو تھوڑی سی سفیدی ہوتی ہے | قاموس، تاج العروس، منتہی الارب |
| ۴۔ خاتم | گھوڑے کے گھٹنوں کے پاس کا حلقہ بھی خاتم کہلاتا ہے | " " " " " |
| ۵۔ خاتم | گدی کے نیچے جو گڑھا ہوتا ہے اس کو بھی خاتم کہتے ہیں | " " " " " |
| ۶۔ خاتم | مہر کا نقش جو کاغذ پر اتر آتا ہے | لسان العرب وغیرہ |
| ۷۔ خاتم النبیین | نبیوں کی زینت اور رونق | مجمع البحرین جلد ۶ |

(۱) اسی طرح ملا علی قاری "موضوعاتِ کبیر صفحہ ۵۹" میں خاتم النبیین کا یہ معنی کرتے ہیں کہ آنحضرت کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپ کی امت نہ ہو۔

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "تفہیماتِ الٰہیہ" میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبیوں کے ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شارع بنا کر بھیجے۔

(۳) "مجمع البحار" مصنفہ شیخ محمد طاہرؒ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۴) "تفسیر صافی" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ میں خاتم الانبیاء ہوں اور تو خاتم الاولیاء ہے۔ تو کیا اس سے مراد یہ لیا جائے کہ حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی نہیں ہوگا؟

(۵) "دیلمیؒ" کی حدیث ہے کہ میں فقراء المؤمنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میں اپنے سے پہلے اور بعد کے سب نبیوں کا سردار ہوں۔

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو خاتم المہاجرین کہا ہے تو کیا حضرت عباسؓ کے بعد کسی نے ہجرت نہیں کی؟

(۷) سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم یعنی مہر کے ہیں اور مہر کا کام تصدیق کرنا ہے۔ ایک سرکاری ملازم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ رقم یا تنخواہ میں نے وصول کی ہے مگر کسی اور نے۔

(۸) ایک عدالت کا حاکم اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ نوشتہ یا پروانہ میرے علم اور حکم سے جاری ہوا ہے۔

(۹) ایک بادشاہ اس لیے مہر لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ فرمان یا تحریر میرے علم اور حکم سے لکھا یا جاری ہوا۔

(۱۰) ایک ڈاکخانہ خط پر اس لیے مہر لگاتا ہے کہ تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ خط فلاں مقام سے فلاں تاریخ اور وقت پر روانہ ہوا یا پہنچا۔

(۱۱) ایک اپیل نویس اپنی مہر اس واسطے لگاتا ہے کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ تحریر کی

عبارت میری تحریر کردہ ہے۔

(۲) کسی پارسل، ڈاک یا بند خط پر مہر اس لیے لگائی جاتی ہے کہ یہ چیز جس میں یہ صفت پائی جائے اگر مہر سلامت رہے تو اس کے اندر کی چیز کے سلامت ہونے کا اعتبار ہو۔ یا یہ مطلب ہے

(۳) کسی مہر کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی تحریر کے لازماً آخر میں ہو خواہ آغاز پر خواہ انجام پر مہر، اس سے مہر کنندہ کی تصدیق ہوتی ہے نہ کہ اس تحریر کا بند ہونا اور بند کرنا۔

یہ تو قادیانی کے دلائل تھے۔ آپ حضرات سے استدعا ہے کہ ان دلائل کے دندان شکن جوابات تحریر فرما کر اس تو ہین فتنہ کا قلع قمع کرنے میں تعاون فرمائیں۔

**الجواب**:- تمام امت مسلمہ کا یہ اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ حضور سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے۔ وہ قربِ قیامت میں آسمانوں سے نزول فرمائیں گے اور دینِ محمدی کی احیاء اور تجدید کریں گے اور شریعتِ محمدی کے تابع ہوں گے۔ مگر قادیانی بدبخت اس اجماعی عقیدہ کو چھوڑ کر لفظ خاتم کے غیر مرادی اور غیر معتبر معانی کے پیچھے لگ گئے۔ اور خاتم النبیین کا جو اجماعی معنیٰ ہے جس پر تمام امت کا اتفاق ہے، جو آنحضرت نے خود سمجھایا اور صحابہ کرام نے سمجھا تھا اور امت کے تمام محققین، محدثین، مفسرین، ائمہ کرام اور علماءِ حق کا اس پر اتفاق ہے لیکن بدبخت قادیانیوں نے ان کا سمجھا ہوا معنیٰ جھٹلایا اور خود اپنے من گھڑت معنیٰ کو معتبر قرار دیا۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي ولا رسول بعدي ولا أمة بعدي ۔۔۔ یہ کئی احادیث کا مجموعہ ہے اور یہ مضمون کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم ج۳ ص [illegible]) ۔ ذی شعور سے اگر پوچھا جائے تو جب کوئی مختلف معانی کا احتمال رکھنے والا لفظ آجاتا ہے تو اس کا تعیّن کیا جاتا ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کا معنیٰ نبوت کو ختم کرنے کا لیا، اسی لیے فرمایا لا نبي بعدي ولا رسول بعدي۔ جو کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں نہ تشریعی نہ ظلی نہ بروزی ۔۔۔ مگر قادیانی مرتدوں علیہم ما علیہم نے خاتم النبیین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا ہوا معنیٰ چھوڑ کر اور خود لغت کے تمام

معنوں کو چھوڑ کر صرف تصدیق اور مہر کا معنی یا جز تمام کے لیے ہوتے معنیٰ سے مخالف اور متضاد ہے۔

ملا علی قاریؒ نے جو "موضوعات کبیر" میں آیت خاتم النبیین کا معنی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آئے گا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو تو یہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف اشارہ ہے کہ آئیں گے مگر شرعی نبی نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے دین کے حامی بن کر آئیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا قول "تفہیمات الٰہیہ" میں بھی بالکل ٹھیک ہے قادیانی اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ ہر نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں۔

ضروری انتباہ:- قادیانیوں کی تحریرات میں سب دھوکہ ہے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکے سے بے دینی کی طرف مائل کرتے ہیں۔ خاتم النبیین اور ختم نبوت کے اجماعی عقیدے کے یہ لوگ منکر ہیں۔ لوگوں میں خود کو مسلمان ظاہر کرتے اور عوام الناس کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے اس قسم کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دے سکیں۔ ان کے باطل مذہب کی حقیقت خود ان کی اپنی تحریر کردہ کتابوں سے واضح ہوتی ہے، اگر آپ قادیانی مذہب کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل کتابیں منگوا کر مطالعہ کریں تاکہ ایمان بھی تازہ ہو اور دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے فریب سے بھی نجات ملے۔ (۱) عشرۂ کاملہ (۲) ختم نبوت (۳) تحقیق الکفر والایمان بآیات القرآن (۴) دعویٰ مرزا (۵) مسیح موعود کی پہچان (۶) قادیانیوں کے کفر پر علماء اسلام کا فتویٰ۔ یہ کتابیں طبع شدہ ہیں اور مطبوعہ ملتی ہیں، کسی بھی مشہور کتب خانہ سے منگوا کر ضرور مطالعہ کریں۔

۲۸۵ص

لفظ خاتم کی لغوی تحقیق:- خاتم کا معنی لغت کی رو سے: (۱) صراح میں ہے: "ختم کردن، مہر کردن، ختمت الشئ فھو مختوم، ختم شدہ تمام گردانیدن تعالیٰ ختم اللہ لہ بالخیر، اتمام خواندن قرآن، اختتام بپایان بردن نقیض افتتاح، خاتم بفتح التاء و کسرہا، ختام بالتاء و خاتام بالالف انگشتری جمع خواتیم، خاتم الشئ آخرہ، و محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بالفتح صلوٰۃ اللہ علیہ و علیہم اجمعین، گل و موم مہر کنندہ و قولہ تعالیٰ ختامہ مسک" (۲) اور غیاث ص۲۹۳ پر "ختام بکسر موم و مشک وغیرہ کہ بران مہر کنند" (۳) المنجد ص۱۶۵ الختم ما یختم بہ الختام الطین او کل ما یختم بہ علی الشئ

جمع ختم الختم کل ما یختم بہ، الخاتم جمع خواتیم، الختام ما یختم بہ و عاقبت کل شی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے۔ (۴) مفردات القرآن للامام راغب اصفہانی میں لکھا ہے: وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بمجیئہ۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خاتم ختم کرنے اور ختم الشی کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور خبیث قادیانی کے دھوکہ کو دیکھو کہ یہ لفظ کہیں بھی ختم کرنے۔ ورنہ اعتبار و افتخار الشی کے معنی میں نہیں لایا، خاص کر امام راغب اصفہانی کی تصریح کے الفاظ۔ المنجد کا مصنف تو عیسائی ہے مسلمان نہیں، اس عیسائی کے الفاظ دیکھیں کہتا ہے عاقبت کل الشی، اور یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے اگر بالفرض کسی لغت میں لفظ خاتم معنی ختم کرنے والا نہ بھی ہو تب بھی ہمارے مدعا اور اجماعی عقیدہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ہمارے نزدیک لغات کی کتابیں معتبر ہی نہیں ہیں اور نہ ہم اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے ان سے استدلال کرنے کے پابند ہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ قرآن پاک کے قطعی اور یقینی نصوص، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، قرآن و حدیث کو چھوڑ کر لغات کی کتابوں سے استدلال کرنے والا ملحد، بے دین کا زندیق اور ملحد ہے اسلام سے کوسوں دور ارتداد کی شدید ظلمات میں پڑا ہوا ہے، اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ جو شخص قادیانی مذہب اختیار کرے تو عدم رجوع کی صورت میں اسے سزائے موت دے۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

قال الحافظ ابن کثیرؒ تحت ھذہ الآیۃ فھذہ الآیۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ واذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بعدہ بالطریق الاولیٰ والاحریٰ لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس وبذلک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیث جماعۃ من الصحابۃ۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص ۴۹۳) سلہ

---

سلہ قال العلامۃ القرطبیؒ: قال ابن عطیۃ ھذہ الالفاظ عند جماعۃ علماء الامۃ خلفاً وسلفاً متلقاۃ علی العموم التام مقتضیۃ نصاً انہ لا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(احکام القرآن ج ۱۴ ص ۱۹۶ سورۃ الاحزاب)

### مرزائیوں کا لاہوری فرقہ بھی کافر ہے

سوال :- مرزائیوں کا لاہوری فرقہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا اور بظاہر اس کے نبی ہونے سے برأت کا اظہار کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا، اسی طرح یہ فرقہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کا بھی منکر ہے۔ کیا یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ مسلمان ہیں یا قادیانی مرزائیوں کی طرح کافر و مرتد ؟

الجواب :- مرزائیوں کا لاہوری فرقہ اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نبی اور پیغمبر ہونے میں متردد ہے لیکن دیگر عقائد قطعیہ مثلاً حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونے سے انکار، اسی طرح ان کے رفع الی السماء سے بھی انکار کرنا (مرزا محمد علی لاہوری کی تفسیر بیان القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۱۳) یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا ماننا، اس قسم کا عقیدہ رکھنا قرآنی آیات، صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف ہے لہٰذا مرزائیوں کا یہ (لاہوری) فرقہ بھی اپنی تاویلات فاسدہ کی وجہ سے مسلمان نہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن مریم : قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ (سورۃ مریم آیت ۱۸ تا ۲۱)[1]

وقال اللہ تعالیٰ : وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ۝ (سورۃ التحریم آیت ۱۲) ـــــ

---

[1] وقال ابو عبد اللہ محمد بن احمد رحمہ اللہ (ولم يمسسني بشر) اي بنكاح (ولم أك بغيا) اي زانية وذكرت هذا تأكيدا لان قولها لم يمسسني بشر يشمل الحلال والحرام ... ولنجعله آية اي دلالة على قدرتنا عجيبة (الجامع لاحكام القرآن ج ۱۱ ص [illegible] سورۃ مریم)

ومثله في تفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۱۱۸ سورۃ مریم۔

## شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ ایک لڑکے نے اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کرکے ایک سُنّی المسلک خاندان کی لڑکی سے شادی کر لی جبکہ حقیقت میں وہ شیعہ مذہب اور شیعیت کا حامل ہے اور اب بیوی کو بھی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن لڑکی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر رضامند نہیں اور نہ وہ اس کے پاس آباد رہنے کے لیے تیار ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت محمدی کی رو سے شیعہ مذہب اختیار کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور ایک سُنّی المسلک خاتون کا کسی شیعہ مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر لڑکے نے شیعہ مذہب کے وہ عقائد اپنا رکھے ہیں جو ضروریات دین کے مخالف اور متضاد ہیں، جیسے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگانا، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت اور آپ کی خلافت حقہ کا انکار کرنا، اسی طرح قرآن پاک کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہونا یا آپ کو نبی آخر الزمان ماننا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی اور حضرت علیؓ کی بجائے جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری وغیرہ وغیرہ، یہ تمام صورتیں موجب کفر و ارتداد ہیں۔ لہٰذا اگر مذکورہ شوہر اس قسم کے نظریات رکھتا ہے تو بلا شبہ وہ مرتد اور کافر ہے، اور شریعت اسلامیہ کی رو سے شوہر کے مرتد ہو جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عورت اگر مدخول بہا ہو تو وہ عدت گزارنے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اور پورے حق مہر کی حقدار ہے اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو عدت بھی واجب نہیں اور آدھا مہر ملے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۶ باب نكاح الكافر)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالى عنها أو أنكر صحبة الصديق رضي الله تعالى عنه أو اعتقد الألوهية في علي رضي الله عنه أو أن جبرئيل عليه السلام

غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن۔

(رد المحتار ج۴ ص۲۳۷ باب المرتد مطلب مہم فی حکم سب الشیخین) لہ

**ذکری فرقے کے کفر کا حکم**

**سوال:-** ذکری فرقہ جو ضلع تربت مکران بلوچستان میں وقوع پذیر ہے اس فرقہ کے تمام مذہبی طور طریقے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، ان کا کلمہ الگ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے انکار، خانہ کعبہ کو قبلہ ماننے سے انکار وغیرہ، اس کے باوجود اس فرقہ کے پیروکار اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، تو کیا صرف اسلام کا دعویٰ کرنے سے آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** یہ فرقہ محمد جونپوری یا محمد اٹکی کو اپنا رسول مانتا ہے جیسا کہ اہلِ اسلام کے کلمہ کے برعکس اپنے ایجاد کردہ کلمہ سے وہ اپنے آپ کو رسول ظاہر کرتا ہے، اس فرقہ کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ ہے۔ بایں وجہ یہ فرقہ ختمِ نبوت کے متفقہ و مسلّم عقیدہ کا بھی منکر ہے اور دوسرا یہ فرقہ اسلام کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جو قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہیں اور ان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے کا منکر ہے، اسی طرح کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی دوسری جہت کی طرف منہ کرنا یعنی اس کو قبلہ بنانا بھی موجبِ کفر ہے۔ لہٰذا جس شخص کے بھی یہ عقائد ہوں وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا ہے چاہے اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے ہزار بار "میں مسلمان ہوں، میں مسلمان ہوں" کی رٹ

---

لہ قال العلامۃ ابن البزاز الکردری: والکفار الروافض فی قولہم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح و بانتقال الروح الالٰہ الی الائمۃ وان الائمۃ الٰہۃ وقولہم بخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والنہی الی ان یخرج وبقولہم ان جبرئیل علیہ السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی رضی اللہ عنہ وأحکامہم ھٰؤلاء احکام المرتدین ومن انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ فہو کافر فی الاصح ویجب اکفار الخوارج فی اکفارہم جمیع الامۃ سواہم ویجب اکفارہم باکفار عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وطلحۃ والزبیر وعائشۃ رضی اللہ عنہم۔ (البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۶ ص۳۱۸ باب احکام المرتدین)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۵ ص۱۲۴ باب احکام المرتدین۔

سکتا ہے۔ اس لیے کہ فقہاء اور متکلمین نے لکھا ہے کہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ تمام ضروریاتِ دین کا اقرار اور تصدیق کرے جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اور دین کے کسی ضروری امر کا انکار نہ کرے لہٰذا ذکری فرقہ اسلام کی ان بنیادی ضروریات کے انکار کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لـه قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والايمان تصديق جميع ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم عن الله تبارك وتعالى مما علم مجيئه به ضرورة وهل هو فقط، وهو مع الاقرار؟ قولان فاكثر الحنفية على الثاني والمحققون على الاول والاقرار شرط اجراء احكام الدنيا بعد الاتفاق على انه يعتقد متى طولب به اتى به فان طولب به فلم يقر فهو كفر عناد والكفر لغة الستر وشرعاً تكذيب محمد صلى الله عليه وسلم في شيء مما ثبت عنه ادعاؤه ضرورة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۹ باب احكام المرتدين)

**بریلوی فرقہ کا تذکرہ**

سوال: جناب مفتی صاحب! بریلوی فرقہ کا بانی کون تھا اور اس کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ اس کے اور اس کے پیروکاروں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: بریلوی فرقہ کا بانی احمد رضا خان تھا۔ اس نے اکابر علماء دیوبند اور دیگر علماء کرام کے بارے میں بہت کچھ غلط انداز استعمال کیے جن کو زبان و قلم پر لانا بھی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اس نے علماء دیوبند کی عبارات کو کاٹ چھانٹ کر حرمین سے ان پر کفر کے فتوے حاصل کیے جن کی وجہ سے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو علماء حق سے متنفر کیا اور ان میں مختلف قسم کی بدعات و رسومات کو رواج دیا۔ لیکن اس سب کے باوجود علماء حق نے اس فرقہ کے بانی اور اس کے پیروکاروں کی تکفیر نہیں کی تاہم کسی بھی غیر اللہ کو مافوق الاسباب حاجت روا ماننا اور اس کے لیے علم غیب کلی و دیگر صفات خاصہ کا عقیدہ رکھنا موجب کفر ضرور ہے۔

---

لـه قال العلامة ملا علي القاري رحمه الله: ان انكار المجمع عليه وانكاره بعد العلم به مما يعلم من امور الدين۔ (شرح الفقه الاكبر ص ۱۵۲ استحلال المعصية كفر)
ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۲ باب احكام المرتدين۔

كما قال الله تعالى لحبيبه: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ. (سورة الكهف آيت ۱۱۰)

وقال ايضا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا. (سورۃ الاسراء ۹۳)

كما في الحديث قال النبي صلى الله عليه وسلم انما انا بشر مثلكم اذا امرتكم بشيء من امر دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشيء من رأيي فانما انا بشر.
(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۲۸ باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

قال العلامة ملا علي القاري: فليس في اطلاع على المغيبات انما ذلك شيء قلته بحسب الظن. (مرقاۃ ج ۱ ص۲۲ باب الاعتصام بالكتاب والسنة)[1]

## مولانا پنج پیر اور ان کے پیروکاروں کو کافر کہنا صحیح نہیں

سوال:- مولانا پنج پیر اور ان کے متبعین کو ان کے عقائد و نظریات سے اختلاف کی بناء پر کافر کہنا کیسا ہے؟ نیز ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مولانا پنج پیر اور ان کے متبعین کا عقیدہ صحیح اور درست ہے اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں، اگرچہ بعض مسائل میں شدت سے کام لیتے ہیں جو کہ راہِ اعتدال سے تجاوز کرچکی ہے، اس تحقیق اور بے جا فتویٰ بازی کی وجہ سے علماء حقانیین نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن ان کو کافر و مرتد کہنا صحیح نہیں، علماء کرام نے تکفیر کے فتویٰ میں بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے ان کے ساتھ مسلمانوں والے تعلقات قائم کرنا صحیح اور درست ہے، کسی بھی مسلمان کو

---

[1] قال العلامة ملا علي القاري: ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله تعالى احيانا وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (شرح فقه الاكبر ص۱۸۵ حكم تصديق الكاهن)

ومثله في الهندية ج۲ ص۲۶۳ الباب التاسع في احكام المرتدين ومنها ما يتعلق بالانبياء عليهم الصلوة والسلام.

بلا وجہ کافر کہنا موجب تعزیر ہے ۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسعة وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطأ فی ابقاء الف کافر اهون من الخطأ فی افناء مسلم واحد۔ الخ
(شرح الفقه الاکبر ص۱۵۹ تکفیر اهل البدع)[1]

## مودودی صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے تجدد پسند نظریات

سوال از جناب مفتی صاحب البعض علاقہ

کہا جاتا ہے کہ عقائد مودودیہ گمراہ کن اور جماعت اہل سنت کے مخالف ہیں، مودودی صاحب خود ساختہ مفتی ہیں، ان کی کتابوں کا مطالعہ بغیر عالم دین کے عوام الناس کے لیے ناجائز اور بدعت نظریہ ہے، اس جماعت کے ساتھ میل ملاپ اور ان کی حمایت کرنا ناجائز ہے، اس بارہ میں آپ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب: مودودی صاحب کے عقائد و نظریات پر اکابر علماء دیوبند نے کافی حد تک روشنی ڈالی ہے اور ان کے تمام غلط نظریات کو جمع کر کے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا ہے، تاہم مختصراً یہاں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی تالیفات اور ان کی جماعت کے بعض ذمہ دار حضرات کے مضامین و خیالات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہیں جو اپنی تحقیق و ریسرچ اور بزعم خود اجتہاد و استنباط کے شوق میں آگے بڑھ کر بسا اوقات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک اور حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الحنفی: یجب ان یعلم انه اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۵ ص۴۵۸ فی کتاب احکام المرتدین)

لما قال العلامة المرغینانی: اذا قذف مسلما بغیر الزنا فقال یا فاسق او یا کافر او یا خبیث فوجب التعزیر۔ (الهدایة ج۲ ص۵۳۱ کتاب الحدود فصل فی التعزیر)
ومثله فی رد المحتار ج۴ ص۲۲۶ فی باب المرتد۔

مودودی صاحب کی ان طبع آزمائیوں کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان سے متاثر ہوا فراد کے دلوں میں بھی سلف صالحین کی وقعت اور ان کی علمی اور فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ جمہور کے مسلک اور قطعی نصوص مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہماری معلومات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں تاکہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کا تعارف سامنے آجائے۔

(۱) تنقید سے صحابہ کرامؓ کو مستثنےٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیار حق سمجھنا۔ (دستور جماعت)

حالانکہ صحابہ کرامؓ کا عادل ہونا ان قطعی مسلمات میں سے ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی بے شمار نصوص ان کے معیار حق اور میزان عدل ہونے پر ناطق اور شاہد ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجر عسقلانیؒ: "جو کوئی بھی صحابہ کرامؓ کی تنقیص و تنقید کو جائز سمجھتا ہے وہ دراصل قرآن و حدیث کی ابطال و تنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے۔" (الاصابۃ)

اور بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ: "اگر معاذ اللہ یہ اولین اساتذۂ اسلام غیر ناقابل اعتماد ہوں گے تو دین کی تمام عمارت گر جائے گی اور اس دروازۂ تنقید اور جرح کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ناقابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔"

(مکتوبات ج ۲ ص ۲۴۳)

(۲) ایسے ہی عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق ان کی رائے اور انوکھا اجتہاد (تفہیمات ۲/۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق (رسائل و مسائل ۱/۳۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق (تفہیمات ۲/۴۲) اسی طرح دیگر انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام (تفہیم القرآن ۱/۵۵۸) حضرت یونس علیہ السلام (تفہیم القرآن ۲/حاشیہ ۳۱۲-۳۱۳) وغیرہ کے بارے میں گستاخانہ الفاظ اور ان کی شان نبوت میں غفلت و بے پرواہی سے ایسے انداز میں ان پر تبصرے کیے کہ جن سے بے ادبی واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ یا مثلاً حدود شرعیہ کے متعلق ظلم اور بے انصافی کا خیال ظاہر کرنا۔ (تفہیمات ۲/)، یا مثلاً دجال وغیرہ کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو قیاسات اور ظن و تخمین قرار دے کر انہیں افسانے کہنا (          ) یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی اہل السنت کے مشہور و متفقہ عقیدہ میں انکار و تردد کرنا (تفہیم القرآن) ــــــ اور اسی طرح کے دیگر خیالات فاسدہ

جو کہ نصوص قطعیہ کے یکسر خلاف ہیں۔

اس کے علاوہ مودودی صاحب کی تحریرات میں مسلمانوں اور منصب بیضاء کے مسلمات مثلاً رشد وہدایت اور تصوف کے طریقوں، مجددین و مصلحین کے خصوصی امتیازات اور تجدیدی کارناموں کی تضحیک و تحقیر کرنا موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کے روشن خیال اور خالی الذہن متبعین کے دلوں میں ملت اسلامیہ کے صحیح راہنماؤں فقہاء و ائمہ کرام و مشائخ عظام اور ان کے طریقۂ دعوت وعزیمت اور تجدید دین کی مساعی اور کوششوں کی قدر وقیمت گھٹ جاتی ہے اور عزت واحترام کے جذبات بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو تجدید ودعوت اجتہاد وامامت کے لیے ہیچ مہمت اور جامع الصفات شخصیت صرف مودودی صاحب ہی نظر آتے ہیں۔ اس قسم کی تحریرات کا نمونہ ان کی "تجدید و احیاء دین" نامی کتاب میں موجود ہے جس کے صفحہ ۴۵، ۴۸، ۴۲ پر امام غزالی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ وغیرہ پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ متعدد فقہی مسائل میں انوکھے اجتہادات سے مسلمانوں میں تشویش اور انتشار پیدا کرنے کے سبب تمام قوتیں بروئے کار لائی گئیں، اس کی چند مثالیں خود انکی تحریروں کی روشنی میں ملاحظہ ہوں:-

(۱) اضطراری حالت میں جواز متعہ کی فرضی صورت۔

(۲) مسنون داڑھی سے انکار اور مختلف حیلوں سے اس کی مقدار و عظمت کو گھٹانے کی کوشش۔ (ترجمان القرآن)

(۳) خلع اور مس کی عدت میں ذاتی رائے۔ (حقوق الزوجین)

(۴) بے وضو سجدۂ تلاوت کرنا۔ (تفہیم القرآن ۲/۱۱۶ سورۃ الاعراف)

(۵) روزہ دار کے لیے بعد از طلوع فجر کھانے پینے کا جواز۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۴۲ سورۃ البقرہ)

جس کے لیے کسی شاذ ونادر قول تابعی وغیرہ کا سہارا لے کر جمہور کے مسلک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین، اہل دین اور مسائل دین کے بارے میں بے ادبی اور بے اعتنائی اور اپنے مزعومہ نظریات اور آراء پر گھمنڈ ان کی آراء اور تحقیقات کا قدر مشترک ہے اور

اسی طرح مودودی صاحب اپنی جدت پسند طبیعت، جدید اور قدیم امتزاج سے ایک نئے مسلک اور دین کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ طبعاً ومآلاً تقلید و تعصب سے جدا ہو کر دین کے بارے میں ایک ایسے شخص کو مقتدیٰ علیہ سمجھنا ہے جس میں اجتہاد کی علامت اور تحقیق و استنباط کی شرائط اور لوازم کسی حال میں موجود نہیں اور جو اپنی تحقیق کے گھمنڈ میں اجماعیات امت سے چشم پوشی کر جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ مصلحت اور ضرورت سمجھے تو دین کے مسلم عقائد اور اصولوں تک میں بھی حکمت عملی کے نام سے ترمیم و تبدیل کر سکتا ہے۔

مذکورۃ الصدر بعض وہ اشارات ہیں جن پر اکابر علماء دیوبند نے تحقیق و تفصیل سے ان کے تفردات اور غلط و گمراہ کن نظریات پر روشنی ڈالی ہے اور الگ الگ مضامین و رسائل لکھے ہیں۔ اس بارے میں اپنی تحقیق سے زیادہ ہمارا اعتماد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ اور پاک و ہند کے دیگر علماء کرام اور ارباب فتویٰ کے فتاویٰ پر ہے جو پورے اخلاص و للہیت اور جذبہ دینی و خیر خواہی مسلمین اور بصیرت باطنی کی روشنی میں مودودی صاحب کو بحیثیت مجموعی ایک گمراہ اور ان کی جماعت کو ایک گمراہ کن جماعت سمجھتے ہیں، ان حضرات کی اتباع اور تقلید اور بعض اپنی ذاتی رائے کی بنا پر ہم بھی مودودی صاحب کو مسلمانوں کے حق میں ناپسندیدہ و مضر اور ان کے نظریات و آراء سے اجتناب کرنا ضروری سمجھتے ہیں، مودودی صاحب کے نظریات و عقائد کی تردید اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کی گئی ہے اور قرآن پاک میں جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا اولین مصداق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ ان حضرات کو ہم اہل سنت والجماعت معصوم نہیں سمجھتے لیکن تمام امت میں بہترین اور افضل ترین سمجھتے ہیں، صحابہ کرامؓ کو موضوع تنقید و تردید بنانا صد درجہ کی ضلالت و گمراہی ہے، اور یہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی نشر و اشاعت میں بالکل عدول ہیں اور اس میں انہوں نے کسی قسم کی کمی بیشی، کوتاہی یا غفلت اور ذاتیات کو شامل نہیں کیا اور یہ دین سارا دین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ امت تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح تمام

انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی، یہ بھی تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِینَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔
(سورۃ الانفال آیت ۷۴)

۱؎ وروی فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہباً ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ۔ متفق علیہ
(مشکوٰۃ ص۵۵۳ فی باب مناقب الصحابۃ۔ فی الفصل الاول)

وقال العلامۃ ملا علی القاریؒ: الصحابۃ کلہم عدول مطلقاً لظواہر الکتاب والسنۃ واجماع من یعتد علیہ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۱ ص۲۵۵) ۱؎

## قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات قائم کرنا ناجائز ہے

سوال: ہمارے علاقہ میں کچھ قادیانی رہتے ہیں تو کن امور میں ہم مسلمانوں کو ان کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے اور کن امور میں قطع تعلق کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ قادیانیوں کے تمام دعوے جھوٹ اور لغویات پر مبنی ہیں باجماع امت یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے تعلقات (مناکحت، مواکلت، مشاربت وغیرہ) قائم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

۱؎ لما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (سورۃ ھود آیت ۱۱۳) ۲؎

---

۱؎ وقال العلامۃ ملا علی القاریؒ والامام ابو حنیفۃؒ: والانبیاء کلہم منزہون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منہم زلات وخطیئات۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۸۹)

۲؎ قال الامام ابو عبد اللہ محمد بن احمدؒ تحت قولہ تعالیٰ: الی الذین ظلموا قیل اہل الشرک وقیل عامۃ فیہم وفی العصاۃ ..... وہذا ہو الصحیح فی معنی الآیۃ وانہا دالۃ علی ہجران اہل الکفر والمعاصی من اہل البدع وغیرہم فان صحبتہم کفر او معصیۃ اذ الصحبۃ لا تکون الا عن مودۃ۔ (وقد قال الحکیم) عن المرء لا تسأل وسل عن قرینہ۔ فکل قرین بالمقارن یقتدی
(احکام القرآن ج ۹ ص۱۰۸ سورۃ ھود)

## علامہ عنایت اللہ مشرقی کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام

علامہ مشرقی کے بارے میں کہ:

(۱) یہ کیسے آدمی تھے؟ کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ علامہ مشرقی دشمن اسلام اور قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و مذہب رکھتا تھا، چنانچہ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۳۹ء رحیم جیلانی (؟) اشاعت ۱۲ جلد ۳۶ کو علامہ ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے علامہ مشرقی کے متعلق چھپوا کر شائع کیا تھا اور اس پر کفر کا فتویٰ دیا تھا، اور علماء پنجاب لاہور علماء ہند دہلی نے بھی علامہ مشرقی کو اسلام سے خارج قرار دیا تھا، چنانچہ علامہ ابوالحسنات قادری نے اپنے رسالہ "خاکساری مذہب اور اسلام" میں لکھا ہے کہ علامہ مشرقی نے اپنے تذکرہ اور اشارات میں تحریر کیا ہے کہ مشرقی عقیدہ میں پنجوقتہ نماز فرض نہیں اور مشرقی عقیدہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نہ کوئی سچا مذہب ہوسکا نہ خدا کا وجود کسی دین سے ثابت ہوا، مشرقی عقیدہ کے مطابق مسلمانوں پر بیٹھ کر شش اور یا رکوع و سجود اللہ اللہ کرنا کوئی عبادت نہیں بلکہ ریاکاری، مکاری اور شرک و کفر ہے۔ کیا یہ کفر آمیز مضامین علامہ مشرقی کے "تذکرہ" "اشارات" میں لکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر لکھے ہوئے ہیں تو کیا علامہ مشرقی اپنی تحریرات اور کفریہ مضامین سے بعد میں تائب ہوگئے تھے یا حالت کفر پر ہی ان کا انتقال ہوا ہے؟

(۳) اگر علامہ مشرقی "تذکرہ" میں درج خرافات اور کفریات سے تائب نہیں ہوئے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر لوگ مشرقی کو اچھے اور نیک آدمی جانتے ہیں اور بڑے بڑے عالم اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور نماز جنازہ بادشاہی مسجد لاہور میں ادا کی گئی۔

(۴) جو لوگ علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور خاکساری مذہب رکھتے ہیں عند الشرع کافر ہیں یا فاسق؟

(۵) جن لوگوں نے علامہ مشرقی کا جنازہ پڑھا ہے ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کی حالت میں بھی جائز

ہے یا نہیں؟ اور امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد میں جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ آپ کے سوالوں کے نمبروار جواب بتوفیق الٰہی حاضر ہیں:۔

(۱) واقعی مشرقی کا "تذکرہ" ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کے منصوص احکام کے صریح خلاف ہیں بلکہ قرآن کریم کے مضامین میں صریح تحریف بھی کی گئی ہے۔ یہی وہ خلاف شرع مضامین ہیں جن کی وجہ سے تمام علماء اسلام کے حلقہ میں علامہ مشرقی کو دین اور مذہب وملت کے لیے انتہائی خطرناک آدمی سمجھا گیا اور علماء ربانی نے کبھی بھی اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

(۲) ہمیں علامہ مشرقی کی یہ حالت معلوم نہیں ہے، اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا پھر مشرقی کو۔ کہ کیا وہ اپنے ان کفریہ عقائد ونظریات سے تائب ہوا تھا یا نہیں؟

(۳) اس کی وجہ تو ان لوگوں سے پوچھنی چاہیئے جو علامہ مشرقی کو اچھا اور نیک آدمی جانتے ہیں اور اس کے جنازے میں شریک ہوئے یا ان لوگوں سے جنہوں نے اس کا جنازہ پڑھا ہے، ہم سے یہ باتیں پوچھنا مناسب نہیں۔

(۴) ہم ایسے لوگوں کو کافر تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے عقائد کا ہمیں یقینی علم نہیں ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی عبارتوں میں تاویل کی گنجائش ہو۔ البتہ ان (مشرقی کو) فاسق ضرور کہیں گے کیونکہ موجبات فسق امور اس کے عقائد ونظریات میں ضرور پائے جاتے ہیں۔

(۵) جب ہم خود مشرقی پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے تو جن لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھا ہے ان پر بھی ہم کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔

(۶) ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مکروہ ہے جبکہ دوسرے ائمہؒ جواز بلا کراہت کے قائل ہیں۔

فقط واللہ اعلم

## مودودی صاحب کے عقائد کے بارے میں استفسار کا جواب

سوال، بیان بعض عنوانات مندرجہ

ذیل مضمون کا شائع کیا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ عقائد مودودیہ گمراہ کن ہیں قرآن و حدیث سے مخالف ہیں۔ ائمہ اربعہ سے مخالف ہیں۔ مودودی ضال مضل ہے۔ مودودی عقائد والے مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے ان سے میل ملاپ حرام ہے ان کی کتابوں کا مطالعہ غیر عالم (عوام) کے لیے حرام ہے اس جماعت کا حمایت کرنا حرام ہے۔ کیا دارالافتاء کو مولانا مودودی صاحب کی عقائد اور ان کی کتابوں کے بارہ میں کچھ معلومات نہیں ہیں یا آپ اس فتویٰ سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اگر واقعی مودودی گمراہ کن ہے تو براہ کرم ہماری رہنمائی فرمادیں۔ اگر نہیں تو بھی رہنمائی فرمادیں۔

جواب: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد! اس وقت مودودی صاحب کے بارے میں کچھ لکھنے کی فرصت نہیں مگر جو کچھ اپنے مطالعہ اور پھر اپنے اکثر علماء دیوبند خصوصاً سیدی و سندی شیخی و مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی تحقیق اور مودودی جماعت کے بعض درون خانہ حضرات کے مضامین و خیالات سے معلوم ہوا تو یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک آزاد خیال انسان ہے جو اپنے تحقیق و ریسرچ اور بزعم خود اجتہاد و استنباط کے شوق میں ائمہ اربعہ تو کیا بسا اوقات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلمہ مسلک اور عقیدہ سے بھی باہر نکل جاتے ہیں مودودی صاحب کے ان لٹریچر کا لازمی اور طبعی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان سے متاثر افراد کے دلوں سے سلف کی وقعت اور سلف صالحین کے علمی و فقہی تحقیقات اور کارناموں سے اعتماد اٹھ جاتا ہے جمہور کے مسلک اور قطعی اور منصوص مسائل سے بے اعتنائی اور مخالفت کی چند مثالیں ہمارے ان معلومات کے ثبوت و تائید کے لیے کافی ہیں۔ ۱- تنقید سے صحابہؓ کو بھی مستثنیٰ نہ کرنا اور نہ انہیں معیار حق سمجھنا (دستور ص ۱۱) حالانکہ صحابہ کرام کا عدول ہونا ان قطعی مسائل میں سے ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے کتاب و سنت کے بے شمار نصوص ان کے معیار حق و میزان عدل ہونے پر ناطق و شاہد ہیں۔ اور بقول حافظ ابن حجر العسقلانیؒ جو کوئی بھی صحابہ کرام کی تنقیص و تنقید کو جائز سمجھے وہ اہل قرآن و سنت کی ابطال و تنقیص کرتا ہے اور ایسا شخص زندیق ہے (الاصابہ) اور بقول شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا مدنیؒ اگر یہ فاسد اصول اساتذہ اسلام غیر قابل اعتماد ہو جائے تو تمام عمارت دین بالکل ڈھ جائے گی اور یہی دروازہ تنقید و جرح کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ملیامیٹ ہو جاتے ہیں (مکتوبات ج ۲ ص ۱۴۳) ۲- اسی طرح مسئلہ عصمت انبیاء کے بارہ میں ذاتی رائے اور لوگوں کا اجتہاد (تفہیمات ج ۲ ص ۴۳) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام (رسائل و مسائل

# یہود کا ذکر قرآن میں

حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم زروبوی سابق صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ

سنہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب عربوں کو مٹھی بھر یہودیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس صورت سے بعض حضرات ذہنی الجھن کا شکار ہو گئے کیونکہ ظاہراً یہود جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" اور اسی طرح کے بعض دیگر مواقع اور مقامات پر کتاب اللہ تعالیٰ کی ملعونیت اور مغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے تو انہوں کو تمام عالم عرب پر فتح کیسے حاصل ہو گئی؟ زیر نظر مقالہ میں حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم زروبوی نے اسی اشکال کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں دیا ہے جس میں اس کے علاوہ دیگر شبہات کا بھی ازالہ ہو گیا ہے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق نے اس پورے مضمون کو شائع کیا۔ کتاب العقائد کے ترتیب الفرق کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تبرکاً یہاں شامل کیا گیا۔ (مرتب)

مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر یہود کی طرف سے جو مصیبت ٹوٹی ہے۔ اس سے غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کا مذاق اور تمسخر اڑانے کا موقع مل گیا اور طعنہ دینے کا سامان بہم پہنچا ہے کہ مٹھی بھر یہودیوں نے کروڑ مسلمانوں کو شکست فاش دے دی حالانکہ یہ قوم دنیا بھر میں خصوصاً مسلمانوں کے نزدیک ذلیل ترین ہے۔ تو مسلمانوں کو عظیم ترین شکست سے دوچار ہونا پڑا اور بعض ان کے شامل حال بھی ہو گئے اور مسلمان عموماً دعویٰ کرتے ہیں کہ نصرت خداوندی ہمیشہ ہمارے شامل حال رہتی ہے اسی طرح اس سے بعض افراد کے دلوں میں وسوسہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہود کی حکومت اور غلبہ بظاہر قرآن نصوص کے خلاف ہے مثلاً آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ (البقرۃ) وضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ (آل عمران) وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (الاعراف)

قوم یہود کی موجودہ عزت اور حکومت بلکہ مسلمانوں پر تسلط کیسے وقوع میں آیا اور نصرت خداوندی
کا وعدہ (وکان حقا علینا نصر المومنین) کیوں وقوع پذیر نہ ہوا یہ تمام شبہات زیادہ تر قلت
تدبر اور سوء فہم پر مبنی ہیں۔ یہاں اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہیہ کا وعدہ
مشروط ہے ایمان و اطاعت اور عہد وفاداری پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے اور اشاعت دین
کی جدوجہد کرنے پر ........ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔۔
ولینصرن اللہ من ینصرہ — وانتم الاعلون ان کنتم مومنین — وحقا علینا نصر المومنین۔
آیات مذکورہ بالا اور اس قسم کی دوسری بے شمار نصوص آیات اور احادیث امداد و نصرت خداوندی
کی بنیادی شرط پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ بغاوت اور اطاعت سے
انحراف اور عام بے عملی فسق و فجور کے ارتکاب شعائر اسلام کی بے حرمتی کی صورت میں عذاب اور تباہی
کے مستحق بننے کی وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں مثلاً

۱۔ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔ — اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔

۲۔ وما کان ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون۔ — تیرے پروردگار کی شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے حالانکہ ان کے بسنے والے نیک کردار ہوں۔

۳۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ — اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

۴۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا۔ — اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہو گئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔

عصر حاضر کے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد و پیمان توڑ کر عام بغاوت اور بے عملی
کا ارتکاب شروع کر دیا ہے۔ کوئی عیب ایسا نہیں جو ان میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا میں کوئی حکومت مسلمانوں
کی ایسی نہیں جس میں اسلامی احکام پوری طرح نافذ ہوں۔ اکثریت پر مغربیت اور دہریت مسلط ہے
اسلام کی سیاست مدنی، تدبیر منزل، تہذیب اخلاق، معاملات، عبادات، معاشرت اور ایمانیات
سے عام ناواقفی بلکہ اسلامی اصول حیات کو ملائیت۔ رجعت پسندی کہہ کر حقارت دیکھنے

پیدا نہیں ہوسکتی کرامت مسلسل نہ تو وعدہ و وعید میں کوئی فرق آیا ہے۔ یہاں کرتا کردہ کیا ہوا کی سزا ملی ہے۔ وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون خدا کی شان یہ نہیں کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ یہود کی موجودہ دور میں عارضی حکومت اور وقتی تفوق چونکہ قرآنی نصوص کے خلاف سمجھا جارہا ہے۔ تو اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے چند معروضات پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱) عالم اسباب میں ممکنات کا اجتماع اور حوادث کا تعاقب محض بخت و اتفاق کی بناء پر نہیں۔ بلکہ خالق کائنات نے ان کے درمیان باہمی ارتباط اور تعلق پیدا کرکے بعض کو اسباب اور بعض کو مسببات قرار دیا ہے۔ اسباب مہیا اور موجود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق مسببات ان پر مرتب ہوکر وجود میں آتے ہیں۔

(۲) تحقق اسباب کے بعد ترتیب مسببات لزوماً ہوتا ہے اس کا تخلف نہیں ہوتا الا نادراً جس کو خرق عادت یا خلاف عادت الہیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً سورج کے طلوع کے بعد دن ضرور وجود میں آتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ سورج طلوع ہوکر رات قائم ہوجاتی ہے۔ مہلک مقدار میں زہر کھانے کے بعد موت طاری ہوجاتی ہے۔ چاہے حکیم کھائے چاہے جاہل۔ پانی پینے اور کھانا کھانے کے بعد پیاس بھوک کا ازالہ ہوجاتا ہے یہ ظاہر اور بدیہی امور ہیں۔

(۳) اقوام کے عروج و زوال اور آزادی و غلامی کے لئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ مانند دوسرے حوادث کے یہ اسباب دو قسم کے ہیں حد سماوی یعنی امداد غیبی اور حد مادی یعنی مادی اسباب۔ قسم اول کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ وہ مشروط بالایمان والاطاعۃ ہیں۔ ہاں کبھی قانون مجازات کے مطابق کافروں کو دوسرے کافروں یا مسلمانوں پر مسلط کرلیتا ہے کما قال تعالیٰ و نذیق بعضھم بأس بعض اور ہم چکھاتے ہیں بعض کو دوسروں کی شدت جیسا کہ یہودیوں پر جالوت، بخت نصر، طیطوس رومی اور ہٹلر وغیرہ کو مسلط کرادیا۔ اور مسلمانوں پر سزائے جرم کی پاداش میں یا تنبیہ اور عبرت حاصل کرنے کیلئے مختلف ادوار میں نصاریٰ، تاتاریوں وغیرہ کا تسلط ہوا۔

(۴) مادی اسباب عروج و آزادی کے مادی اسباب جب کوئی قوم پورے طور پر مہیا کرے مثلاً اتفاق باہمی، مواساۃ، قربانی، مذہبی اور سیاسی امور میں تعاون، طاعت امیر، اعتماد، مدافعت اور تسلط کے طاقتور ذرائع، جدید اسلحہ کی فراہمی، جفاکشی، ایثار، یعنی سیاست مدن و ملکی کیلئے شریعت مطہرہ نے بہ تفصیل تمام جو چیزیں بیان کی ہیں، تو حکومت اور غلبہ حاصل ہوگا کفر ہو

کے لیے مانع ہوگا۔ آج کل امریکہ اور روس کو جو فوقیت حاصل ہے وہ انہی اسباب مادیہ کی بنا پر ہے
نہ کہ وہ کثیر ہیں۔
(۵) کسی قوم کو آزاد یا غلام، حاکم یا محکوم کہنا کہ فلاں قوم آزاد یا حکمران ہے من حیث القوم باعتبار
مجموعہ افراد یا اکثریت کے کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی قوم کے کروڑوں افراد میں سے چند ہزار یا لاکھ کسی
گوشہ میں حاکمیت اور آزادی حاصل کریں۔ تو اس بنا پر قوم من حیث القوم کو آزاد یا حکمران اور
باعزت نہیں کہا جا سکتا۔
(۶) اسی طرح اگر ہزاروں سال کے اندر کسی قوم کو عارضی طور پر چند سال کے لیے حکومت ملے تو
عارضی حکومت چند روزہ کالعدم قرار پاکر مجموعہ یا اکثر اجزائے زمانہ کے اعتبار سے ان کو ذلیل و غلام
کہا جائے گا۔ چنانچہ احادیث سے صراحۃً ثابت ہے کہ دجال یہودی کو عام دنیا پر سوائے
حرمین شریفین کی یہودی حکومت حاصل ہوگی اس کے باوجود وہ ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق ہیں
(۷) اگر کوئی قوم حقیقی آزادی اور حکمرانی غلبہ میں مستقل ہو کسی دوسری قوم کی دست نگر نہ ہو
تو ان کی طرف اقتدار اور حکومت کی نسبت حقیقۃً صحیح ہوگی۔ اور اگر کسی دوسری قوم کے لیے آلہ کار
ہو۔ اور ان کی تمام طاقت دوسری قوم کے اغراض اور سیاسی مقاصد کی کھیل کھیلنے ہو۔ تو اس
قوم کی طرف حکومت اور تسلیط کی نسبت حقیقۃً صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ حاکمیت اور تسلط اس دوسری
قوم کے لئے ہے۔ جس قوم کی یہ آلہ کار اور غلام ہے۔
اس تمہید کے بعد موجودہ دور میں ان سامراج کی ایجنسیوں یعنی یہودی حکومت اور غلبہ کے
اس کے وجود میں آنے کے عوامل و اسباب دیکھ پر غور کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس کی حقیقت اچھی طرح سے
بے نقاب ہو کر کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اگرچہ سابقہ معروضات بھی ازالہ شبہ کیلئے کافی ہیں
سنہ ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم میں جب کہ ان مغضوب علیہم پر قدرت کی طرف سے جنگی مجرم ہٹلر نازی کا
غضب ان پر مسلط ہوا۔ تو اس نے ممالک مفتوحہ میں حکم جاری کیا کہ جس یہودی کو جان بچانا منظور ہو
وہ ان ملکوں سے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جائے ورنہ اس کی جان کی خیر نہ ہوگی۔ جرمنی
کے سقوط سے پہلے جتنے یہودی نکل گئے وہ جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ جو نہ نکل سکے ان سب
کو قید کر کے زندہ جلا دیا اور کسی کو سمندر میں ڈبو دیا اور اکثر قتل کر دئے گئے۔ یہ داستان کسی پر
مخفی نہیں کہ بچنے والے جو کثیر تعداد میں مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تھے۔ سامراجیوں نے ان کو
اپنے سیاسی مقاصد کے لئے آلہ کار بنا کر عرب کے قلب میں چھیڑنے کیلئے فلسطین میں لا کر بسایا۔ اور

فلسطینیوں کو جلا وطن کر دیا ۔ عرب ممالک اپنی کمزوری اور بے اتفاقی کی بنا پر دیکھتے رہے
اور کچھ نہ کر سکے ۔ ابتدا میں تھوڑی تعداد میں آئے ۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی ۔ اور سرمایہ
نے جب ساتھ دیا تو ان کو فاتح بنانے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کیلئے ۔ نہیں چھوڑا ۔ دفاعی
مدافعت اور جارحیت کے لئے انہیں ہر قسم کے جدید اسلحہ سے پوری طرح مسلح کر دیا ۔ غرض اسباب احتیاج کی
زندگی کیلئے جن وسائل اور ذرائع کی ضرورت تھی سب کو مہیا کر دیا ۔ یہود جو قریبی مدت میں
انتہائی مظالم و مصائب برداشت کر چکے تھے ۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر سب تمام اتحاد کر گئے ۔
اور باہمی اتفاق مواسات قربانی و جفاکشی ، تضییع مال سے گریز غرض معاشرہ اور وضعیت کی اصلاح
اور کامیابی کے لئے جو اخلاق اور مذہبی کارنامے درکار تھے ان کی تحصیل میں منہمک ہو گئے ۔ اب
قانون ربط اسباب بالمسببات کی رو سے ان کو حکومت و طاقت حاصل ہونا مطابق عدل تھا
اور عرب حریف میں جو بے اتفاقی ، بے عملی ، عیاشی ، تمام بے عملی اور احکام خداوندی سے بغاوت کے
شکار ہو رہے تھے ۔ ان کا غالب ہونا غیر متوقع نہ تھا ۔ اور عجب نہیں کہ قدرت کو ان ذلیل ترین
یہودیوں کے ہاتھ سے طاقت و قانون مجازات کے ذریعہ کو دکھانے میں اور عام مسلمانوں کو بالعموم تنبیہ
اور تازیانہ عبرت منظور ہو ۔ بلکہ ظاہر بھی ہے وما کان ربک لیھلک القری وأھلھا مصلحون
تیرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے اور اس کے بسنے والے نیک کردار
ہوں ۔ آج امریکہ اور اس کی حلیف طاقتوں کے علاوہ ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ یہ یہود
سامراجیوں کے پروردہ ہیں ۔ اور انہوں نے انہیں اپنی سیاسی اغراض کے لئے عربوں
پر مسلط کیا ہے ۔ ورنہ ان کی کوئی پوزیشن نہیں ۔ اس روشن حقیقت کے بعد کوئی عاقل اس حکومت
اور طاقت کو ان کی طرف حقیقۃً منسوب نہیں کر سکتا ۔ بلکہ یہ ساری حکومت اور طاقت سامراجیوں
کی ہے ۔ یہودی ان کے غلام اور گرفتار غلامی اور اسیر ہیں ۔ یہودی موجودہ حکومت کو پیش نظر
رکھ کر حسب ذیل آیت مع بیان صداقت کے معنی پر غور کرکے معلوم ہو جانے کہ یہ اس کی تصدیق ہے
کہ غلط فہمی اس پر ختم کیا جائے ۔ ضربت علیھم الذلۃ أین ما ثقفوا إلا بحبل من اللہ وحبل
من الناس (الآیۃ) ۔ ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جاویں سوائے دستاویز اللہ کے اور
دستاویز لوگوں کے ۔ قرآن کریم کی صداقت غیر متزلزل ہے کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں قصور
ہمارے فہم کا ہے ۔

لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ۔ نہیں آ سکتا اس کو

جھوٹ اور باطل سامنے نہ پیچھے سے نازل کی گئی ہے۔ حکمت والے اور ستائش کیے گئے قدرت کی
طرف سے۔ اسی قسم کی آیت آل عمران کی آیت سے پہلے یہود کے تذکرہ میں سورۃ بقرہ میں بھی آئی ہے۔
وضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤو بغضب من اللہ ذلک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ
ویقتلون النبیین بغیر الحق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ ترجمہ: جمادی گئی ان پر ذلت اور
پستی اور مستحق ہوئے غضب الٰہی کے یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ
کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ
کی اور عقل و شرع کے دائرہ سے نکل جاتے تھے۔

۱۔ یہاں اینما ثقفوا کی قید نہیں اور نہ استثناء ہے لیکن القرآن یفسر بعضہ بعضا کی بنا پر دونوں
یہاں بھی مراد ہے۔ آل عمران کی آیت اگرچہ اہل کتاب کے تذکرہ میں آئی ہے لیکن مراد اس سے خاص
یہود ہیں بدلیل سیاق۔

۲۔ ذلت خلاف عزت و قوت کو کہتے ہیں جس میں جان و مال کا غیر محفوظ ہونا اور محکومیت و
غلامی شامل۔ مسکنت یعنی ضعف و فقر اور پستی کو کہتے ہیں اور الا بحبل استثناء ہے عموم احوال
سے یعنی فی عامۃ الاحوال الا معتصمین لا بحبل من اللہ و متلبسین بذمتہ - (بیضاوی)

۳۔ حبل متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ کتاب اللہ۔ حدیث میں ہے کتاب اللہ حبل ممدود
من السماء الی الارض۔ حبل اللہ۔ اعتصموا بہ۔ حبل بمعنی عہد و میثاق۔ حبل بمعنی ذمہ و امان کے
بمعنی دین اور سبب کے (دیکھو اعجاز) یہاں حبل اللہ سے مراد یعنی مراد لیا جا سکتا ہے اور حبل من الناس سے مراد
ذمہ و امان یعنی عہد۔ یہاں مراد ہیں یعنی ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا فی عامۃ الاحوال الا
معتصمین او متلبسین بکتاب اللہ و دینہ و ذمتہ و عہدہ او بعہد او بعہدہ و ذمتہ و
امان من الناس۔ ترجمہ: جمادی گئی ہے ان پر ذلت جہاں بھی پائے جاویں ہر حال میں الا
اعتصام بکتاب اللہ اور بدین اللہ کریں۔ اس کے ذمہ امان اور عہد میں داخل ہو جائیں (جس
کا حاصل اسلام میں داخل ہونا ہے) یا لوگوں کے ذمہ امان عہد میں داخل ہو جائیں۔ یعنی مسلمانوں
کے ساتھ معاہدت ہو یا جزیہ قبول کر کے ذمی بن جائیں۔ یا کسی دوسری قوم کے عہد و ذمہ اور
امان میں داخل ہوں یعنی نصاریٰ۔ یہاں لفظ ناس عام ہے۔ نصاریٰ کو بھی شامل ہے کیونکہ آیت
وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ - (آل عمران) میں وعدہ ہے عیسیٰ علیہ السلام
کے ساتھ کہ تیرے متبعین کو قیامت تک یہود پر فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اتباع سے مراد

اس کے ساتھ اعتقاد خبث ہے۔ اور اس میں مسلمان نصاریٰ دونوں شریک ہیں۔ اور واقعات بھی اس کے شاہد ہیں کہ یہود ہمیشہ کیلئے مسلمان یا نصاریٰ کے محکوم رہتے ہیں۔ اور اس وقت بھی یہی حال ہے کہ ساری دنیا میں یہود دوسری اقوام کے زیر اقتدار و حکومت ہیں۔ قرآن کریم نے اس ذلت و پستی کی جو علت بیان کی ہے۔ قتل انبیاء علیہم السلام، حدود شرعیہ و عقلیہ سے تجاوز نافرمانی، انکار آیات، دنائت طبع کی بنا پر نعمتوں کی ناشکری اور نفیس کو خسیس اشیاء سے استبدال، انبیاء کی سرکردگی میں جہاد سے انکار وغیرہ۔ قبائح انکا اختلاط ذلت و خواری ہے بالکل بدیہی اور شریر بالطبع مجازات و مکافات سے تنگ آکر عارضی اور وقتی طور پر راہ راست پر آجاتا ہے۔ جیسا کہ یہود نے بھی عمالقہ کے پے در پے قتل و غارتگری سے تنگ آکر اپنے نبی سے بادشاہ کا مطالبہ کیا تاکہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر کے شاید کامیاب ہو کر کچھ اطمینان کا سانس لیں۔ اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ مگر بادشاہ طالوت کے تقرر پر بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ بعد میں بھی کثیر تعداد میں قتال سے انکار کر بیٹھے۔ الحاصل یہود کا موجودہ غلبہ بحبل من الناس کا مصداق ہے۔ اس طرح مسلمان زمانہ میں آیت واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیمۃ من یسومھم سوء العذاب۔ ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب خبردار کیا تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو بڑا عذاب۔ ــــــــ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں یہود کی قیامت تک مقہوریت اور محکومیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ وقت وہ قاہر و حاکم ہیں۔

اس شبہ کے ازالہ کے لئے معروضہ مذکور کافی ہے۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے آیت کی تفسیر مناسب ہوگی۔ یہ آیت سورۃ اعراف کی ہے۔ جو یہود کے تذکرہ میں وارد ہے۔ اس سے اوپر کی آیات میں یہود کے قبائح اور خرافات کا بیان ہوا ہے۔ آگے اس آیت میں ان کے قبائح کا دنیا میں علاوہ سزائے آخرت کے انجام بیان کر رہی ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اگر یہود احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتے رہے گا، جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی، جان و مال کا غیر محفوظ ہونا، جزیہ دینا وغیرہ ہے۔ چنانچہ قوم یہود سلیمان علیہ السلام کے بعد کبھی یونانی کبھی کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی ہے۔ کبھی بخت نصر اور دوسروں کے شدائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی

باجگذار رہی۔ پھر مسلمان حکمران ان پر مسلط کر دیا گیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث
القوم عزت اور آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جب ان کبھی رہے اکثر ملوک و حکام کی طرف
سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ان کی مال و دولت وغیرہ کوئی چیز انہیں اس
غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی۔ ابھی مشرق وسطیٰ کی لڑائی میں جب یہود
نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ تو ان کے وزیر ایشکول نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اس کے
سامنے تقریر کرتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ تین ہزار سال کے بعد ہم کو بیت المقدس میں داخلہ
نصیب ہوا۔ اس عرصہ دراز میں ہماری قوم نے نہایت سخت مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ اور در بدر
کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں بنی اسرائیل کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کا
خطاب اپنی قوم کو نقل فرمایا ہے جو کہ مذکورہ بالا آیت کے مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ
موسیٰؑ نے اپنی قوم سے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ فرمایا کہ وہ وقت یاد
کرو جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ اگر احسان مانو گے اور زیادہ نعمتیں دوں گا۔ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ
اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت۔ یعنی موجودہ نعمتیں تم سے
سلب کر لی جائیں گی۔ اور ناشکری کی مزید سزا ملے گی۔ خدا کی ناشکری اس کی روحانی اور جسمانی
نعمتوں کی بے قدری اور نازل کردہ احکام کی نافرمانی ہے۔

تو اس آیت اور آیت مذکورہ بالا کی سیاق سے واضح ہے کہ محکومیت و غلامی کی سزا
ان کی نافرمانیوں اور ناشکری کی پاداش میں ہے۔ اور قریب قیامت کی قید اس لئے لگا دی۔ کہ
روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں دجال یہودی چند روزہ حکومت کریگا۔ لیکن یہ
چند روزہ حکومت کو عرصہ دراز کی غلامی کی بہ نسبت کالعدم قرار دے کر الیٰ یوم القیامۃ کہا گیا۔ اسی طرح
اس عرصہ دراز کے درمیان میں بھی یہ معمولی وقفہ آیا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ عَلَیْہِمْ وَاَمْدَدْنٰکُمْ
بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰکُمْ اَکْثَرَ نَفِیْرًا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری فتح ان پر اور قوت دی تم
کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ بابل کا بادشاہ بخت نصر
یہود پر مسلط ہو کر ان کو تباہ و قتل کر دیا تھا۔ تقریباً سو سال کے بعد بہمن بن اسفندیار نے
یہود پر رحم کھا کر ان کے قیدیوں کو آزاد کر کے ان پر دانیال کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور
چند روزہ آزادی ان کو حاصل ہوئی مگر تھوڑے عرصے کے بعد رومیوں کے ہاتھ سے ان کی تباہی
ہوئی اور آزادی سلب ہو گئی۔ تو یہ معمولی وقفہ آزادی کی نسبت تین ہزار سال بلکہ اس

سے بھی زائد تر زمانہ غلامی کی طرف کچھ بھی نہیں۔ اسی کو استغراق اور استیعاب عرفی کہتے ہیں خطابات
اور محاورات میں بھی استیعاب اور استغراق مکمل ہے۔ اس کی مثالیں حدیث لا تزال طائفۃ
من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ۔ یعنی قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہاں تک
کہ کرۂ دنیا میں اظہار حق کرنے والا نہ ہو لیکن یہ عرصہ چونکہ بہ نسبت زمانہ ظہور حق بہت کم ہے۔
اس لئے اس کو کالعدم قرار دیکر حتی یاتی امر اللہ۔ یعنی قیامت تک کہہ دیا گیا۔۔۔۔ لہٰذا یہود
کا یہ معمول واقعۂ آزادی آیت بالا کے عموم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

(ب) قادیانیوں کے دونوں گروہوں (لاہوری و قادیانی) کو آئندہ انتخابی فہرستوں یا مردم شماری فارم میں غیر مسلم لکھا جائے گا۔

(ج) کوئی شخص ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف پرچار نہیں کر سکے گا۔ خلاف ورزی قابل تعزیر جرم ہوگی۔

---

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء ہماری تاریخ کا نہایت تابناک اور تاریخی دن تھا جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اس دن اپنے الگ الگ اجلاسوں میں آئین میں ترمیم کا ایک تاریخی بل اتفاق رائے سے منظور کر لیا جس کے تحت پاکستان میں قادیانیوں کے دونوں گروہوں (ربوی اور قادیانی) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔ آئین کی دفعات ۱۰۶ اور ۲۶۰ میں ترمیم کر کے یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسا کوئی شخص جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو یا خود کو کسی بھی صورت میں نبی یا مصلح ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا ایسے کسی مدعی کو نبی یا مذہبی مصلح مانتا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی قرار دیا گیا کہ قادیانی اور لاہوری احمدی فرقے کے تمام ارکان کو آئینی قانونی طور پر پاکستان میں رہنے والے دیگر غیر مسلموں کی مانند سمجھا جائے گا اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں، پارسیوں اور شیڈولڈ کاسٹس کی طرح ان کے لیے بھی اسمبلیوں میں اضافی نشستیں ہوا کریں گی۔

آئین میں یہ ترمیم قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے کی گئی۔ یہ سفارشات قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے ایک متفقہ قرارداد کی صورت میں منظور کی تھیں۔ ان کے تحت عقیدۂ ختم نبوت کو جو آئینی تحفظ دیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جائے گی اور قانون سازی کے ذریعے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف کے بعد ۲۹۵ ب کا اضافہ کر دیا جائے گا جس کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدے کے منافی کسی بھی قسم کا پرچار قابل تعزیر جرم ہوگا۔ سفارشات کے تحت آئندہ انتخابی فہرستوں میں قادیانیوں کا اندراج بھی غیر مسلموں کے زمرے میں ہوا کرے گا۔

## آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات میں ترمیم کی صورت

قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کی روشنی میں آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد یہ صورت ہوگی۔

**آرٹیکل ۲۶۰** | جو شخص خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان لاتا ہے وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

**آرٹیکل ۱۰۶ کلاز ۳** | آرٹیکل ۱۰۶ کی کلاز ۳ میں مذہبی طبقوں کے نقطے کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے اشخاص جو خود کو "احمدی" کہلاتے ہیں، کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

**اضافے کے بعد کلاز ۳ کی صورت یہ ہوگی** | صوبائی اسمبلیوں بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی کلاز ۲ میں دی گئی نشستوں کے علاوہ ان اسمبلیوں میں عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں یا پارسیوں اور قادیانیوں یا شیڈولڈ کاسٹس کے لیے اضافی نشستیں ہوں گی۔

**آئین میں دوسری ترمیم کے بل کا متن** | یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے لہٰذا بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

**مختصر عنوان اور آغاز نفاذ** | (۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

**آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم** | اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا، کی دفعہ ۱۰۶ کی شق ۳ میں لفظ "اشخاص" کے بعد الفاظ اور قوسین "اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)" درج کیے جائیں گے۔

**آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم** | آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق ۲ کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی:۔

(۳) جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔

**بیان و اغراض** | جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے
( [illegible] )

## تاریخی قرارداد کا متن

قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو قرارداد منظور کی ہے اور جس کی سفارشات کو قومی اسمبلی نے منظور کیا ہے وہ یہ ہے:۔

○ قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔

○ کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی مدد سے اس کے سامنے پیش یا قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قراردادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ و انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:۔

(الف) یہ کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے:

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) یہ کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں مندرجہ ذیل تشریح درج کی جائے۔

**تشریح:** کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق نمبر ۳ کی تشریحات کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) یہ کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتخبہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

اد ۔ ۸ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں ۔ کے جان و مال ، آزادی ، عزت ، ور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا ۔

(۱) عبد الحفیظ پیرزادہ      (۲) مولانا مفتی محمود
(۳) مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی      (۴) پروفیسر غفور احمد
(۵) غلام فاروق      (۶) چوہدری ظہور الٰہی
(۷) سردار مولا بخش سومرو ۔

---

# قادیانیوں کے بارہ میں صدارتی آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء کا مکمل متن

۱۹۷۴ء میں آئینی ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے تقریباً دس سال بعد صدر ضیاء الحق مرحوم نے مجلس شوریٰ میں شامل مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر ارکان مجلس کی کوششوں سے صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قانون سازی کی، ذیل میں اس آرڈیننس کا مکمل متن پیش کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کرنے کے لیے آرڈیننس۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کو اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے، اور چونکہ صدر اس بات سے مطمئن ہیں کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کے تحت فوری کارروائی کرنا ضروری ہے، اس لیے اب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے فرمان کے تحت اور اس سلسلے میں تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے صدر مندرجہ ذیل آرڈیننس کا اجراء کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

## حصہ ابتدائیہ

### مختصر عنوان اور آغاز

(۱) اس آرڈیننس کو قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں (ممانعت اور سزا) آرڈیننس ۱۹۸۴ء کہا جائے گا۔

(۲) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

(۳) آرڈیننس کو عدالتوں کے احکامات اور فیصلوں پر فوقیت ہوگی، اس آرڈیننس کی دفعات کسی بھی عدالت کے حکم یا فیصلے کے باوجود موثر ہوں گی۔

## حصہ دوم (II) تعزیرات پاکستان (۱۸۶۰ء کا قانون) میں ترمیم

**تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۸ ب اور ۲۹۸ ج کا اضافہ**: تعزیرات پاکستان کے پندرہویں باب میں دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد درج ذیل نئی دفعات شامل کی گئی ہیں۔

**۲۹۸ ب: بعض مقدس شخصیات یا مقامات کے لیے مخصوص اصطلاحات کا غلط استعمال۔**

(۱) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کوئی اور نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو زبانی یا تحریری الفاظ یا ظاہری واضح طریقے کے ذریعے (الف) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو "امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ" کہتا ہے یا اس نام سے مخاطب کرتا ہے۔ (ب) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے علاوہ کسی دوسری عورت کو "ام المومنین" کے نام سے مخاطب کرتا ہے یا کہتا ہے۔ (ج) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "اہلبیت" کے علاوہ کسی اور شخص کو اہلبیت کہتا ہے یا مخاطب کرتا ہے یا (د) اپنی عبادت گاہ کو "مسجد" کا نام دیتا ہے۔

اُسے تین سال قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۲) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص لفظوں کے ذریعہ بول کر یا لکھ کر اپنے عقیدے میں اختیار کیے گئے عبادت کو بلانے کے طریقہ کار کو اذان کہے گا یا مسلمانوں کی طرح اذان دے گا تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

**۲۹۸ ج: قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرتا ہو**: قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں یا کوئی بھی دوسرا نام دیتے ہیں) کا کوئی شخص جو اپنے آپ کو بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر مسلمان ظاہر کرے گا یا کہے گا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرے گا یا لفظوں کے ذریعہ بول کر یا لکھ کر یا کسی بھی دوسرے نمایاں طریقے سے دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو تو اسے تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۳) آرڈی نینس کے ذریعے مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹ الف میں بھی ترمیم کی گئی ہے جس کے ذریعے صوبائی حکومتوں کو کسی ایسے اخبار، کتاب یا دیگر دستاویز کو ضبط کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جو بمطابق تعزیرات پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی میں

چھاپی گئی ہو۔ آرڈی ننس کے ذریعے مغربی پاکستان پریس اور پبلی کیشنز آرڈی ننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں کی ترمیم کے ذریعے صوبائی حکومت کو اختیار مل جانے کا کہ وہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں شامل کردہ نئی دفعات کی خلاف ورزی کرنے والی کسی کتاب یا دستاویز کی طباعت یا اشاعت کے لیے استعمال ہونے والے پریس کو بند کر دے اور اخبار کے ڈیکلریشن کو منسوخ کر دے جو ان دفعات کی خلاف ورزی کرے اور کسی ایسی کتاب یا دستاویز کو ضبط کرے جس میں ایسا مواد شامل ہو جس کی طباعت یا اشاعت مذکورہ دفعات کی رو سے ممنوع قرار دی گئی ہے۔

# قادیانی مسئلہ میں مسلمانوں کی فتح مبین

> علماء کرام کی مسلسل جدوجہد اور مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ سے مجبور ہو کر جب حکومت نے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اپنی مسجد میں مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۴ء کو خطبہ جمعۃ المبارک میں طویل اور مفصل خطاب فرمایا تھا، جسے اب قادیانیت کی مناسبت سے قادیانیت میں شامل کیا جا رہا ہے ——— (مرتب)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۝
قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

میرے محترم بھائیو! اللہ جل جلالہ کا پاکستان اور ساری دنیا کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور ایک فتح عظیم اللہ نے مسلمانوں کو دی ہے۔ ہمارے جسم کا ایک ایک بال بھی اگر سر بسجود ہو کر اس احسان اور نعمت کا جو اللہ نے ہم پر فرمایا ہے شکر ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں کر سکے گا۔

## قصرِ نبوت کی حفاظت

بھائیو! ہم اور آپ اپنی جان، اپنے مال، اپنے بچوں کا انتظام کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ایک گھر بناتا ہے چار دیواری کھینچتا ہے، دروازے لگاتا ہے صرف اس لئے کہ میرا گھر اور بال بچے چوروں ڈاکوؤں اور دوسرے خطرات سے محفوظ رہیں، اور جب گھر کی ہر طرح حفاظت ہو جائے تو سب کی خوشی کا باعث ہوتا ہے ——— دنیا میں ہر قوم اپنے ملک کی حفاظت کرتی ہے ——— پاکستان ہمارا ملک ہے ہم اس کی سرحدات کی حفاظت کرتے ہیں، ملک میں کسی قسم کی خلفشار برداشت نہیں کرتے، ہر ملک کے حکمران اپنے بجٹ میں اربوں روپیہ رکھتے ہیں، پولیس داخلی خلفشار کو روکتی ہے، فوج بیرونی حملوں سے حفاظت کرتی ہے، ملکی سرحدات کی حفاظت کیلئے ہزاروں لاکھوں لوگ قربان ہو جاتے ہیں اور جب ملک محفوظ ہو جائے تو قوم فتح کی خوشی مناتی ہے ———

تو جیسا کہ اپنی جان و مال عزت و آبرو، ماں باپ اور اولاد کی حفاظت ہو جانے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے روح کو اطمینان ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس

ان سب چیزوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ تو جب حضور کی عزت و ناموس ان کی شانِ رفیع ان کے بلند مرتبہ مقام کی حفاظت ایک مجاہد ورثا کر سے ہو جائے تو کتنی خوشی ہوگی؟

بیوی بچوں اور ماں باپ کی حفاظت سے زیادہ اس پر خوشی ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت ہو جائے وہ بھی خوشی کی بات ہے مگر اس سب سے بڑھ کر مسرت یہ ہے کہ دین اسلام محفوظ ہو اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس، عزت و مرتبت کو خدا وند تعالیٰ محفوظ فرما دے۔

**ختم نبوت**

میرے محترم بزرگو! اللہ جل مجدہ نے مسلمانانِ پاکستان اور عالم اسلام پر بہت بڑی مہربانی ۷ ستمبر کی تاریخ کو فرمائی۔ اس لیے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت جو اپنے کو احمدی کہلاتے ہیں ان کا پیشوا ہے مرزا غلام احمد قادیانی ــــ وہ نقب لگا رہا تھا ختم النبوۃ کے قلعے میں۔ وہ اس تاجِ عظیم میں دست اندازی کر رہا تھا جو ختم نبوت کی شکل میں اللہ جل مجدہ نے حضور کے سر پر رکھا تھا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ آپ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو درجہ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اور دیکھیے ہر چیز کی دنیا میں ایک انتہا ہوتی ہے سوائے خدائے حی و قیوم کے کہ وہ سرمدی ابدی ازلی دائمی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر چیز کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا، ایک آغاز ہوتا ہے اور ایک کمال۔ انسان ہی کو دیکھیے بچہ پیدا ہوتا ہے پھر ترقی کرتے کرتے ۴۰ سال میں کمال کو پہنچتا ہے پھر زوال پھر ختم ہوتا ہے اور قبر میں جاتا ہے۔

یہی حالت ہر چیز کی ہے نبوت کا سلسلہ اللہ جل مجدہ نے حضرت آدم سے شروع فرمایا اور نبی کریم کی ذاتِ بابرکات پر اسے کمال اور عروج تک پہنچا دیا۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا اس مقام و مرتبہ پر اللہ نے حضور اقدس کو فائز فرمایا۔

**متنبّی کذاب اور توہینِ انبیاء**

مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت سے انکار کیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ ایک شخص جب بدعقیدہ ہو جائے تو اس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اور انسان سے جو فعل ممانعت ہیں جیسے دنیاوی چور ہوتے ہیں پہلے چوری چھوٹی معمولی چیزیں چراتے ہیں پھر بڑھتے بڑھتے بالکل جری ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی پہلے یہ کہا کہ میں آدم ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، موسیٰ اور عیسیٰ ہوں، پھر یہاں تک کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں بلکہ سب انبیاء سے بھی افضل ہوں ــــ ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ میری شکل میں آگئے ــــ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی کہا کہ حضور اقدس کی پہلی رات کے چاند تھے لیکن چودھویں صدی میں آپ کا ظہور بدرِ کامل کا چاند ہوا ــــ یہ مرزا کی باتیں

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۔

**انگریز کی اطاعت**

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اب جہاد حرام ہے، قطعی حرام ہے اور جس مسلمان کے دل میں انگریز کی مخالفت کا خیال گذرے تو وہ بھی جہنمی ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنی امت کو جو پانچ بنیادی اصول اپنی دعوت کے بتلائے اور وہ مرزائی مذہب کا پنج بنا ہے جیسا کہ ہم مسلمانوں کے پانچ اصول کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ہیں —— تو مرزا قادیانی کے بنیادی اسباق میں یہ ہے کہ برطانیہ اور حکومت انگلشیہ کی وفاداری اور اطاعت و تابعداری کرنی ہوگی۔۔۔ اور ہم نے یہ بھی اسمبلی میں مرزا ناصر احمد سے تسلیم کروالیا کہ یہ تمہارے مذہب کا پنج بنا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ سب مباحث قوم کے سامنے بھی آجائیں گے۔ ان شاء اللہ

جہاد کو مرزا نے بالکل حرام کہا، عراق جب انگریزوں نے فتح کیا تو ان لوگوں نے قادیان میں چراغاں کیا، لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کو رنج ہے آپ کو انگریز نے ایک اسلامی ملک پر قبضہ کرلیا ہے اور تم چراغاں کرکے خوشیاں منا رہے ہو، کہا ہاں ٹھیک ہے، اس لیے کہ یہ انگریز ہماری ڈھال ہے اور یہ تلوار جہاں جہاں پہنچے گی وہاں مرزائیوں کی فوج بھی جائے گی۔ چنانچہ انگریز نے عراق کا جو علاقہ لیا ایک قادیانی کو مقرر کیا، ترکوں کی لڑائی میں انگریزوں کو فتح ہوئی تو مرزائیوں نے انہیں مبارکباد دی کہ شکر ہے کہ خدا نے انگریز کو کامیاب کیا۔

**ملک اور قوم سے غداری**

قوم میں عزم یہ سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کا کردار کیا ہے اور عزائم اور حرکات کیا ہیں؟ پاکستان بننے کے بعد پہلے تو ان کا یہ ارادہ تھا کہ کشمیر کو قادیانی ریاست بنا دیا جائے، مگر جب مسلمان سمجھ گئے تو انہوں نے چالیں بکھیر دیں اور ان کے عزائم ناکام بنا دیئے۔ اس کے بعد مرزا بشیر الدین نے اپنے لوگوں کو تلقین کی کہ بلوچستان کا رقبہ بہت وسیع ہے مگر مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے اس لیے قلت تعداد کی بنا پر اس کو قادیانی ریاست بنانا بہت آسان ہے، اگرچہ وہ غیر آباد رقبہ ہے مگر جب پنجاب ایک الگ صوبہ ہوگا تو ایک حیثیت ہوگی۔ یہ بات بھی اسمبلی کی بحث میں مرزا ناصر سے منوالی گئی، یہ انکار کیسے ہوسکتا تھا کہ تحریرات، حوالے اور کتابیں موجود تھیں۔ یہ بھی ثابت کرادیا کہ تقسیم ہند کے وقت تحصیل گورداسپور جہاں قادیان ہے، انہوں نے خود یہ درخواست دی ۲۸ برس پیشتر کہ ہم ایک الگ فرقہ ہیں، اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کہا کہ ہمیں بھی دیگر اقلیتوں عیسائی وغیرہ کی طرح الگ نشستیں مقرر کرادی جائیں، اگر اس وقت یہ درخواست نہ دی ہوتی تو یہ مسلمانوں میں شمار ہوجاتے اور شاید یہ علاقہ پاکستان کے ہاتھ میں ہوتا اور کشمیر بھی نہ نکلتا، تقسیم ہند میں پاکستان کے ساتھ غداری تھی تو گویا ۲۸ سال پہلے ان کی جو درخواست تھی وہ مسٹر آئین کے نام اور اب ستمبر کو اسمبلی کے ذریعے منظور ہوئی۔

الغرض انسان دنگ رہ جاتا ہے مرزا کی خوشامد درباری حضوری کو دیکھ کر۔ تو اسمبلی میں دربار موجود ہیں انگریزی خواں جتنے بھی جو اسمبلی کے ارکان تھا وہ بھی انگریز کی آتی حمد و ستائش کرتے رہے اور کہا کہ کبھی ایسا شخص تو کوئی شریف انسان بھی نہیں کہہ سکتا نہیں ہوتا تو بڑی بات ہے واقعی چاپلوسی کا تصور تو ہم انگریزی خوانوں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ملکہ وکٹوریہ کو دام اقبالہا اور یہ کہ تیرا یہ تخت اقبال ہمیشہ باقی رہے تو قابل تعریف ہے اور وہ مسلمان مغلوب ہے بدقسمت ہے جو تیری حکومت کے خلاف خیال کو بھی دل میں جگہ دے۔ تو کیا چاہیے تو کوئی شخص بھی نہیں رہ سکتا۔ پھر ایک کافر حکومت کی انگریز کی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جب انگریز نے ہندوستان میں آکر قدم جمایا تو اس وقت انگریز کے خلاف شاہ عبدالعزیزؒ اور دیگر اکابر نے جہاد کا فتویٰ دیا۔ جہاد کی تحریک اٹھی ہزاروں مسلمان پیدا ہوئے اور جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو مسلمان جہاد کے لیے جان و مال قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ انگریز کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کو غلام رکھنے کا علاج سوائے اس کے نہیں کہ ان کے دلوں سے جہاد کا جذبہ نکال دیا جائے۔ اور اس کے لیے ایک نبی ہی کھڑا کر دیا جائے اور وہ جہاد کو حرام قرار دے۔ یہی تو وہ خودکاشتہ پودا ہوا تھا جس کا اقرار مرزا نے اپنی تحریروں میں کیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ خاندان کے قدیم میں بھی میرے والد نے پچاس گھوڑے مع سوار بہت انگریز کو پیش کیے۔

بہرحال مرزائی ہم مسلمانوں کو ۹۰ سال سے کافر کہتے رہے تھے اور جب آپ جیسا اسمبلی میں پیش ہوئی تو اپنی مطلب براری کے لیے اس کا انکار کرتے تھے۔ تو جب وہ عبارتیں پیش ہوئیں کہ ہم نے تو مرزا کو نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج اور کافر اور پکا کافر کہا ہے۔ تو کہا کافر تو ہیں مگر ملت میں داخل ہیں اور ملت کے تین دائرے ہیں ایک اسلام ایک اسلام سے نیچے اور ایک تیسرا دائرہ ہے۔ راؤ حنیف صاحب مرکزی وزیر تھے اسمبلی میں میرے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے میں نے کہا وزیر صاحب! کیا حال ہے؟ ہنس کر کہا مولانا! ابھی تک تیسرے دائرے میں پھرا ہوں پتہ نہیں اس سے بھی کب نکالتے ہیں۔

## معاشرتی تعلقات سے ممانعت

مرزا بشیر سے کہا کہ مسلمانوں کے معصوم بچوں پر جنازہ کا کیا حکم ہے آپ کے بڑوں نے تو کہا تھا کہ بالکل ناجائز ہے اور جس طرح ہم ہندو اور سکھ عیسائی بچوں پر جنازہ نہیں پڑھ سکتے اسی طرح غیر مرزائی مسلمان بچوں کا حکم ہے کیونکہ وہ بچہ کافر کا ہے۔ ہے مسلمان کافر تو ان کا بچہ بھی کافر ہی ہوگا۔

# مسلمانوں کی فتحِ مبین

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے قادیانیت کے بارہ میں جاری کردہ صدارتی آرڈیننس پر مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کا طویل اور پُرمغز تبصرہ ماہنامہ الحق سے بشکریہ خدمت ہے ۔ (مرتب)

مولانا سمیع الحق

قادیانیوں کے بارہ میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی جانب سے جاری کردہ آرڈیننس کے ذریعہ مسیلمۂ پنجاب متنبی کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں (قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں) کو ہر طرح کی خلافِ اسلام سرگرمیوں سے روک دیا گیا ہے۔ اور تعزیراتِ پاکستان میں ایک نئی دفعہ ۲۹۸ب شامل کر دی گئی ہے جس کی رو سے قادیانی اسلام اور مسلمانوں کی مخصوص اصطلاحات استعمال نہیں کر سکیں گے، نہ اذان دے سکیں گے، نہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہہ سکیں گے، نہ اپنے آپ کو بالواسطہ مسلمان ظاہر کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے مذہب کو اسلام کا نام دے کر اس کی تبلیغ و تشہیر کر سکیں گے، نہ کسی ایسی حرکت کے مجاز ہوں گے جس سے مسلمانوں کے احساسات و جذبات مجروح ہوں۔

یہ فیصلہ (آرڈیننس) کتنا اہم، نہایت ضروری، معقول اور قابلِ تحسین و تبریک ہے اور کتنے دور رس نتائج کا حامل ہے؟ اس کا اندازہ وہ لوگ کر سکیں گے جن کی نظر قادیانیت کی تاریخ، اس کے مقاصد، عزائم اور ملتِ مسلمہ کے خلاف اس جماعت کی ریشہ دوانیوں، گھناؤنی سازشوں اور اسلام دشمنی کے منظم اور مربوط و ہمہ گیر منصوبوں پر ہے۔ مسلمانوں کے جن حساس، عاقبت اندیش اور اسلامی درد سے سرشار قائدین اور علماء کو اللہ تعالیٰ نے مرزائیت کے بارہ میں دلِ بینا اور دولتِ شرحِ صدر سے نوازا تھا انہوں نے اس صدی کے آغاز ہی سے علمی، تحریری، سیاسی اور عوامی محاذ پر اور پوری شدت سے اس کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی خطرات سے مسلمانوں کو اور برصغیر کی حکومتوں کو آگاہ کرنا اپنا اوّلین فریضہ سمجھا۔ وہ نازک اور پُرخطر حالات میں بھی نعرۂ حق بلند کرتے رہے، انہیں للکارتے رہے اور مسلمانوں کو اس مارِ آستین سے بچنے کے لئے مجبور کرتے رہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، پیر صاحب گولڑہ شریفؒ، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کی پوری

چل کر مرزائیوں کی سیاسی پناہ گاہ اور حصار بن سکے گا۔

---

بہر حال اب اس انقلابی اقدام کے کچھ لازمی اور منطقی تقاضے ہیں جو حکومت وقت نے فوری طور پر پورے کرنے ہیں۔ جبکہ بدقسمتی سے اس کا انداز کار عام طور پر وقت گزارنا اور وسائل کو بڑھاتے رہنا ہے کہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلتی رہے اور کوئی ناراض نہ ہو۔ جس پالیسی کی وجہ سے اسلامی نظام کی گاڑی ایک ایسی دلدل میں پھنس کر رہ گئی ہے کہ نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے، یعنی ہم چل تو رہے ہیں مگر سفر کٹھن اور منزل دور سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ قادیانی مرزائیوں کے بارہ میں یہ آرڈیننس جاری کر کے اس نے ایک زہریلے سانپ کو مارا نہیں بلکہ صرف زخمی کیا ہے اور جب یہ سانپ زخمی ہو جاتا ہے تو وہ کوئی بھی موقع ملت مسلمہ اور پاکستان کو ڈسنے کا ضائع نہیں کرے گا۔ وہ کوئی معمولی دشمن نہیں بلکہ وہ عالمی سامراجیت کا خود کاشتہ پودا اور صیہونیت اور برطانیہ کے بعد اب امریکی سامراج کا پروردہ ہے۔ وہ عالم اسلام کے عقیدہ اور جہاد کے خلاف سامراجیوں کا خفیہ ہتھیار ہے۔ وہ اسرائیل کا کاشتہ ہے جس کی پوری سیاسی سرگرمیاں اور تحریکات اور منصوبوں کی تفصیلات ہماری شائع کردہ کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اور وہ ارتداد ہی سے اپنے در پردہ منصوبوں میں شامل جیسا کہ مغربی نظم و ضبط، حمیرا اور کبیر سے طریق کار کا ثبوت دے رہا ہے۔ پاکستان توڑنے میں پنجاب اور بالخصوص مشرقی پاکستان اور عالم عرب قیام اسرائیل کی شکل میں اس کا خمیازہ بھگت چکا ہے۔ عوامی ہمدردیاں حاصل کرنا، سیاسی لابیوں سے اپنے مفادات کا حصول، اعلیٰ نظام کے لیے رجال کار کی تیاری اور کلیدی مناصب پر کنٹرول حاصل کرنا، عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے مخصوص سامراجی ہتھکنڈے ہیں۔ وہ ہوشیاری سے ایسا ہاتھ مارتا ہے کہ پوری قوم سیاسی اور معاشی سطح پر تلملا اٹھتی ہے مگر عیار و مکار دشمن پھر بھی نگاہوں سے غائب رہتا ہے۔ اب ایسے دشمن پر موجودہ آرڈیننس کی شکل میں کاری ضرب لگانے کے بعد اگر روایتی تساہل، درگذر، وسیع النظری اور رواداری سے کام لیا گیا تو یقیناً نہ تو یہ اس ملک کی یکجہتی و استحکام کے لیے مفید ہوگا اور نہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے والے۔ بلکہ مملکت کے لیے کہ وہ اب ان دونوں پر بھرپور وار کرے گا۔ اس لیے وقت کا اولین تقاضا ہے کہ فوری طور پر:

۱۔ تمام کلیدی بالخصوص فوج کے اہم مناصب سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔

۲۔ ملک کے اندر اس کی تنظیموں، سرگرمیوں، مراکز، دفاتر بالخصوص جدید ربوہ پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

۳۔ ان کے تمام تحریری دستاویزات اور لٹریچر کی پڑتال کی جائے اور اس آرڈیننس کی زد میں آنے والی ہر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریر کو ضبط کر لیا جائے۔

۴۔ بیرون ملک پورے عالم اسلام کو اس اقدام کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور عالم اسلام سے ایسے ہی اقدامات اور تقاضوں کی تکمیل کی اپیل کی جائے۔

۵۔ خارجی دنیا میں پاکستانی سفارتخانوں اور سفارتی امور سے وابستہ اداروں سے قادیانیوں کی مکمل تطہیر کی جائے۔

۶۔ اپنے سفارتخانوں اور علمی و دینی تنظیموں کے ذریعے غیر مسلم دنیا میں اس فرقے کی سرگرمیوں اور منصوبوں اور ہر طرح کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

۷۔ اس فیصلے کے خلاف بیرونی دنیا کو گمراہ کرنے والے قادیانی اور منفی پروپیگنڈہ کا موثر اور بھرپور جواب دینے کے انتظامات کیے جائیں۔

۸۔ مرزائیوں کی دو جماعتوں اور ہر قسم کی تنظیموں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔

۹۔ قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مذہب کی نشاندہی کے فوری انتظامات کیے جائیں تا کہ کوئی قادیانی "مسلمان" کے روپ میں عالم اسلام بالخصوص عالم عرب و ملازمتوں کے بہانے تو وہاں ریشہ دوانیوں کا مرکز نہ بنا سکے اور اگر کوئی قادیانی ہے تو مذہبی تشخص کے ساتھ جا سکتا ہے۔

۱۰۔ آئندہ کے لیے کفر و ارتداد کے اس طرز عمل کے تدارک کے لیے قانونی سزا اسلامی سزائے ارتداد نافذ کی جائے۔

۱۱۔ اس بات کے ثبوت قادیانی لٹریچر سے تحریری شواہد موجود ہیں کہ ان کا دینی مرکز اسرائیل میں قائم ہے اور ان کے روابط ربوہ سے ہیں۔ قادیانی "مبلغین" اسرائیل جاتے ہیں اگر ربوہ سے نہیں تو یہاں سے برطانیہ، ماریشس، جزائر فجی، نائیجیریا اور دیگر افریقی ریاستوں، یورپی ممالک کے نام پر وہاں سے اسرائیل چلے جاتے ہیں۔ ایسے تمام نام نہاد "مبلغین" کے تبلیغی دوروں اور آمد و رفت پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ یہ کتنے ستم اور افسوس کی بات ہے کہ ایک اسلامی جمہوری ملک کا زرمبادلہ لے کر وہ دنیا بھر کے اسلام اور ختم نبوت محمدیہ کے خلاف بغاوت پھیلاتے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کا پروپیگنڈہ کر کے سادہ مسلمانوں کو اپنے دجل و فریب کے دام تزویر میں پھنساتے رہیں اور پاکستانی زرمبادلہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم عرب کے خلاف اسلام دشمنی کا دھندہ جاری رکھیں۔

۱۲۔ ربوہ کی مرزائی تحریک کی سیاسی عمارت مسمار ہوئی اور قومی اسمبلی کے فیصلوں میں بکھر چکی

پیروکاروں کے مالی اور اقتصادی استحصال پر قائم ہے وہ ایسے جال میں پھنسے ہوئے ہیں کہ
بے خون پسینہ کی کمائی اندھا مرزائی پاپائیت کی نذر کرنا پڑتی ہے۔ بسا اوقات اس استحصالی
شکنجہ نے معاشی و سماجی دھاندلی ہے۔ مالی ان مجبوریوں کے پیش پیروکاروں کے لیے ناممکن ہوتا ہے
وہ مجبوراً اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اور بعد از مرگ ساری جائیداد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ
کے نام منتقل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی بہت بڑی جائیداد مرزائی سربراہوں کے نام ہے۔ اور
یہاں کی معاشی افراتفری میں اس معاملے کا بہت بڑا عمل دخل ہے ـــــ یہ مرزائیوں کے استحصالی
ہتھکنڈے ہیں جن پر از سر نو نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف مسلمان مطمئن ہوں
گے بلکہ قادیانی استحصال کا شکار قادیانی فرقے کے لوگ بھی نجات پا کر اپنے مذہب اور
عقیدہ کے بارہ میں از سر نو آزادانہ فیصلہ کر سکیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

⌑ ⌑ ⌑

# قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اس کے دیرپا تقاضے

## ایڈیٹر ماہنامہ الحق کا سوالنامہ اور مشاہیر علم و فضل زعماء ملک و ملت کے جوابات

### سوالنامہ

(۱) آئینی فیصلہ کے بارہ میں آپ کے تاثرات اور تصورات کیا ہیں؟
(۲) کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی ہے؟
(۳) ملک و بیرون ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات کیا ہیں؟
(۴) ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریقہ کار اور لائحہ عمل کیا ہو سکتا ہے؟

(مولانا) سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق

---

**الشیخ محمد صالح القزاز**
**سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ**

حضرة المكرم الفاضل الشيخ عبد الحق (سمیع الحق) بشاور، باكستان
السلام عليكم ورحمة الله وبركاته
تسلمت رسالتكم الكريمة رقم [illegible] وتاريخ ١٠ سبتمبر ١٩٧٤م
الشواعر ثم [illegible] عن ابتهاجكم وابتهاج اخواننا المسلمين بما قررته الجمعية الوطنية بشأن الطائفة القاديانية واعتبارها اقلية غير الاسلامية.

والواقع ان ذلك فضل من الله حيث جاء الحق وزهق الباطل ذلك ان هذه الطائفة عاشت في الارض فسادا ونشرت دعايتها الضالة زمانا [illegible] وتمكين [illegible] على افكار كثير من المسلمين [illegible] فيتبعونها وتعوق [illegible] ضلالها.

واسأل الله تعالى [illegible] ما اصاب هذه الطائفة الضالة من خزي وقد اقتصر [illegible] وما يتبعه من عوامل التفرقة بين المسلمين في السياسة والمجتمع على السواء ونرجو الله الا تقوم لها قائمة بعد الان وان [illegible] اخواننا المسلمون في [illegible] ان يستعدوا لهذه الفتنة

ومكايدها التي      يدبرها ضد المسلمين الحقيقيين.

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

الأمين العام محمد صالح القزاز (۲۴/۹/۱۹۷۴ء)

(ترجمہ) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارہ میں قومی اسمبلی کے شاندار فیصلے پر آپ کی اور تمام مسلمانوں کی مسرتوں کی غمازی کرنے والا گرامی نامہ موصول ہوا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ حق غالب ہوا اور باطل مٹ گیا۔ اسلئے کہ اس فرقہ ضالہ نے زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا اور اس کی گمراہ کن جھوٹی دعوت تقریباً دو ایک صدی پھیلتی رہی جو یورپ اور افریقہ میں بہت سے مسلمانوں کی گمراہی اور کجروی کا ذریعہ بنی۔ آج ہم اس فرقہ ضالہ کی رسوائی اور مسلمانوں میں اس کی سیاسی اور اجتماعی اور تفرقہ انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں کی قلعی کھل جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرتے ہیں اور اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس فرقہ کے قدم کہیں نہ جم سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان لوگوں کی سازشوں، خفیہ مذموم منصوبوں اور ان فریب کاریوں پر گہری نظر رکھیں گے جو یہ لوگ سچے اور حقیقی مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لاتے رہتے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی محمد صالح القزاز ۲۴/۹/۱۹۷۴ء)

## حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ علماء اسلام شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان

الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله وصحبه ومن اعز جنده.

پاکستان کی پارلیمنٹ نے عقیدہ ختم نبوت کو دستوری تحفظ دے کر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا یقیناً یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے۔ اس سلسلے میں پوری قوم اور پاکستان کی ملت اسلامیہ اور پارلیمنٹ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اراکین خصوصیت سے مستحق تبریک ہیں جنہوں نے تین ماہ کی طویل جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر اور حکومت کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بن کر اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ بہت سے مقامات پر پولیس نے وحشیانہ لاٹھی چارج کیا اور مساجد میں جوتوں سمیت داخل ہو کر نہتے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم کیا۔ تھانوں میں فدائیان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض جگہ ایسی شرمناک حرکتیں روا رکھی گئی ہیں کہ جن کا ذکر بھی کسی شریف انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بعض مقامات پر شہیدوں نے خون کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ بہرحال جن حضرات نے بھی اس سلسلہ میں کوئی خدمت، محنت اور قربانی حسن نیت اور خلوص سے پیش کی ہے میرا عقیدہ ہے کہ اس کی نجات آخرت کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض مخصوص قسم کے لوگوں کے متعلق یہ سنکر سخت تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ختم نبوت کے اس حل کا سہرا صرف اور صرف

وزیر اعظم بھٹو کے سر باندھنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں۔ مسٹر بھٹو نے عوامی جدوجہد کے سامنے مجبور ہو کر اس فیصلہ کی تصدیق کی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اسمبلی کے اندر اور باہر انہیں کن مشکلات کا سامنا ہوا۔ جس کے بعد انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ہم جب پوری قوم کو مبارکباد دیتے ہیں تو ہم نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا بلکہ پوری قوم کو انہیں اور ان کی قوم کو مستحق سمجھے بغیر ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے۔ نہ ہم نے اپنی جماعت کے لیے کریڈٹ لینے کی کوشش کی ہے نہ ہم اس خالص مذہبی مسئلے کو سیاسی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو قبول فرما کر ہر ایک شریک کار کو اس کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔

برصغیر پاک و ہند کے لوگوں نے برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزادی کا مطالبہ کیا۔ جدوجہد کی، آخر جدوجہد کامیاب ہوئی اور برطانیہ لیبر پارٹی کی گورنمنٹ وراس وقت کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے بامر مجبوری ہمارا مطالبہ تسلیم کر کے ہمیں آزادی دے دی۔ تو کیا ہندوستان کی آزادی کے لیے مسٹر ایٹلی اور لیبر پارٹی کی برطانوی گورنمنٹ کے نعرے لگائے جائیں یا مجاہدین تحریک آزادی کو زندہ باد کہا جائے؟

تازہ واقعہ ہے کہ الجزائر نے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے سات لاکھ سے دس لاکھ تک جانوں کا خون پیش کیا۔ آخر کار فرانس کی حکومت کو آزادی کا مطالبہ تسلیم کر کے الجزائر کو آزاد کرنا پڑا۔ تو کیا اب فرانس اور جنرل ڈیگال مبارکباد کے مستحق ہیں یا الجزائر کے شہداء و مجاہدین؟

انڈونیشی عوام نے سوئیکارنو کی زیر قیادت طویل جدوجہد کے بعد ڈچ قوم سے آزادی حاصل کی۔ ڈچ قوم نے مطالبہ مانا۔ اب کون مبارکباد کا مستحق ہے، ڈچ قوم یا انڈونیشی عوام؟

بہرحال ختم نبوت کی تحریک کے مجاہدین کے خلاف ظلم و تشدد، خونریزی اور بربریت کا جرم جس کے کھاتے میں بھی پڑتا ہے کم از کم تحریک کی کامیابی کا سہرا ایسے لوگوں کے سروں پر تو نہیں باندھا جا سکتا۔ پیپلز پارٹی ہی ایک ایسی پارٹی ہے جس کے ارکان نے انفرادی یا اجتماعی طور پر قوم کے اس عظیم مطالبہ اور تحریک کا ساتھ نہیں دیا اور الگ تھلگ رہ کر عملاً ثابت کر دیا کہ ان کا اس مطالبہ اور تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر پیپلز پارٹی یا اس کے چیئرمین ہی کو علمبردار کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ فیا للعجب!

الغرض جمہوری طور پر قوم اور اس کے نمائندوں نے ایک تاریخی فیصلہ صادر فرما کر دستوری طور پر مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا اور انہیں پارسی، سکھ، ہندو، عیسائی قوم

بدقسمت شیڈول کاسٹ اچھوت جو بڑے پجاریوں کی صف میں جا کھڑا کیا اور بیٹھ کر لیا کرے۔

(۱) جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو کسی قسم کی نبوت کسی بھی شکل کسی خیال کے مطابق مل سکتی ہے وہ غیر مسلم ہے۔

(۲) جو شخص ایسی کسی نبوت کا اپنے لیے دعویٰ کرتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔

(۳) جو ایسے مدعی نبوت کو نبی مانتا ہے وہ بھی غیر مسلم ہے۔

(۴) جو شخص ایسے مدعی نبوت کو مذہبی مصلح مانتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔ یہ بھی طے ہوا کہ جو مرزائی منافق بن کر خود کو مسلمان کہلائے وہ ختم نبوت کے خلاف تبلیغ نہیں کر سکے گا، اگر کرے گا تو سزا کا مستوجب ہو گا جو دو سال قید با مشقت تک ہو سکتی ہے۔

جو مرزائی اپنے کو کافر تسلیم کرے تو وہ دستور کے مطابق اپنے مذہب کی تبلیغ قانون اور آئین عامہ کے دائرہ میں کرے گا۔ اگرچہ ایسے واضح غیر مسلم شخص کی تبلیغ کا کسی پر اثر پڑنے کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو ان فیصلوں سے خوش ہو کر غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ ابھی اس مسئلے سے متعلق بہت سے ذیلی مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل بھی ضروری ہے جو عنقریب ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت کے نمائندوں سے مل کر ان چند مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ اللہ توفیق دے۔

بظاہر ذیلی مسائل یہ ہیں:۔

(۱) مرزائیوں کے دونوں گروہوں کے اوقاف کو حکومت اپنی تحویل میں لے تاکہ اسلام کی اشاعت کے لیے لوگوں نے جو جائدادیں وقف کی ہیں ان کی آمدنی کسی غیر اسلامی مذہب کی اشاعت پر صرف نہ ہو۔

(۲) ربوہ میں واقع سفید زمین کو مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر کے اسے کھلا شہر قرار دینے کی عملی صورت پیدا کی جائے۔

(۳) مرزائیوں کے لاہوری گروہ نے ایک انجمن بنائی ہے جو کہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے موسوم ہے انہیں یہ نام قانوناً تبدیل کرنا ہو گا۔ اس لیے کہ اب وہ اسلام کی اشاعت کا کام نہیں کر رہی۔

(۴) مرزائی اپنی تبلیغ اسلام کے نام سے نہیں کر سکیں گے ان پر قانونی پابندی عائد کرنی ہو گی کیونکہ ان کا مذہب اب قانوناً اسلام نہیں رہا۔

(۵) اسلام کی مخصوص اصطلاحات جو صرف اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مختص ہیں ان کے استعمال

سے انہیں قانوناً روکنا ہوگا۔ مثلاً مسجد، امیر المومنین، خلیفہ، صحابی، ام المومنین وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس قسم کے دیگر امور ہمارے دستوری فیصلے کے لازمی نتائج ہیں جب تک ان نتائج کو بروئے کار نہیں لایا جاتا دستوری فیصلہ صرف کاغذی فیصلہ کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین فی بلادھم من ھذہ الفتنۃ الداھیۃ۔

## حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، رمضان کی وجہ سے جواب میں دیر ہوگئی، آج ۲۰ رمضان کو جواب دے رہا ہوں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کا جو حل وزیر اعظم پاکستان اور ان کی کابینہ نے کیا ہے میں نے اس پر وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو دلی مبارکباد دی ہے کہ یہ فیصلہ شریعت کے مطابق اور عام اہل اسلام کے جذبات کے موافق ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

(۲) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد حکومت کا فرض ہے کہ ان کو کلیدی عہدوں سے الگ کر دیں اور افواج پاکستان سے تو بالکل الگ کر دے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب میں جہاد منسوخ ہو گیا ہے اس لئے اس کے ماننے والوں میں جذبہ جہاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ اسلامی تعلقات نہ رکھنے چاہئیں۔ جو خود قادیانی بنتا ہے وہ مرتد ہے جس کو تین دن کی مہلت دے کر اگر وہ ان تین دنوں میں قادیانیت سے توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کر دینا حکومت کا فرض ہے، اور جو خود مرتد نہیں ہوا بلکہ مرتد کی اولاد ہے وہ اگر دوسروں کو مرتد بناتا ہے تو اس کی بھی یہی سزا ہے اور جو مرتد بنا ہوا ہے اس سے اسلامی تعلقات نہ رکھے جائیں۔

(۳) اور جو قادیانی توبہ کرنا چاہے اس کی توبہ قبول کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر مرتد مانے، اسی طرح جو اس کو نبی مانتے ہیں ان کو بھی کافر و مرتد مانے۔

والسلام: ظفر احمد عثمانی ۲۰ رمضان ۱۳۹۴ھ

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

بانی و صدر دار العلوم کراچی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد! قادیانی مسئلہ کے حل پر مسلمانوں کے احساسات اور جذبات ایک ہی قسم کے ہیں، عرصہ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی کچھ

مسرت نصیب کی ہے جس سے عالم اسلام کا ہر گوشہ مسرور اور شاداں و فرحاں نظر آتا ہے۔ یہ اس طویل
جد و جہد کا ایک کامیاب مرحلہ ہے جو مسلمانوں اور علمائے اسلام نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم
میں شروع کی تھی۔ میں اس قافلے کا ایک ادنیٰ رفیق رہا ہوں جو امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب
کشمیریؒ کی قیادت میں فتنۂ قادیانیت کے سدباب کے لیے روانہ ہوا تھا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح
یاد ہے جب استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ اس گمراہی کے اثر و نفوذ سے سخت بے چین رہتے تھے اور
ان کے دل کو کسی طرح قرار نہیں تھا۔ انگریز کی حکومت تھی جس کی مکمل سرپرستی قادیانیوں کو حاصل
تھی اس لیے مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کی جدوجہد کو قدم قدم پر صبر شکن
حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب بہاولپور کے مقدمے میں کام کرنے
کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے ہم خدام کو بہاولپور میں جمع کیا، اور جب اس چھوٹے سے علاقے
میں مسلمانوں کو فتح مبین عطا ہوئی تو اس وقت شکستہ دل مسلمانوں کی مسرت قابل دید تھی کیونکہ اس
مقدمے میں پہلی بار عدالتی سطح پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

آج اگر حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے کاروانِ حق کے دوسرے رفقاء موجود ہوتے تو ان کی
مسرت کا کیا عالم ہوتا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ باطل کو کبھی نہ کبھی سرنگوں ضرور ہونا پڑتا ہے
لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ
یہ وقت میری زندگی میں آگیا اور اس قافلے کے ایک ادنیٰ خادم کو یہ مسرت اپنی آنکھوں سے دیکھنی
نصیب ہو گئی فللّٰہ الحمد کلہ ولہ الشکر کلہ۔

اس مسرت کے ساتھ میں مملکتِ پاکستان کے وجود پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کیونکہ
اگر یہ ملک نہ بنا ہوتا تو یہ کام انجام نہیں پا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو قائم و دائم رکھے اور اسے
دینِ حق کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس کامیابی کے بعد اہم ترین سوال یہ ہے کہ اب مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہو۔ چاہیے ہم لوگ
اس کامیابی کے نشے میں اس اہم سوال کو پس پشت ڈال دیں گے یا اس کے جواب میں سنجیدگی، توجہ
اور اخلاص عمل پر کاربند نہیں رہیں گے وہ اس کامیابی کے تمام اثرات پر پانی پھیر دینے کے
مرتکب ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیت کے سلسلے میں اس کامیابی سے اس مہم کا صرف ایک منفی مرحلہ طے
ہوا ہے۔ اس مرحلے کا مقصد یہ تھا کہ حق و باطل اور اسلام و کفر میں ایک واضح خط امتیاز قائم ہو جائے

اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ اس مذہب کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد اب مثبت کام سامنا باقی ہے۔

اور وہ کام سب سے پہلے یہ ہے کہ افراد کے جو حلقے راہ حق سے بھٹک کر قادیانیت کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں انتہائی حکمت، ہمدردی، دل سوزی اور مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے واپس لانے کی کوشش کی جائے۔

قادیانی مذہب کے بہت سے متبعین ایسے ہیں جنہیں یہ مذہب اپنے ماں باپ یا ماحول سے ورثے میں ملا ہے اور انہیں اس کی سنگین گمراہیوں سے آگاہ ہی نہیں ہونے دیا گیا اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس مذہب کو ایک فرقہ وارانہ مسلک سمجھ کر کسی دنیوی مفاد کی خاطر اس مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہمدردی، ملاطفت اور مخلصانہ دعوت کے ذریعہ حقیقت حال سے آگاہ کرنے اور خدا کا خوف دلانے کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے اس مذہب اور اس کے بانی کی وہ باتیں نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے جن سے قادیانیت کی اصلیت واضح ہوتی ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام اور اس کے علوم سے ناواقفیت کے سبب وقتی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں انہیں بھی دلائل و براہین اور تبلیغ و دعوت کے ذریعے اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر حکمت، اخلاص اور سچے جذبۂ دعوت کے ساتھ یہ کام کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو سکے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہماری اس دعوت کے ذریعے راہ حق سے ہمکنار کر دے تو اس سے بڑھ کر ہماری سعادت کوئی نہیں۔

یہ کام یوں تو ہر مسلمان کے کرنے کا ہے کہ جو شخص جہاں ہے وہ اپنے ماحول میں ایسے لوگوں پر کام کرے لیکن خاص طور سے اہل علم حضرات، دینی جماعتوں اور اداروں کو اس غرض کیلئے اپنے حالات اور وسعت کے مطابق خصوصی طریق کار طے کرنا چاہیے۔ قادیانیت کے موضوع پر لٹریچر کی کمی نہیں لیکن ان میں سے مختلف مدارج کے لٹریچر کا انتخاب کر کے اور مزید مختصر رسالے تیار کر کے انہیں منظم طور سے شائع کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جس مقام پر قادیانی زیادہ تعداد میں آباد ہیں وہاں اس موضوع پر عبور رکھنے والے حضرات تبلیغی وفود کی شکل میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسری فرض حکومت کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے اور ان کی وہ تمام رعائتیں ختم کر دے جو ملک میں انہوں نے ناجائز طور پر حاصل کی تھیں یا ملازمتوں میں: ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھے، انہیں بحیثیت مسلمان تبلیغ کرنے سے روکے اور غیر ممالک میں سفارتخانوں کے ذریعے ایسا لٹریچر تقسیم کرائے جو پارلیمنٹ کے حالیہ بل کی تشریحات پر مشتمل ہو تا کہ بیرونی ممالک اس بل کے مضمرات سے آگاہ ہو سکیں اور قادیانیوں کی طرف سے اپنی نام نہاد مظلومیت کا جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کا سدباب ہو سکے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہادی الصواب۔

## حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی

سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ بہاولپور

عزیز القدر اعلیٰ مرتبت مولوی سمیع الحق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اعلان نامہ بابت اثرات حل فیصلہ قادیانی موصول ہوا۔ دور حاضر میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے جو فیصلہ حکومت نے کیا وہ نہایت مسلمانہ و جرأت مندانہ اقدام ہے جس کی جرأت سابق پاکستانی حکمران نہ کر سکے، اس دور میں اس سے زیادہ ممکن بھی نہیں تھا۔

لا الٰہ الا اللہ — محمد رسول اللہ — ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

(۱) اسلام توحید کی صورت میں خدا شناسی کی اصل روح ہے، رسالت محمدی کے ذریعہ اس کی تحقیق تعیین و تشکیل ہوتی ہے، اس لحاظ سے حقیقی خدا شناسی کے لیے رسالت شناسی اپنی اصلی شکل میں لازمی ہے جو ختم نبوت ہے، اگر وصف ختم نبوت انکار کی زد میں آ جائے تو رسالت کا حقیقی نقشہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ توحید و رسالت محمدی ختم نبوت۔ یہ اسلام کی ایسی تین بنیادی کڑیاں ہیں جو یقینی کے درجہ میں ایسے مربوط ہیں کہ ثالث کے انکار سے ثانی اور ثانی کے انکار سے اول کا حقیقی یقین بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) تحریری و لٹریچر کا دروازے مستقل: دنیا میں سب بڑی طاقت آواز کی طاقت ہے۔ فرعونوں کے تاج و تخت اور جبروت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ختم کیا، قیصر و کسریٰ کی عظیم حکومتیں آواز محمدی کے ابلاغ سے ملیا میٹ ہو گئیں، زار روس کے راج کو لینن کی آواز نے ختم کیا۔ اسی اصول کے تحت مرزائی تنظیم اور اس کے اثرات کو صرف آواز ہی ختم کر سکتی ہے، یہ حکومت کے بس کی بات نہیں۔ حکومت نے اپنا حق ادا کر دیا، اب آواز یعنی تحریری و تقریری تبلیغ کے ذریعہ ہر مسلمان مرزائی کو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لے تا کہ جو بھی مسلک ہے غلام ملازم ہے

بلاشبہ عالمِ اسلام کا یہ فیصلہ اور اس کی تائید و توثیق قادیانی فرقہ کی تلبیس کاریوں سے
مسلمانانِ عالم کو بچانے کا ایک اہم ترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس لیے عموماً تمام عرب اور مسلمانانِ
ہند و پاک اور خصوصاً علماء دیوبند اسلام کے تحفظ کے اس بین الاقوامی فیصلہ کرنے والوں کو
ہدیۂ مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس آخری اور ابدی دین کو زیادہ سے زیادہ غیبی نصرت و تائید
مرحمت فرمائے۔ آمین۔

**اکابر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند**

مولانا فخر الحسن صاحب ، مولانا محمد سالم قاسمی
مولانا انظر شاہ کشمیری ، مولانا محمد شریف حسن
مولانا معراج الحق ، مولانا نعیم احمد

محترم و مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!
نامۂ کرم سے مشرف فرمایا۔ قادیانیت
کے مسئلے کے حل کے لیے ماہنامہ "الحق"
کی اشاعت خاص کی اطلاع سے جہاں قلبی
مسرت ہوئی وہیں یہ خبر اس لحاظ سے موجبِ تأسف بھی تھی کہ مطلوبہ سوالات کے جوابات ارسال
کرنے کی ہدایت پر مشتمل مکتوبِ گرامی ایسے وقت میں موصول ہوا جبکہ حضرت مکتوب الیہ حکیم الاسلام
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ جنوبی ہند کے طویل سفر پر تھے۔ اور واپس ہوتے ہی دو
تین روز میں اہم مصروفیات سے فارغ ہو کر فوراً ہی عازمِ حج بیت اللہ ہوگئے۔ سفر حج ہوائی جہاز
سے ہوا ہے اس لیے واپسی وسط جنوری تک متوقع ہے۔ لیکن چونکہ تفصیل مکتوب گرامی کی توقع
میں زیادہ محسوس ہوا۔ مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خدمت میں بعد واپسی پیش
کیا جائے گا۔ لیکن اشاعت کی تعجیل پر نظر کرتے ہوئے مناسب سمجھا گیا کہ یہ مکتوب حضرات اکابر دارالعلوم
دیوبند کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مکتوب گرامی کے استفسارات کے بارے میں منجانب اکابر
دارالعلوم دیوبند مختصر جوابات مرسل خدمت ہیں۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کو پیہم ذلت ناک تاریخی شکستوں کے بعد
بڑی حد تک عیسائیت کی عالمی زمام قیادت بخت و وقت نے انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی۔
اس قیادت کی بقاء اور تحفظ کے لیے انگریز نے اپنی فطری اور عیارانہ صلاحیتوں کو ملت اسلامیہ کے
انتقام لینے کے محور پر مرکوز کر دیا۔ اور قومی شرافت اور انسانی اخلاقیت کی قربانی دے کر اس
اعزاز قیادت کو اس قوم نے کوئی مہنگا سودا نہیں سمجھا، چنانچہ طویل تگ و دو کے بعد ملت اسلامیہ

کے برخلاف انگریز نے اپنی انتقامی بساطِ سیاست کو بین الاقوامی سطح پر روز بروز نئے منصوبوں سے آراستہ کیا۔

(۱) پہلے منصوبہ کا محور مسلمانوں کی اجتماعی شوکت اور سیاسی وحدت کو تاخت و تاراج کرنا تھا جس کا مرجع و مرکز خلافتِ اسلامیہ تھی، اس کے لیے ترک و عرب میں انفرادی مفاد پر اجتماعی بہبود کو قربان کر دینے والے ہوس کار، ضمیر فروش منافق تلاش کر لیے گئے، اور خلافت کے فطری ثمرے کے طور پر حاصل شدہ اسلامی وحدت کو دسیسہ کارانِ فرنگ نے وطنی کنگروں میں تبدیل کر کے ملت کو اپنی عظمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

(۲) دوسرے منصوبہ کا مقصد ملتِ اسلامیہ کی "دینی وحدت" کو پارہ پارہ کرنا تھا جس کا ناقابلِ اختلاف مرکزی نقطۂ اتحاد ہزاروں اختلافات کے باوجود "عقیدۂ ختمِ نبوت" ہے۔ اس قابلِ نفرت منصوبے کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کے اس منصوص اور قطعی عقیدے کو اس طرح مجروح کرنا تھا کہ اگر وہ بالکلیہ ختم نہ بھی ہو تو تردد و اختلاف کا شکار ہو کر کم از کم نقطۂ اتحاد نہ رہے۔

اس کے لیے کذابِ اکبر مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کی خاندانی بے ضمیری اور ایمان فروشی کو بھانپ کر انگریز نے اسے نبی بنا کر عقیدۂ ختمِ نبوت پر کاری وار کیا۔

پھر جس طرح مذہبی زندہ قدروں کو انسانیت و شرافت سوز سیاست کا ہدف بنانے پر تاریخ کا حرف حرف انگریزی دنائت پر گواہ رہے گا، ٹھیک اسی طرح اس ناقابلِ تردید حقیقت پر بھی تاریخ کا حرف حرف ہمیشہ شاہدِ عدل رہے گا کہ انگریز کی اس بدنہاد انتقامی سیاست کے دونوں منصوبوں کے اولین مرحلے پر ان کی گہرائیوں تک پہنچے اور ان دونوں منصوبوں سے ملی تحفظ کی تدابیر کو یقینی بساط بھر روبہ عمل لانے میں توفیقِ خداوندی سے حضرات علماء کرام ہی نے پہل کی اور آج سے اسّی سال قبل کذابِ قادیان اور اس کے متبعین کے بارے میں مرتد اور خارج از اسلام ہونے کا فیصلہ اکابر علماء دیوبند نے اپنی بصیرتِ دینی اور فراستِ ایمانی سے فرمایا۔

ان مخلصین کی مساعی مشکور ہوئیں اور دعائیں مستجاب کہ آج پورے عالمِ اسلام نے بیک زبان کذابِ اعظم مرزائے قادیان اور اس کے حاشیہ برداروں کے بارے میں الحمدللہ شرعی فیصلہ کو "اجتماعی فیصلہ" بنا دیا۔

اور اس اجتماعی فیصلے کو آئینی اور دستوری حیثیت دینے کی اولیت کا شرف حاصل کرنے پر ارضِ پاک کے علماء کرام اور عامۃ المسلمین اس دعا کے ساتھ مستحقِ تہنیت و تبریک ہیں کہ اللّٰھم اعز الاسلام والمسلمین

تاثرات بھی پڑھے۔ اس مسئلہ میں میرا تاثر یہ ہے کہ یہ صرف پاکستانی عوام کی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی
بڑی کامیابی ہے کہ پاکستانی حکومت نے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ
ہے کہ قادیانی نام نہاد مستشرقین کو اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اب پوری دنیا میں ان کو
دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینے میں سہولت ہوگی۔ مگر یہ بھی ضروری ہے کہ ایک غیر مسلم اقلیت کی
حیثیت سے پاکستان میں ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری حفاظت کی جائے۔ انہیں ایک
غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی بھی اسلامی ملک میں ان کی عزت و آبرو اور شہری
حقوق پامال کیے جائیں۔

عملی میدان میں قادیانیت کے خلاف مثبت انداز میں کام کرنے کا دروازہ اب کھلا ہے۔ علماء
کا فرض ہے کہ وہ ایسا تعمیری لٹریچر تیار کریں جس میں خود قادیانیوں کو ختم نبوت، نزول مسیح وغیرہ
مسائل کی حقیقت سمجھائی جاسکے۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد دعووں اور غیر معقول دعاوی کو واضح
کیا جائے۔ تبلیغ و تحریک جتنے مثبت انداز میں اور جتنے تعمیری رنگ میں ہوگی اتنی ہی کامیاب ہو
گی۔ خود قادیانیوں میں بھی تبلیغ کی جائے اور مفکرانہ انداز میں ان عقائد کو پیش کریں جو قادیانی لیڈروں
نے اپنے فرقے کے اردگرد قائم کر رکھے ہیں۔ نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس فرقے کے افراد کو اسلام
کے قریب لایا جائے۔ خصوصیت سے ایک کوشش ضرور ہونی چاہیے کہ قادیانی حضرات کو ملک کے
کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے۔ انہوں نے پچھلے دنوں آپ کے ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے
اس سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ مگر ہٹائے جانے والے لوگوں کو بھی متبادل روزگار مہیا
کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ کاش وقت میں گنجائش ہوتی اور میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنے
خیالات عرض کرسکتا۔

والسلام

**حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری**
**صدر مجلس عمل**

برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب زادکم اللہ توفیقاً
الی الخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

نہ معلوم نامۂ کرم کب آیا وہ کہاں ہے لیکن
عزیزم محمد بنوری سلمہ سے معلوم ہوا کہ جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور اشاعت رکی ہوئی ہے۔ مجھے
اس لیے چند سطور لکھ رہا ہوں۔ تفصیل کی نہ حاجت نہ فرصت نہ ہمت۔ انتہائی اختصار سے بیان سے
عرض ہے کہ یہ فیصلہ نہایت صحیح اور باصواب ہے۔ اگرچہ بعد از وقت ہے اور بعد میں جناب
وزیر اعظم صاحب نے خود اخبارات میں یہ اعتراف فرمایا ہے کہ قادیانی مسئلہ کے حل ہونے سے

"پاکستان کو سیاسی استحکام حاصل ہو گیا ہے" اور          صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ "پاکستان آج صحیح معنوں میں پاکستان بنا ہے" ان دونوں سیاستدانوں کے اس اعلان سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ یہ کام کتنا عرصہ پہلے ہونا چاہیئے تھا؟

بھائی ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوئی بلکہ ان آئینی تقاضوں کو جب تک عملی جامہ نہ پہنایا جائے اس وقت تک مقصد نا تمام ہے "مسلمان در گور و مسلمانی در کتاب" والا معاملہ ہوگا۔ اندرون ملک قادیانیوں کا کچھ رد عمل ہے وہ تذبذب ہے، مایوسی ہے اور زیادہ سے زبان گندہ جھلکی ہے اور کچھ نہیں۔ باہر ملک میں حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، لیکن افریقہ کے ممالک میں اس آئینی فیصلہ کی اشاعت اور عام کرنے کی بڑی ضرورت باقی ہے، حکومت کو چاہیئے ان قوی دامن بچانے کے لیے ضرورت ہے کہ عربی، انگریزی، فرانسیسی زبانوں میں اس فیصلہ کی اشاعت کر اپنے سفیروں کے ذریعے تمام عالم میں عام کرے۔

اس وقت حکومت کی جو کچھ پالیسی ہے اس میں تسامح، تغافل، تذبذب بلکہ ایک گونہ نفاق ہے اس نے عملی صورت میں کوئی اقدام نہیں کیا، نہ ان قیدیوں کو رہا کیا نہ ربوہ کو (قطعہ) تحصیل کی شکل دی ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ مرکز سے زیادہ پنجاب گورنمنٹ کی دوغلی پالیسی یا طرف دارانہ پالیسی کا نتیجہ ہو۔

بہر حال حالات اگر مایوس کن نہیں تو زیادہ امید افزا بھی نہیں ہیں بس اس وقت زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں تفصیلات بہت کچھ ہیں۔     والسلام

## حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ

برادرم مولانا سمیع الحق صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ مرزائیت کا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اب ان کا معاملہ دوسرے کافروں کی طرح ہے۔ یہ سکھ، پارسی، عیسائی اور ہندو کی طرح ہو چکے ہیں، نکاح وغیرہ کے مسائل حل ہو گئے۔ ہمارے ٹکٹ پر یہ ممبر نہیں بن سکیں گے وغیرہ وغیرہ۔ باقی مسائل کے بارے میں ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ بتدریج حل ہو جائیں گے۔ میں اس بات کے سخت خلاف ہوں کہ بعض خود غرض اور اقتدار پسند افراد یہ کہتے پھرتے تھے کہ حکومت مرزائی ہو گئی ہے، مرزائی نواز ہے گالی دی ہے۔ میرے بھائی! یہ کافی ہے، باقی میں سمجھتا ہوں کہ مرزائیت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے اگر اتنا کم اس مسئلے کو ہم اپنی وجاہت کا مسئلہ نہیں بنا سکتے۔ جیسے دینی ضرورت پیش آئے گی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ فقط     (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

**جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی**
**بانی جماعت اسلامی پاکستان**

محترم و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا عنایت نامہ ملا جس میں آپ نے قادیانی مسئلے سے متعلق چند سوالات دریافت کئے ہیں۔ آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلے کے حل پر آپ کے احساسات کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس مسئلے کے حل سے آپ کی مراد قومی اسمبلی کا حالیہ فیصلہ ہے۔ بلاشبہ اسمبلی اور حکومت کا یہ فیصلہ نہایت مستحسن اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے مسرت انگیز ہے۔ اور اس پر ہم جتنی بھی خوشی منائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں بالکل بجا ہوگا۔ لیکن ہماری حکومت، قومی اسمبلی اور عامۃ المسلمین کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری اب ختم ہو گئی ہے اور اس فیصلے سے قادیانی مسئلہ پورے کا پورا حل ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف پہلا قدم ہے جو صحیح سمت میں اٹھایا گیا ہے اور ابھی کئی بہت سے ضروری اقدامات ایسے باقی ہیں جن کے بغیر یہ فیصلہ جوں کا توں رہے گا بلکہ خدشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ مزید پیچیدگیاں نہ پیدا ہو جائیں اور ہم اس اہم فیصلے کے فوائد سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ کا ایک عنایت نامہ پہلے آ چکا تھا۔ اب یاددہانی اور تقاضے کا دوسرا خط آیا ہے جس میں آپ نے جلد جواب مانگا ہے۔ تو چند ضروری کرنے کے کام جو اس وقت ذہن میں آ رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) دستور پر قومی اسمبلی نے آئینی ترمیم کے علاوہ ایک قرارداد یہ بھی منظور کی ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ الف کے بعد ب کا اضافہ کیا جائے جس میں یہ درج ہو کہ:۔

"ایک مسلمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم جیسا کہ آئین پاکستان دفعہ ۲۶۰ شق ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان یا اس کے خلاف عمل یا تبلیغ کرے وہ قابل سزا و تعزیر ہوگا۔"

یہ قرارداد غالباً عجلت میں مرتب اور پاس کی گئی ہے۔ اور اس کی ابتدا میں "مسلمان" کا لفظ رکھنے کی وجہ سے اس میں ابہام اور اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس جرم شنیع کا مرتکب ہوگا اور مرتکب ہونے کے بعد وہ مسلمان کہلانے کا مستحق رہ سکے گا۔ خود دستوری ترمیم ہی نے یہ طے کر دیا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا خواہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ اس دفعہ کے اطلاق میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ لہٰذا تعزیرات پاکستان میں اس مجوزہ ترمیم کو واضح اور متعین بنانے اور اس کے مقصد

تعریف کو آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا انگریزی مسلمان (MUSLIM) کی بجائے ایک
مدعی اسلام (A PERSON PREACHER TO BE A MUSLIM) سے کیا جائے
تاکہ کوئی غیر مسلم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد ختم نبوت کے مسئلہ عقیدہ و مفہوم کے خلاف کسی
قول و عمل کا اظہار نہ کر سکے۔

(۲) پارلیمنٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے کچھ مزید قانون سازی بھی بالکل ناگزیر ہے۔ مثال
کے طور پر انتخابی قوانین میں ایسی ترمیم کرنی چاہیے جس کے مطابق ووٹروں کے فارم میں نام درج
کرانے وقت مرزا احمدی اور ربوی مرزائی پر قانوناً یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم
کے خانے میں مرزائی یا احمدی لکھوائے اور ان دونوں گروہوں کا اپنے آپ کو مسلم لکھوانا جرم ہوگا
جس کی کم سے کم سزا حق رائے دہی سے محرومی ہوگی۔ جو رجسٹریشن ایکٹ کے تحت شناختی کارڈ بن
رہے ہیں ان میں بھی ترمیم ہونی چاہیے جس کی رو سے شناختی کارڈ میں بھی ایسی تصریح لازم اور
غلط بیانی موجب سزا ہوگی۔

(۳) اسی طرح سے ملازمین حکومت پر بھی یہ لازم ہونا چاہیے کہ اگر وہ قادیانیوں کے ان دونوں گروہوں
میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اس کی باقاعدہ اطلاع اپنے محکمے کے توسط سے حکومت کو
دے اور جو ایسا نہ کرے یا غلط اطلاع دے تو اسے ملازمت کے لیے نااہل قرار دیا جائے یا بصورت
میں بھی اسی قسم کا اندراج ہو، اس کی خلاف ورزی پر سزا کے لیے قانون لازم ہونی چاہیے۔ معلوم ہوا
ہے کہ حکومت کے بعض محکموں میں قادیانیوں کا فیصد تناسب زیادہ ہو رہا ہے لیکن ان میں بعض قادیانیوں
کا نام درج نہیں ہو سکا یا اندراج ہو جانے کے بعد اسے حذف کر دیا گیا ہے لیکن اس کے خلاف ان کے
خلاف کوئی باز پرس یا تادیبی کارروائی نہیں ہو رہی کیونکہ قانون اور قواعد و ضوابط میں ایسی گنجائش
موجود نہیں ہے۔

(۴) قادیانیوں نے جس طرح سول اور بالخصوص فوجی ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق پر غاصبانہ
اور ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اس کا تدارک اور تلافی بھی ضروری ہے۔ جس طرح صدارت اور وزارت عظمیٰ کی
کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط ہے اسی طرح بعض دوسرے کلیدی مناصب مثلاً چیف جسٹس
آف دی سٹیٹ، عدالت ہائے عالیہ کے چیف جسٹس، جنرل سپیکر، سفراء، صوبوں کے گورنر
وزرائے اعلیٰ اور پبلک سروس کمیشن کے صدر کے لیے بھی مسلمان ہونا قانوناً لازم قرار دیا جائے۔
اسی طرح بعض حکومتی و نیم حکومتی اداروں میں داخلے کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کوٹہ الگ الگ

مقرر کیا جاتا ہے وہاں بھی قادیانی امیدواروں کے لیے اپنے مذہب کا اعلان وحلف کرنے کی قید لازم اور خلاف ورزی کو موجب سزا ہونی چاہیے ۔

(۵) قادیانی یہ بات علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی کے فیصلے کے باوجود وہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے نام پر اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کہہ کر ملک کے اندر اور باہر ان کی تبلیغ و تلقین کر رہے ہیں، مرزا غلام احمد کو وہ اب تک نبی، مسیح موعود، مہدی معہود، اس کے ماننے والوں کو صحابہ کرام اور اس کے خلیفہ کو خلیفۃ المسیح کہہ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں، یہ مسئلہ بڑا سنگین اور حکومت اور عامۃ المسلمین کے لیے صدر درجہ توجہ طلب ہے، یہ دستور کی بھی خلاف ورزی ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے باعث دل آزاری و اشتعال انگیزی بھی ہے۔ جس گروہ کو قانوناً اور شرعاً دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا چکا ہو اُسے اسلامی اصطلاحات کے استعمال اور اسلام کا مدعی و مبلغ ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر یہ لوگ اسی طرح مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلتے رہے تو ان کے اور مسلمانوں کے مابین کبھی صلح و آشتی کی فضا قائم نہیں رہ سکے گی اور حکمران ان کی حرکتوں سے کتنا ہی اغماض کیوں نہ برتیں جب تک عام مسلمانوں میں ایمان و اسلام کی رمق بھی باقی ہے وہ ایسی سرگرمیوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کریں گے ۔

(۶) قادیانیوں کے بالمقابل مسلمانوں نے جس بے مثال اتفاق و اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا ہے اُسے دائماً قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، جزوی اختلافات اگر ہوں تو انہیں مناسب حدود کے اندر رکھنا چاہیے اور ان کے اظہار کا طریقہ علمی اور سنجیدہ ہونا چاہیے، اختلاف کو مخالفت کا رنگ دینے سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہر اختلاف کو حق و باطل اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں بنا لینا چاہیے ورنہ اس کا فائدہ قادیانیوں ہی کو پہنچے گا جیسا کہ پہلے پہنچتا رہا ہے ۔

(۷) قادیانیوں کی دستوری تکفیر کے بعد ایک ضروری کام کرنے کا یہ بھی ہے کہ قادیانیوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے اسلوب و انداز میں قادیانیت سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے، جن لوگوں کے ہاتھ میں قادیانیوں کی قیادت و سیادت ہے اور جن کے مفادات ان قائدین سے وابستہ ہیں ممکن ہے کہ وہ اسلام لانے میں تامل و تذبذب سے کام لیں اور پاکستان چھوڑ جانے کو ترجیح دیں لیکن عام قادیانی جو قصر خلافت کے قریب نہیں بلکہ مسلمانوں کی عام آبادی میں مقیم ہیں اُن کے سامنے اگر اسلام کی اصل تعلیمات کو صحیح طریق پر پیش کیا جائے اور قادیانیت کے حقیقی خدوخال بھی ان پر اچھی طرح واضح کیے جائیں تو وہ ان شاء اللہ دائرۂ اسلام میں داخل

عقائد کے قریب کرنے سے انہیں روکا جائے۔ ربوہ کو مرکز بنا کر جو انہوں نے سلطنت در سلطنت قائم
کر رکھی ہے اس صورتحال کو یکسر ختم کیا جائے۔ اور ربوہ کو بھی اسی طرح کا شہر سمجھا جائے جیسے پاکستان
کے دوسرے شہر ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سد قادیانیت
عمل ہو گیا ہے؟ اور ہمیں کامل مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجلس عمل میں شیعوں
کو شامل کرنا شدید غلطی تھی جس سے شدید دینی و سیاسی نقصانات پہنچے اور آئندہ بھی پہنچنے کا قوی
اندیشہ ہے۔ ان نقصانات پر نظر کرنے اور نفع و نقصان کا مقابلہ کرنے کے بعد خوشی کی مقدار اور
بھی کم ہو جاتی ہے۔

(۲) قادیانیت کے اثرات پوری دنیا میں پھیل تو نہیں سکے مگر تقریباً ساری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔
یہ اثرات دو قسم کے ہیں: ایک تو خود کامل قادیانیت۔ اس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے اگرچہ
قادیانی اس کی وسعت کا بہت پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا اثر ہے تشکیک اور دین و
اہل دین پر بے اعتقادی کا پیدا ہو جانا۔ خصوصاً عقیدۂ نزول مسیح اور عقیدۂ ختم نبوت میں کمزوری
اور ضعف پیدا ہو جانا۔ اس اثر کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہے حالانکہ اس فتنہ کا دائرہ بہت
وسیع ہے اور پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو جہاں یہ فتنہ نہ پہنچا ہو۔ اسے پھیلانے
میں تو سنی اور شیعہ دونوں شریک و سہیم ہیں بلکہ شیعوں کا حصہ قادیانیوں سے زیادہ ہے۔ دنیا کی
بڑی طاقتوں کی سرپرستی کی وجہ سے فتنۂ قادیانیت کے سیاسی اثرات بھی نمایاں طور پر پھیل چکے ہیں
خود ہمارا ملک اس کا ایک مرکز ہے، افریقہ کی نو زائیدہ حکومتوں میں بھی ان کا خاص اثر ہے۔

(۳) جب تک فتنہ موجود ہے اس وقت تک ذمہ داری کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ بلکہ پہلے سے زیادہ
ہوشیاری اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے کہیں عامۃ المسلمین اپنی ذمہ داری ختم سمجھ کر غافل نہ ہو جائیں
اور اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر قادیانی نئی نسل میں گمراہی نہ پھیلا دیں۔ قادیانی اقلیت کو تحفظ ضرور
حاصل ہونا چاہیئے۔ ان کی جان و آبرو اور ان کا مال بالکل محفوظ رہنا چاہیئے مگر اس کے معنی
یہ نہیں کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے کی آزادی یا اپنے جائز حقوق سے تجاوز کی اجازت دیدی جائے۔

(۴) جب تک یہ فتنہ دنیا میں موجود ہے اس وقت تک اس کا مقابلہ کرنا اور اس کے اثرات
کو مٹانے کی کوشش جاری رکھنا لازم ہے۔

(۵) طریق کار ظاہر ہے کہ خود انہیں دین حق کی دعوت دی جائے، مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ
کر کے اس کے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے ردّ قادیانیت والا کام

عقائد اہل سنت پر مناسب لٹریچر کے ساتھ مجالس وعظ وتذکیر کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ بہت اہم مؤثر اور ضروری چیز یہ ہے کہ علماء میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ان میں گھل مل کر قادیانیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ان کے ذہن نشین کر سکیں۔ یہی لوگ لٹریچر کے لیے بھی میدان پیدا کریں گے اور وعظ وتذکیر کے لیے بھی فضا تیار کریں گے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جس کی طرف عام طور پر جماعتیں اصلاً متوجہ نہیں ہیں۔ امر دیگر یہ کہ ہمارا لٹریچر داعیانہ ہونا چاہیے جس میں قوت استدلال کے ساتھ ساتھ دعوتی تقریبات سے بھی کام لیا جائے۔ والسلام (۱ رشوال ۱۳۹۴ھ)

## حضرت مولانا محمد اشرف صاحب
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور

الحمد للہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد!

محترمی ومکرمی زید مجدکم وجاہدکم فی سبیل اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

قادیانی مسئلہ کے موجودہ حل کے بارے میں چند استفسارات پر مشتمل نامۂ سامی باعث سعادت ہوا۔ میں تو اس کا اہل نہیں لیکن حضور انور فخر الانبیاء خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت اور ناموس رسالت کے بارے میں چند الفاظ نجات وسعادت کا ذریعہ بن سکیں تو زہے قسمت۔

(۱) ختم نبوت ایک مسلّمہ اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ توحید کے بعد اسلام کی بنیاد اسی عقیدہ کی بے شمار عقل ونقل اور صحیح تعبیر پر مبنی ہے۔ حضور انور ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات ومزایا کسی نہ کسی صورت میں "ختم نبوت" ہی کا ثمرہ ہیں۔ آپ کی رحمۃ للعالمین شان، "عمومی بعثت"، دائمی رسالت، آپ کی امت کی بعثت وخیر الامم ہونا، قرآنی احکام کے دوام وغیرہ سب "ختم نبوت" ہی کے نتائج ومظاہر ہیں۔ امت مسلمہ کا شیرازہ ختم نبوت کی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ "انتشار" کی تہ سے بچی ہیں اور باوجود اختلافات امت ختم نبوت ہی کی برکت سے زندہ، قائم اور متحد ہے۔ اس لیے ہر دور میں ہر زمانے میں امت کے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر نے اس عقیدہ کو اسلام کی روح وجان سمجھا اور ناموس ختم نبوت کے لیے اپنا سب کچھ نثار کرنے میں اپنی فوز وفلاح جانی۔ اور اگر کسی روسیاہ وبدبخت نے حریم نبوت میں قدم رکھنے کی جسارت کی تو اسے فوراً ختم کر کے رکھ دیا گیا اور امت نے کسی بھی دور میں ختم نبوت سے بغاوت اور اس جیسی سازش کو برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ ہم سب کے آقا ومولا سید دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے سے پیشتر ہی جب چند طالع آزماؤں نے مسیلمہ کذاب

(۵) ان کے لٹریچر کی جملہ کتابوں، رسائل اور عبارات کو ضبط کیا جائے اور ان کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے جن میں انبیاء علیہم السلام اور شعائر اسلام کی ہتک کی گئی ہے یا قرآن کے الفاظ و معنی میں تحریف یا ختم نبوت کی من مانی تشریح کی گئی ہو۔

(۶) نیشنل اسمبلی کی قادیانی مسئلہ پر کاروائی کو منضبط کر کے شائع کیا جائے خصوصاً اسمبلی کی قرارداد کا ضمیمہ "ملت اسلامیہ کا موقف" کتاب کو سرکاری طور پر عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کر کے منیر رپورٹ کی طرح تمام دنیا میں پھیلایا جائے اور سفارتخانوں میں ان کی نقول بھیجی جائیں تاکہ فیصلہ کی حقانیت عالم پر ظاہر ہو۔

(۷) قادیانیوں کا اندراج مردم شماری، شناختی کارڈ، پاسپورٹوں، ملازمت اور دیگر سرکاری کاغذات میں جہاں مذہب کا خانہ ہو غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ غلط بیانی سے کام لیں اور بعد از تحقیق اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قابل سزا جرم قرار دیا جائے جو پاسپورٹ کی دائمی ضبطی اور ملازمت سے اخراج وغیرہ کی صورت میں ہو۔

(۸) قادیانیوں کو مسلمانوں کی مسلکی شعائر اور دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے سے روک دیا جائے۔ ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے قادیانی معبد یا کسی اور نام سے پکارا جائے۔ اسی طرح ان کے ذبیحہ اور شادی بیاہ وغیرہ اور جملہ اسلامی احکام جو کفار کے بارے میں ہیں ان پر نافذ کیے جائیں۔ ذمیوں کی حیثیت سے اگر وہ اپنے کو غیر مسلم اور اقلیت کے طور پر رہنا چاہیں تو ان کے ان حقوق کی حفاظت کی جائے جو شریعت اسلامیہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے لیے طے کیے گئے ہیں اور اگر وہ اس حیثیت سے انکار کریں اور اپنے کو پہلے کی طرح مسلمان کہہ کر مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں تو ان کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۹) دنیا میں باطل عموماً ملک و مال کے سایہ میں یا زن، زر، زمین کے لالچ میں پھیلتا ہے یا علمی یا دجل و فریب سے سادہ لوح اشخاص کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیتا ہے۔ قادیانیت بھی جعلی مذہب کا مرقع، تحریف و تلبیس اور ابلہ فریبی اور دسیسہ کاری کا پلندہ ہے جو انگریزی استعمار کے سایہ میں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ ظاہر ہے کہ بہت سے دنیا پرست یا سادہ لوح تأویل یا محبت یا تحریف کے دھوکہ میں آ کر اس فتنہ کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری ہمدردی اور توجہ سے ان لوگوں کو دین خالص اور اصل اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر سے ان کو تمام انبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کیا جائے تاکہ وہ اپنی گذشتہ

عقائد ذیل سے تائب ہو کر تلافی مافات کریں گے۔ اندرون ملک کے علاوہ غیر ممالک خصوصاً افریقہ و یورپ اور امریکہ کے ممالک میں جو سادہ لوح لوگ قادیانیت کو اسلام کا نکھرا ہوا روپ سمجھتے ہیں انہیں صحیح اسلام سے روشناس کرانا اور اس فریب اور مغالطے سے انہیں بچانا ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں خود لٹریچر، حکومتی اور عام سطح پر تبلیغی امور کو بروئے کار لایا جائے۔ اس بارے میں ستمبر ۷۴ء سے قادیانی عنصر کی تبدیلی ایک خوش آئند عمل ہوگا۔

خیر یہ تو عام دور دراز کے گمراہ کردہ عام قادیانیوں کی بات ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ہٹ دھرم اور اپنے غلط عقائد پر رہتے ہوئے اپنے کو مسلمان سمجھنے اور کہلانے پر مصر ہے۔ اس نے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح موقع کی تاک میں ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے پاکستان خصوصاً اور مسلمان عموماً امن میں نہیں ہیں۔ غفلت کرنا ان سے وہی خطرات ہیں جو کسی زمانے میں حسن بن صباح اور باطنیوں سے مسلمانوں کو تھے۔ قومی اسمبلی اور مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ پر مرزا ناصر احمد اور اس کی امت مضطرب ہے۔ ۱۸ اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مرزا ناصر نے کہہ دیا ہے کہ قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر جنوری یا فروری سے پہلے کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔[1] نہ معلوم مرزا صاحب کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ تاہم مرزا صاحب اور ان کی امت کی ذہنیت مرزا احمد کے اس خطبہ جمعہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے جو آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے مسجد اقصیٰ ربوہ[2] میں دیا تھا۔ قادیانی ذہنیت کی عکاسی کے لئے اس پمفلٹ کے بعض اہم و چیدہ اقتباسات کو نقل کرتا ہوں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا ناصر احمد صاحب کہتے ہیں:

> وہ یعنی یہ کوئی ایسا بل پاس نہیں ہوا کہ اقلیت قرار دیا جاتا ہے بلکہ یہ ایک سفارش ہے جو آزاد کشمیر کی حکومت سے کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ان کی مذہبی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اور احمدی غیر مسلم اقلیت کی صورت میں نام رجسٹر کرائیں۔ چنانچہ میں نے آزاد کشمیر کے بعض ذمہ دار دوستوں کو بلایا۔ اس وقت صحیح صورتحال سامنے

---

[1] نوائے وقت روزنامہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۴ء [2] یہ خطبہ الفضل ۱۹ مئی ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ پھر نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے "آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ از حضرت امام جماعت احمدیہ" کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

نہیں آتی تھی۔ اگلے دن وہ میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا دیکھیں ایک بات میں آپ کو بنیادی ہدایت کے طور پر ابھی کہہ دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد قانون کی صورت میں منظور بھی ہو جائے کہ قانون یہ کہتا ہے کہ ہر وہ احمدی جو خود کو غیر مسلم کہتا ہے وہ اپنا نام رجسٹر کروائے۔ تو آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور غلط ہے کہ یہ غیر کی نگاہ میں بھی مسلمان ہے اس لیے یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ غیر مسلم کی حیثیت میں نام کیسے رجسٹرڈ کروائے گا؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو گویا وہ جھوٹ بول رہا ہوگا اور اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔" (پمفلٹ مذکورہ صفحہ ۳)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی ذہنیت باوجود اپنے صریح کفر اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلائے جانے پر باوجود قانون کے مُصر رہے گا۔

(۲) آگے چل کر دھمکی کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے۔

"پس اگر قومی اسمبلی نے اس قسم کی قرارداد پاس کر دی تو خدا کی قائم کردہ جماعت پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ یہ نہیں کہ جماعت احمدیہ غیر مسلم بن جائے گی۔ جس جماعت کو اللہ تعالیٰ مسلمان کہے اسے کوئی نا سمجھ انسان غیر مسلم قرار دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لیے اس کا فکر نہیں۔ ہمیں فکر ہے تو اس بات کا کہ اگر یہ خرابی خدانخواستہ انتہا تک پہنچ گئی تو اس قسم کے فتنہ و فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے ہماری دعائیں بھی اسی لیے ہیں اور ہمارے اندر حب الوطنی کا یہ جذبہ موجزن ہے کہ کسی قسم کا کوئی بھی فتنہ خدانخواستہ ایسا نہ اٹھے جس سے خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ تو فتنہ و فساد یہی ہے کہ کچھ سر پھٹیں گے، کچھ زخمی ہوں گے، کچھ مرنے ہوں گے اور کیا ہوگا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" (صفحہ ۴)

مندرجہ بالا عبارت میں خصوصاً خط کشیدہ عبارات کے بین السطور میں جس قسم کی دھمکیاں عیاں ہیں وہ ہر محب پاکستان کے لیے لمحہ فکریہ اور قادیانی سازشی ذہن کی عکاس ہیں جس سے ہر وقت چوکنا رہنا ضروری ہے۔ بلکہ آگے چل کر اس سے بھی واضح الفاظ میں تعلیل اور تعاون کی دعوت ہے ۔۔۔۔ چنانچہ مرزا صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:

(۳) "دیکھیں جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے تم گھر سے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے ہو

تو تمام شرائع اسلام وہیں نفاذ و اجراء پورے ملک بلکہ تمام دنیا میں نہیں کرایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں اور عام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اتحاد و تنظیم و ضبط، یقین و جوش سے اپنی ذمہ داریاں کو پورا کر سکیں اور حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے فیض سے پورے عالم کو بقعہ نور بنا سکیں۔ آمین

**مولانا مفتی عبدالکریم صاحب**
**مہتمم [illegible] کراچی**

مکرم و محترم وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب ویرضاہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوالنامہ اور یاددہانی موصول ہوئی، موجب ممنونیت ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں اسلام کے بعد کسی چیز سے بھی شاید اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی جتنی [illegible] کے ایمانی، روحانی اور تاریخی فیصلے کے اس اعلان سے ہوئی۔ فرحت بخشی یہ بھی کہ اسلام فرحت بخش فیصلہ کا اعلان تھا اس لیے کہ :

(الف) اس میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی اور ارتداد و مرزائیت کی ذلیل ترین شکست تھی۔

(ب) اس لیے کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی ایمانی اور اسلامی مطالبہ میں ایسی صریح اور واضح کامیابی کی مثال موجود نہیں تھی۔

(ج) ماحول کو دیکھتے ہوئے اور خود اپنی اور قوم کے ظاہر و باطن معاصی، مظالم اور آثام کی نا انصافیوں میں بھی اپنے گناہ بھرے کانوں کو اور اپنی معاصی آلود آنکھوں کو اس قابل سمجھا کہ وہ عزت دین کی ایسی سامع نواز خبر سن سکیں گے یا عروج اسلام کا ایسا پر لطف منظر دیکھ سکیں گے۔ سبحان الحی الکریم۔

(د) اور خاص طور پر اس لیے کہ اگر فیصلہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس کے برعکس ہوتا تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دین سے ناواقف لکھے پڑھے پاکستانیوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا، وہ قادیانیوں اور لاہوریوں کے کفر و ارتداد میں متردد ہوتے اور دنیوی مفاد حاصل کرنے یا دنیوی نقصانات سے بچنے کی خاطر حکومت کی ہاں میں ہاں ملا دیتے اور دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے اجماع کے خلاف مرزائیوں کو مسلمان کہنے کی جرأت و جسارت کر بیٹھتے اور اپنا ایمان کھو بیٹھتے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس فیصلہ سے سب کے ایمان بچ گئے۔

اللہ والوں کے روحانی تصرفات، مجاہدات اور بارگاہ ایزدی میں علماء کی شب و روز گریہ و زاری اور مخلص مسلمانوں کی پرسوز آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے الحمد للہ کہ عام رجحان [illegible]

پلٹ گئی اور یکدم پلٹ گئی اور غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی مدتوں کی آرزو پوری ہو گئی ؎

شکر اللہ کہ آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور ؎

الٰہی چوں عزیزم کردی امروز — مکن فردا بہ پیش خلق خوارم

دوسرا سوال: آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہو گئی ہے یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب اور احتساب جاری رکھنا ہوگا؟

جواباً عرض ہے کہ یہ فیصلہ تو قبولِ اسلام کا اعلان ہے۔ اس پہ اگر استقامت نہ ہوئی اور ان کے تقاضوں کو پورا نہ کیا گیا بلکہ اس میں تاخیر ہوئی تو اس کا حشر بھی وہی ہو گا جو پاکستان بنا دینے کے بعد نظریۂ پاکستان سے تغافل کا ہوا کہ خود پاکستان کو دو ٹکڑے ہونا پڑا۔ بہرحال اس غلطی کا اعادہ کیا گیا تو یہ فیصلہ بھی مسلمانوں کے حق میں مفید ہونے کی بجائے منافقانہ ارتداد کے لیے زیر زمین راہ ہموار کرنے کا باعث بنے گا۔ لاقدرہا اللہ۔

اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں:

تجویز ۱۔ فیصلے کے تقاضوں کو پورا کر دیا جائے | میری مراد اس فیصلے کے تقاضوں سے یہ ہے کہ اب فوری طور سے حکومتی سطح پر:

(۱) ان غیر مسلموں کو کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے۔

(۲) ان کے اوقاف حکومت کے قبضے میں لے لیے جائیں۔

(۳) ان کے اسلامی نام انجمن حمایت اسلام وغیرہ قانوناً ممنوع قرار دیے جائیں۔ ایک غیر مسلم کا اسلام کی حمایت کے نام سے کام کرنا پرلے درجہ کا دجل نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) اسلامی شعائر از قسم اذان، مسجد وغیرہ کا استعمال یہ غیر مسلم ہرگز نہ کر سکیں۔

(۵) اور ان کی نیم فوجی تنظیمیں بلا کسی تاخیر کے قانوناً ممنوع قرار دی جائیں۔

ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کا وہی اتحاد برقرار رہنا ازحد ضروری ہے جو ہم نے تا دم تحریر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کی تقطیع کا کام شروع ہو چکا ہے۔ شیعہ نصاب الگ کرنے کے لیے شیعہ ایجی ٹیشن کی دھمکیاں اس کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ معلوم زیر زمین کیا کیا ہو رہا ہو گا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد دیوبندی بریلوی اتحاد کو کس طرح پارہ پارہ کر کے قوم کو لڑایا گیا۔

## حضرت مولانا امین احسن اصلاحی
ایڈیٹر ماہنامہ "میثاق" لاہور

مکرمی زاد لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
افسوس ہے کہ آپ کا مراسلہ گرامی مجھے بڑی تاخیر سے موصول ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اب لاہور سے نقل مکان کر کے شیخوپورہ کے ایک دیہات میں آگیا ہوں اور آپ نے گرامی نامہ لاہور کے پتہ پر ارسال فرمایا۔ کل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ملنے آئے تو وہ مراسلات ساتھ لیتے آئے۔

قادیانی مسئلہ سے متعلق میری رائے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رسالہ میثاق میں شائع کر دی ہے۔ میرے نزدیک قادیانی اقلیت کے حقوق کے سزاوار تو نہیں تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں اس وجہ سے بالفعل مسئلہ کا ممکن حل یہی تھا۔ یہ نرم سے نرم سلوک ہے جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر قادیانیوں نے اس کی قدر کی تو وہ اپنے لیے اس ملک میں امن کی زندگی کی گنجائش پیدا کر لیں گے اور اگر اس رعایت سے انہوں نے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہو سکتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قادیانی اس رعایت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اور مجھے اندیشہ اس امر کا بھی موجود ہے کہ لادینی عناصر ان کی تائید کریں گے۔ ہمارے حکمران ان کی سرپرستی کریں۔ ان خطروں کے سد باب کی واحد شکل یہی ہے کہ مسلمان رائے بیدار رہیں۔ اگر مسلمانوں نے اس معاملے میں غفلت اور سستی کی تو اب قادیانیوں کو جو تحفظ حاصل ہو گیا ہے اس کی آڑ میں وہ ہمارے مذہب اور ملک دونوں کو پہلے کی نسبت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

۱۰ نومبر ۱۹۷۴ء

## مولانا محمد طاسین صاحب
ناظم مجلس علمی کراچی

برادر عزیز و صدیق مکرم زادکم اللہ لطفا و عنایۃ۔
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
شکر الٰہی کے جذبہ سے معمور دل سے اس نمایاں اور عظیم الشان کامیابی پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں جو قادیانی مسئلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے علمائے حق کو عطا فرمائی ہے۔ آپ اس تبریک و تہنیت کے اس وجہ سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ نے اس میدان میں ہر طریقہ سے غیر معمولی جدوجہد فرمائی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس مبارک کام کے دوبارہ کا آغاز آپ کی ان جرأتمندانہ تحریروں سے ہوا ہے جو کچھ عرصہ پہلے ماہنامہ الحق میں منظر عام پر آئیں جبکہ ہر طرف عام طور پر سکوت تھا۔ بارک اللہ لکم وفیکم وشکر مساعیکم۔

اور لائحہ عمل بنائیں اور اس کے سوا باقی مرتدین کو ٹھکرا دیں۔

سوال ۱۲: اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا آئینی ذرائع اور کیا علمی و عملی طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ اس کا جواب کافی تفصیل طلب ہے اور خاصا مشکل بھی، لہٰذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی سوجھ بوجھ رکھنے والے کچھ حضرات ایک جگہ جمع ہوں اور تمام پہلوؤں پر سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد باہمی مشورے سے یہ طے کریں کہ آج جن داخلی و خارجی اور اندرونی و بیرونی حالات سے ہم دوچار ہیں ان میں مذکورہ مقصد کے لیے کیا طریق کار زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہو سکتا ہے جس کو آج عملاً اختیار کیا جائے۔

بہرحال اس کے لیے جو بھی طریق کار طے کیا جائے اس میں اس رد عمل کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جو اس کے نتیجے میں ظاہر ہو سکتا ہے اندرون پاکستان بھی اور بیرون پاکستان بھی، تاکہ نقصان کم سے کم اور فائدہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔ اندھی جذباتیت اور انتہا پسندی سے بچنا بہرحال مفید رہے گا۔ جہاں تک ہو سکے عقل و شعور اور اعتدال پسندی سے کام لیا جائے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ۔

## حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی
### صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ

انگریزوں کے زمانے میں قادیانیت مسئلہ کا حل نہایت مشکل تھا کیونکہ انگریزوں نے خود اس جماعت کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا تھا، گزشتہ زمانہ میں بھی وہ ان کی سرپرستی کر رہے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ تو انگریزی حکومت سے قادیانیوں کے خلاف اقلیت اور کفر کا فیصلہ ان کے مقاصد کے خلاف تھا، اگرچہ جزوی طور پر بعض عدالتوں میں ان کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا تھا اور ان کے بارہ میں فسخ نکاح کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

پھر جبکہ انگریز ملک چھوڑنے لگا اور پاکستان کا نظریہ ظہور میں آیا تو چونکہ یہ نظریہ دو قومیت پر مبنی تھا اور تجزیہ ہندوستان کی تقسیم کا دار و مدار بھی اکثریت اور اقلیت قرار دیا گیا تو کچھ لوگوں نے جن میں مسلم لیگ پیش پیش تھے قادیانیوں کو شاید ملکی مفاد کی خاطر غیر مسلم ہندو سکھ وغیرہ کے مقابل شمار نہ کیا، باوجود اس کے کہ سر ظفر اللہ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ احمدی جماعت ان لوگوں کو کافر سمجھتی ہے جو مرزا کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ متعارف مسلمان نہیں ہیں اور خود مرزائیوں نے ایک تیسری قوم کی حیثیت سے الگ ریاست حاصل کرنے کی سعی کی اگرچہ

ان کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ بھی صادر ہو چکا ہے تو ہر مسلمان کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا کہ ان کا جذبۂ انتقام اور مسلمانوں کی عداوت کا جذبہ پہلے سے تیز تر ہو گیا ہوگا، حالات حاضرہ اس کے شاہد ہیں پھر بہت سے نام کے مسلمان ان کے ہمدرد بھی ہیں جو کہ ان کی سرگرمیوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصاً فرض ہے کہ قوم و ملک اور دین کی حفاظت کے لیے پہلے سے زیادہ بیدار ہو جائیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں اور آیۂ واعدوا لہم ما استطعتم پر عمل کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبات پر جلد از جلد عمل کرے اور قوم و ملک کو فتنہ سے بچانے کے لیے اپنا فرض ادا کرے۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ۔

## حضرت مولانا محمد فرید صاحب
مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ

(۱) قومی اسمبلی کے قادیانی فیصلے سے ان کا غیر مسلم ہونا تمام عوام اور تعلیم یافتہ طبقہ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور مجبوراً وہ اپنے ارادوں میں ترمیم کریں گے، اس فیصلہ سے ان کی تبلیغ و اشاعت اور عوام کو پھسلانے کے ہتھکنڈے کافی حد تک بیکار اور ختم ہو جائیں گے۔

(۲) یہ مسئلہ اگرچہ کاغذی طور پر تو حل ہو گیا ہے لیکن عملی طور پر ابھی تک حل طلب ہے کیونکہ قادیانیوں نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حکومت سے اس فیصلے کو عملاً نافذ کرائیں ورنہ دنیا اور آخرت میں انتقام کے خطرات درپیش ہیں۔

(۳) قادیانیوں کے اثرات ختم کرنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس فیصلہ کی ہر زبان اور ہر حکومت میں اشاعت کی جائے، اور ہر مسلمان حکومت ان کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دے اور اسلامی ممالک کے مشترکہ وفود غیر مسلم حکومتوں کو خبردار کریں اور انہیں مسلمانوں سے جدا حقوق دینے کا مطالبہ کریں۔

## حضرت مولانا عبید اللہ انور
ہفت روزہ خدام الدین لاہور

مکرمی و محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ وصول ہوا لیکن افسوس کہ بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے آپ کی خواہش کے مطابق فوری جواب نہ دے سکا۔ امید ہے معذرت قبول فرمائیں گے۔

آپ کے سوالات کے جوابات کافی تفصیل طلب ہیں تاہم آپ کے اصرار اور تقاضے کے پیش نظر

فوری طور پر مختصر جوابات تحریر کر رہا ہوں۔

آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات وجذبات اور تاثرات کیا ہیں؟

(۱) ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کی نیشنل اسمبلی کے اس فیصلہ پر مجھے اسی طرح خوشی اور مسرت ہوئی ہے جس طرح تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو ہوئی ہے۔ لیکن میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تو صحابہ کے کام کی ابتداء ہوئی ہے اور عالم اسلام کے مسلمانوں کو عموماً اور پاکستان کے مسلمانوں کو خصوصاً اب بھی اسی اتحاد و یکجہتی کی ضرورت ہے جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے تحریک ختم نبوت کے دوران کیا ہے۔

میری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ ہمیں جو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ملت اسلامیہ کے اتحاد، اجتماعی فکر، بے لوث اور پُرخلوص جدوجہد، مسلسل پائیدار لگن اور مشترکہ پلیٹ فارم کی رہین منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر انداز کر دیا تو ہمارا انتہائی خطرناک اور عیار دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے عظیم اسلاف کی عظیم قربانیوں، ہماری بے پایاں کوششوں اور مجاہدین ختم نبوت کے خون شہادت کو بے نتیجہ بنانے کی کوشش کرے گا۔

(۲) میرا خیال ہے کہ قادیانی فتنہ کے دینی یا سیاسی اثرات عالمگیر نہیں لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری غفلت شعاری کی بدولت قادیانیوں نے بعض ملکوں میں کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کے تاریخ ساز فیصلہ کے بعد اندرون ملک اور بیرون ملک ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے مگر ابھی ضرب صدیقی کی شدید ضرورت ہے تاکہ ان کی بچی کھچی قوت کو بھی توڑا جا سکے۔

(۳) مسلمانوں کی ذمہ داری کسی فتنہ کی عارضی اور وقتی بیخ کنی تک محدود نہیں جب تک فتنہ مکمل طور پر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک ملی وایثار، کوشش وسعی اور اتحاد فکر و عمل کی انتہائی ضرورت ہے۔ ذمہ داری اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک فتنہ کا کچھ بھی نشان باقی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کے بعد بھی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، کیونکہ مسلمان اسلام کا محافظ ہے اور محافظ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے خواہ امن ہو یا جنگ۔ دشمن اور ڈاکو کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس وقت حملہ کر دے؟ اس لیے ذمہ داری کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) آپ کے چوتھے سوال کا جواب بھی مذکورہ جوابات کے ضمن میں آ گیا ہے۔
(۵) اب رہا یہ سوال کہ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ تو گزارش یہ ہے کہ:
نیشنل اسمبلی کے فیصلے کے بعد ذمہ داریاں عوامی سطح سے بڑھ کر حکومتی سطح تک پھیل جاتی
ہیں۔ عوام کا کام یہ ہے کہ وہ پُرامن رہتے ہوئے اس تحریک کو نتیجہ آخری اور منطقی نتائج تک
پہنچانے کے لیے ہر قسم کی مالی، جانی اور زبانی قربانیوں کو جاری رکھیں۔ علماء و خطباء اور سیاسی
زعماء مستعد رہنے کی بجائے کامیابی کے آخری مراحل تک پیش قدمی جاری رکھیں اور حصولِ مقصد
کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو دور کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں
اور ان ممالک میں جہاں قادیانی زہر سرایت کر چکا ہے وہاں تبلیغی مشن بھیجے جائیں جو وہاں کے
لوگوں کو قادیانی فتنے کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور عالمِ اسلام کے متعلق خطرناک عزائم سے
آگاہ کریں۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ سفارتی سطح پر تمام دوست ممالک کو اس خطرناک تحریک کے نتائج و
عواقب اور مضمرات سے باخبر کرے اور تمام اسلامی ممالک سے سفارش کرے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے
ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور ان کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں۔ اندرونِ ملک حکومت کی
سب سے اہم اور پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قادیانیوں کی کافرانہ تبلیغ کا
سدِباب کرے، ان کو شعائرِ اسلامی اور اصطلاحاتِ اسلامی کے استعمال سے روک دے اور
ان کے زہریلے اور مہلک لٹریچر کو ضبط کر کے علماء کا ایک بورڈ بنائے جو قادیانیوں کے لٹریچر
کے فاسد اثرات کو ختم کرنے کے لیے عوام کے لیے اسلامی تعلیمات کا حامل لٹریچر تیار کرے اور
اس لٹریچر کو شائع کر کے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بھیجا جائے۔ اس کے علاوہ دستور میں
جہاں یہ درج ہے کہ "ایک مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے مفہوم جس میں
آئین کی دفعہ ۲۶۰ شق ۳ کے مطابق عقیدے کا اعلان کرے یا اس کے خلاف تبلیغ کرے وہ
قابلِ سزا و تعزیر ہوگا" وہاں اس میں لفظ "ایک مسلمان" کی جگہ "جو شخص" کا لفظ درج کیا جائے،
کیونکہ ایک مسلمان کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ایسے عقیدے اور ایسے عقیدے
کا اعلان یا پرچار کرے گا۔ "جو شخص" کا لفظ چونکہ عام ہے اس لیے اس کی موجودگی
میں اگر کوئی مدعی اسلام یا کوئی بھی شخص ایسا کرے گا تو وہ مستوجب سزا و تعزیر
ہوگا۔

**حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب**
**ناظم ادارۂ دعوت و ارشاد چنیوٹ**

کافی دنوں سے گرامی نامہ موصول ہے لیکن گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے جلد تعمیل حکم نہ کر سکا جس کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

(۱) اس سوال کا تفصیلی جواب تو بڑا طویل ہے۔ مختصراً میرے احساسات اور جذبات یہ ہیں کہ اس وقت راقم اپنی عمر کی اکتالیس منزلیں طے کر چکا ہے۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی خوشیاں نصیب فرمائی ہیں۔ عیدیں بھی آئیں، شادی بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بچے بھی دیئے، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بار ہا مشرف فرمایا، قادیانیوں سے بار ہا مناظرے ہوئے ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامیابی نصیب فرمائی۔ مرزا بشیر الدین محمود کو جو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامرانی اور سرخروئی نصیب فرمائی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی بھر کی تمام خوشیاں بھی اگر جمع کر دی جائیں تو وہ اس خوشی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو خوشی ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کے متعلق قومی اسمبلی کے فیصلہ سے حاصل ہوئی ہے۔ راقم خوشی کے ان احساسات کو اپنے الفاظ کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قادیانیوں کے متعلق یہ تاریخی فیصلہ اس صدی کا اہم فیصلہ اور عظیم کارنامہ شمار ہوگا۔

(۲) یہ بالکل بجا ہے کہ "قادیانی فتنہ" کے دینی اور سیاسی اثرات ملک اور بیرون ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں لیکن اب یہ اثرات اللہ کے فضل سے کم ہونے شروع ہو چکے ہیں۔ اب تو ان پر پے در پے ضربات لگ رہی ہیں۔ پہلی ضرب تو آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد سے لگی، دوسری سخت ضرب انہیں نیم بسمل کر دیا وہ ان کے خلاف رابطہ عالم اسلامی کی قراردادیں ہیں۔ اب جو کسر باقی رہ گئی وہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے "تاریخی فیصلہ" نے نکال دی ہے۔

بیرونی دنیا کو جو وہ اسلام اور پاکستان کے نام سے دھوکہ دے رہے تھے بحمد اللہ اب اس کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔

(۳) جب تک اس خطرناک اور مہلک فتنہ کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہو جاتا مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی لیکن اب آئین میں ترمیم ہو جانے کے بعد بہ نسبت عوام کے حکومت کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ وہ آئین کے تقاضے پورے کر کے آئین کے احترام کو باقی رکھے۔ قوم نے تحریک کے دوران قادیانیوں سے بائیکاٹ اور آپس میں اتحاد کا جو بے نظیر مظاہرہ کیا ہے مجلس عمل کی سرپرستی میں

ن دو کامیاب "ہتھیاروں" کا استعمال اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک آئینی ترمیم کے تقاضے مکمل طور پر پورے نہیں ہو جاتے۔

بیرونی ممالک میں ان کے تعاقب اور احتساب کے لیے ضروری ہے کہ مجلس عمل کی طرف سے ایک موثر وفد اس فیصلے کے پس منظر اور تفصیلات کی وضاحت کرنے کے لیے فوری طور پر دورہ کرے کیونکہ سر ظفراللہ اور دیگر سربرآوردہ قادیانی بیرون ملک انتہائی خطرناک اور زہریلے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ اس کا تدارک از حد ضروری ہے۔

## مولانا ظفر احمد انصاری صاحب ایم این اے کراچی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ایک گرامی نامہ پہلے ملا تھا، دوسرا پرسوں ملا۔ جواب میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

جہاں تک قادیانی مسئلے کے حل سے متعلق میرے "تاثرات اور احتیاطی تدابیر و اقدامات" کے بارے میں تجاویز کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جن اکابر نے ارباب اقتدار سے گفت و شنید اور مذاکرات کے نتیجے میں یہ فارمولا تیار کیا وہی اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ اس کے مالہ وما علیہ پر روشنی ڈالیں اور آئندہ کے لیے تدابیر و اقدامات بھی تجویز فرمائیں۔ فارمولے میں درج شدہ دفعات جس حد تک عملاً موثر ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ واضح ہو جائے گا۔ میرا اس مرحلے پر کچھ عرض کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے بلکہ سکوت ہی انسب نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا صاحب اکوڑہ خٹک میں تشریف رکھتے ہوں تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ (۳ر نومبر ۱۹۷۴ء)

## شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری لاہور

کرم فرما مولانا سمیع الحق صاحب! سلام مسنون قبول کریں۔ الحق کا شمارہ ستمبر ملا، مطالعہ میں آیا ہے، آپ کا مکتوب بھی ملا، جو کہ جواب طلب ہے اس لیے تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کے مکتوب میں چند اہم سوالات ہیں جن کا تعلق قادیانی مسئلہ کے اس حل کے بارے میں ہے جو ۷ ستمبر کی شام "اسلامی پاکستان" کی قانون ساز اسمبلی میں سے منتخب علماء کی سفارش پر متفقہ قرارداد کی صورت میں منظور کیا گیا اور اس کا اعلان موجودہ عوامی حکومت کے محترم وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا۔

مولانا! اگر آپ کے نزدیک بھی یہ قادیانی مسئلہ کا ایسا حل ہے جس پر خوشیاں منانے اور

مطمئن ہو کر نہیں جی ہاں کہوں اور اس فتنہ باطنیہ کو دفن ہو چکنے والا سمجھ کر آپ سب کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا کرنے سے قطعاً معذور ہوں۔ میں ڈرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ چاہے مسیح الحق ہی کیوں نہ ہوں وہ حق کی آواز کو قرار دیں گے جو خود ان کے فیصلے کی تائید میں ان کے گوشش میں آئے۔ میں اس وجہ سے شاید تا کوئی بعض آپ کے سوالات کے جواب میں چپ رہنا اختیار کر لیتا لیکن چونکہ مجھے احترام ہی نہیں بلکہ عقیدت آپ سے اور مولانا عبدالحق صاحب سے ہے اس کی وجہ سے جواب نہ دینا بھی خلاف آداب تعلقات ہے۔ اس لیے یہ سطور بہ عجلت لکھ رہا ہوں۔

(۱) آپ کے اداریہ کا اولین کلمہ قومی اسمبلی کے فیصلے کو تاریخی اسلامی فیصلہ بتاتا ہے۔ اس کو آپ نے عظیم اور مبارک فیصلہ قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ قادیانی مسئلے کا وہ حل نہیں ہے جو حل قرآن کریم و حکیم نے پہلے ہی سے کر رکھا ہے۔ البتہ یہ ایک فیصلہ ہے جو اسلام کی قرآنی عدالت نے نہیں انگریز کی مسلط کردہ جمہوری عدالت نے دیا۔

یہ جمہوری عدالت قابل تحسین ہے اس لیے کہ جو کچھ آپ علماء صاحبان نے طلب کیا وہی آپ کو مل گیا۔ اس لیے کہ جس طرح قادیانی فتنے کے خلاف آپ نے کروڑوں عامۃ المسلمین کہلانے والے باہم لوگوں کو ملی آواز کے لیے اتحاد کی دعوت دی تھی اسی طرح حکومت پاکستان نے اس فیصلے پر آپ نے خوشی کو جشن منانے کی صورت بھی پیدا کر دی۔ یہ جشن حل مسئلہ کا جشن نہیں بلکہ علماء کے اس مطالبے کا جشن ہے جو انتہائی طور پر محدود بھی تھا اور غیر مآل اندیشانہ بھی۔ اور ایسا ہے کہ اب فتنہ قادیان پاکستان ہی نہیں پوری دنیا سے اسلام کو تباہ و برباد کرانے کے لیے پہلے سے بڑا مضبوط ہو کر جو بجا ہے گا کرے گا۔

سرزمین پاکستان کے سینے میں خنجر گاڑے ہوئے اطمینان سے رہتے ہوئے نبوت کے اصل مراول دونوں گروہ لاہوری ہوں یا ربوائی کیا اپنے مقاصد ملعونہ سے باز آ جائیں گے؟

آپ کے پاس اب کونسا حربہ ہے جو ان کے حربوں کو زائل کرنے کیلئے آپ استعمال کریں گے؟

آپ مطمئن ہو گئے ملت کو آپ نے مطمئن بنا دیا۔ آپ کی نیت درست ہے بجا ہے لیکن ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

لہٰذا سوالات کے جوابات فی الحال بے فائدہ ہیں۔ ہاں میں نے یہ سطور انتہائی ادب سے

ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اور مسلم معاشرے میں نبی کاذب کی جھوٹی نبوت کی دعوت نہیں دی جاسکتی
یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں اور زرتشتیوں کے کفر اور کاذب نبی کی نبوت کا موقف ایک جیسا نہیں
ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی تبلیغ مسلمانوں میں قانوناً ممنوع ہونی چاہئے۔ جس طرح مسیلمہ کذاب کے
نام کے ساتھ حضرت اور علیہ السلام کے القاب گوارا نہیں کئے جا سکتے اسی طرح مرزا غلام احمد
قادیانی کے نام کے ساتھ تکریم و تعظیم اور احترام کے القاب برداشت نہیں کیے جا سکتے۔ ابوجہل
اور ابولہب کافر تھے منکر نبوت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی نبوت کے حریف اور مدمقابل نہیں تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مدعی نبوت ہے
اس لیے اس کا موقف حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حریف کا موقف ہے۔

(استغفر اللہ) (۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ)

## مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب
ادارۂ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد

مولانا محترم و مکرم وفقکم اللہ لما یحب و یرضاہ
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ رمضان ۱۳۹۴ھ مورخہ ۲۹ اکتوبر
۱۹۷۴ء وصول ہوا۔ آپ نے اس گرامی نامہ میں جو سوالات لکھے ہیں ان کے سلسلہ میں حسب ذیل طور پر عرض ہیں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کو جس طرح اسمبلی نے حل کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام
حضرات کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کے لیے سعی فرمائی ہے۔ علمائے کرام اور دیندار مسلمان تو
ابتدائے فتنۂ قادیانیت ہی سے ان لوگوں کو دین و دنیا دونوں کے لیے عظیم خطرہ قرار دے کر
ان کو خارج از دائرہ اسلام کہتے چلے آ رہے تھے۔ مقام شکر ہے کہ دیگر ارکان اسمبلی کو بھی اللہ تعالیٰ
نے حق کی طرف رہنمائی فرمائی۔ میں نے اسمبلی کا فیصلہ سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

(۲) قادیانیوں نے دشمنان اسلام کی حمایت اور اعانت سے ساری دنیا تو نہیں مگر بہت سے
ملکوں میں اپنے اثرات کا زہر پھیلا دیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اس زہر کا تریاق لے کر
مختلف ملکوں میں پھیل جائیں اور ان کے دینی اور سیاسی زہر کا مقابلہ کریں۔ میرے خیال میں
کرنے کا یہ ایک ضروری کام ہے۔ افریقہ کے دو ملکوں کو اس تریاق کی شدید ضرورت ہے۔ ایک
نائجیریا اور دوسرا مشرقی افریقہ۔ اسی طرح جنوب مشرقی ایشیا کے دو ممالک ملیشیا کی طرف تو
فوری توجہ کی شدید ضرورت ہے۔

(۳) اقلیتوں کی حفاظت اور ان کے جائز حقوق کی ضمانت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم ان

لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں جو نہ تو وطن کے وفادار ہیں اور نہ دینِ حق کے۔ مسلمانوں سے زیادہ اقلیتوں کے حق میں نرم اور وسیع المشرب دنیا کی کوئی دوسری قوم نہیں ہے لیکن کسی اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ فتنہ و اختلاف پیدا کرے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کے خلاف دشمنانِ دین سے مل کر سازشیں کرتی رہے۔ اور نہ اسکی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ ملک کے کسی حصہ میں اپنی الگ آبادی بسا کر متوازی حکومت قائم کرے یا بعض دین سے ناواقف افسران کی ملی بھگت سے نظمِ حکومت و معیشت کو متاثر کرتی رہے۔

ہمارا یہ مؤدبانہ مشورہ بھی ہے کہ ہم ان تمام بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کریں اور اس طرح سے اصلاح کریں کہ قادیانیوں کو مسلمان بن کر ریشہ دوانیوں سے باز رکھنے کی ہر مناسب تدبیر اختیار کریں۔ ان کے شناختی کارڈوں پر ان کا دین واضح طور پر لکھ دیا جائے اور ان کے پاسپورٹوں پر بھی ان کا دین ظاہر کر دیا جائے تاکہ تلبیس و التباس کا سدِّ باب ہو جائے۔

(۳) مسلمانوں کو کسی وقت بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیئے۔ پاکستان میں قادیانیوں کے اندر سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تبلیغِ دین کا وسیع انتظام کیا جائے۔ انشاء اللہ اس سے بہت سے قادیانی مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان بیچاروں کو حقیقتِ حال کی خبر ہی نہیں ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی کسی بزرگ کی مریدی کے دیگر سلسلوں کی طرح یہ بھی ایک سلسلہ ہے۔ اور جب وہ یہ جان لیں گے کہ یہ اسلام نہیں بلکہ ایک بالکل علیحدہ دین و مذہب ہے تو امید ہے کہ بہت سے قادیانی تائب ہو کر ایمان لے آئیں گے۔ اور اس سے بہتر کیا ہوگا کہ کوئی بھٹکا ہوا انسان دینِ حق پر آ جائے۔ اور یہی عمل دوسرے ممالک میں بھی جاری کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

(۳۰ ۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

## جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس (فرانس)

محترمی زاد مجدکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

یہاں دو ماہ سے ڈاک کی مکمل ہڑتال رہی اس لیے آپ کا ۱۰ نومبر کا خط اب جنوری میں آیا ہے۔ شکرگزار ہوں۔ مجھے قادیانیت سے کبھی اتنی دلچسپی نہ ہوئی کہ اس کے متعلق کوئی مضمون یا کتاب ہی پڑھوں۔

چونکہ دیندار لوگوں نے اس کے خلاف تحریک دین سے کام لیا ہے اس لیے اچھا ہی ہوگا۔ خدا انہیں اجرِ عظیم دے۔

مگر عالم اسلام میں دوسرے مسائل بھی ہیں جو اس سے کم اہم نہیں بلکہ شاید اہم تر ہی ہیں۔
ہتھیار کی جنگ سے فطرا ور فرسودہ ہتھیار خرید لے پر ہم کب تک قانع رہیں گے؟ اشتراکیت
اور الحاد کے مقابلہ سے کب تک سوتے رہیں گے!
میں یہاں اپنی حقیر صلاحیت کے مطابق دوسری قسم کے علمی کاموں میں مصروف بلکہ غرق ہوں
کاش جناب اس میں عارض نہ ہوں۔
آں محترم کا رسالہ آیا آپ کا بے حد ممنون ہوں۔

## جناب ڈاکٹر پروفیسر صغیر حسن معصومی، اسلام آباد

جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب
ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

السلام علیکم! آپ کے استفسار کے جواب میں یہ چند سطریں مرسل ہیں۔

(۱) قادیانی مسئلہ کے حل پر ہم حکومت کو مبارکباد دیتے ہیں کہ نہایت عمدہ اور مناسب حل عوام اور خصوصاً علماء کرام کے مطالبے کے مطابق اسمبلی سے پاس کرا لیا۔ اس حل سے اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر خوشی عطا کی۔ فرزندان توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکومت نے اس عقیدے کی حرمت کو قائم رکھنے میں سرتوڑ کوشش کی ہے اور اس عقیدے کے مخالفین کو دشمن اسلام قرار دیا ہے۔

(۲) چونکہ قادیانی فتنہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا ہے اس لیے اس کے دینی اور سیاسی اثرات دور کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر احمدی یا قادیانی حکومت کے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دوسرے سرٹیفکیٹ پر قادیانی یا احمدی ہونے کا برملا اظہار کرے۔ اگر ایسی تدبیر اختیار نہ کی گئی تو یہ لوگ نفاق اختیار کریں گے اور جعلیہ اپنے کو مسلمان اور ختم نبوت کا معتقد قرار دے کر مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دینے کی کوشش کریں گے اور پھر اندرون و بیرون ملک میں ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے سے کسی طرح باز نہ آئیں گے۔

(۳) غرض اس فتنہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان کوئی ایکٹ پاس کرکے ہر احمدی اور قادیانی کو اپنے عقیدے کا اظہار کرنے پر مجبور کرے۔ جب ان کو قانوناً غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے تو ان کی تعداد کی مناسبت سے ان کو حقوق دیئے جائیں اور ہر شعبے میں اسی مناسبت سے ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

ہمارے دینی عقیدۂ ختم نبوت کے داعی ہیں اس وقت حقیقی مسرت محسوس کر سکتے ہیں جبکہ حکومت پاکستان

اپنے عملی اقدام سے دنیا پر واضح کر دے کہ اہل نفاق احمدی و قادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں میں امتیاز و فرق نمایاں ہے، یا خود حکومت کے الفاظ میں بعض غیر مسلموں کو مسلمانوں کے حقوق و امتیازات نہیں دیئے جا رہے ہیں۔

اہل علم حضرات اسی وقت اطمینان کی سانس لے سکتے ہیں جبکہ اہل نفاق صحیح طور پر تو پر کے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں، ان میں گھل مل کر رہیں اور ان کی مسجدوں میں آئیں اور میل و محبت سے زندگی گذاریں۔

(۲۵؍ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

## جناب محترم ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

صدر شعبہ دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

قادیانیوں کے بارے میں قطعی فیصلہ ہو چکا ہے، اس طرح علماء کی وہ جد و جہد کامیاب ہوئی جس کے لئے وہ تقریباً ایک سو سال بھرپور لڑتے رہے ہے اور مجھے یہ کہنے دیجئے کہ تنہا لڑتے رہے۔

میں جب یہ کہتا ہوں کہ یہ لڑائی تنہا علماء نے لڑی تو بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں علماء کے علاوہ جو طبقے یہاں موجود ہیں ان کی بہت سی تحریریں بطور شہادت پیش کی جا سکتی ہیں کہ ان کا نقطۂ نظر بالعموم علماء کے موقف کے خلاف اور قادیانیوں کے حق میں رہا ہے، اور اس میں بڑے بڑے اکابر کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

تو مقصد گفتگو یہ ہے کہ یہ خالصتاً علماء کے موقف کی جیت ہے جس میں کسی سیاسی مفاد و مصلحت کو دخل نہیں، اور اب جبکہ علماء حقیقہ اس جنگ میں کامیاب و بامراد اور سرخرو ہو کر باہر آ رہے ہیں تو پھر علماء ہی کا فرض ہے کہ اس فیصلے کے بعد جو نتیجے نکل سکتے ہیں ان کے بارے میں اپنے ذہن کو صاف کریں اور ایک تنظیم اور قوت مجتمعہ سے ان نئے فرائض کے لیے خود کو کمربستہ و مستعد کریں جو اس سلسلے میں ان پر عائد ہو سکتے ہیں کیونکہ بالآخر دین کی خدمت علماء ہی کریں گے اور وہی کر سکتے ہیں کیونکہ دین کی خاطر نہ کہ سیاست اور مفادات دنیوی کی خاطر کام کرنے کی اصولی صلاحیت علماء ہی کے پاس ہے۔

اطمینان فیصلے سے علماء پر یہ راز منکشف ہو جانا چاہیئے کہ اس ملک میں بلکہ دنیا کے ہر ملک میں دین اسلام کی برکت اسی صورت میں ہر کسی پر واضح ہو سکتی ہے کہ علمائے امت میں اصولیات میں اتحاد ہو۔

آج ملک میں اسلام کے بارے میں بے یقینی اور بے رونقی جو بھی موجود ہے اس کا ایک بڑا سبب علماء کا باہمی اختلاف ہے۔

ہم کچھ عرصہ کو تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی قانون اور اسلامی طرز زندگی رائج ہو لیکن ہمیشہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اسلامی قانون کی فروعات کو لے کر علماء کا اختلاف کا بازار گرم ہوتا اور عام مسلمان شہریوں کے لیے یہ بہت مشکل ہو گیا کہ کس کے اسلام پر عمل کیا جائے بلکہ اس پریشان خیالی سے بچنے کے لیے عام لوگ اب یہ کہتے ہیں کہ بھائی ان لوگوں کے پاس جب کوئی متفقہ طریق کار اور دستور العمل ہی نہیں تو اس پریشانی میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

راقم الحروف دین اسلام میں گہرا اعتقاد رکھتا ہے اور علمائے کرام کا معتقد اور مرید ہے لہذا ان باتوں کو تنقیص یا بے خیالی پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ باتیں عام تعلیم یافتہ طبقے کے علاوہ بے علم اَن پڑھ طبقے میں بھی پھیل چکی ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور ہو تا کہ لوگوں کی بے چینی اور ان کا ضعف اعتقاد دور ہو۔

یہ درست ہے کہ ہمارے قدیم دینی ادب میں اختلاف فقہاء اپنی ایک مصلحت رکھتا تھا اور مصلحت یہ تھی کہ دین حق کی آخری حد تک تحقیق کی جائے کہ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس باب میں کیا تھا۔ یہ سچائی اور حق کی تلاش تھی اور مسلمانوں میں اس نے تمام امت مسلمہ پر اس کا برا اثر نہ پڑتا تھا اور کسی کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ تھا کوئی مسلم جو مسلک بھی اختیار کرے بہرحال دین سے اس کا تمسک غیر متزلزل تھا۔

مگر اب صورت حال بدل چکی ہے اب طوفان مغرب عقائد کی عمارت کو ڈھا چکا ہے دنیاوی اقدار غالب آ چکی ہے اور یورپ کی مادہ پرور سائنس نے شکوک و شبہات کے بیج بکھیر دیئے ہیں ایسے میں باہمی اختلاف کی بجائے باہمی اشتراک پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ علماء کے سامنے اس ملک میں بہت سے اہم مسائل ہیں ان کی خاطر علماء کا آپس میں اتحاد اور بڑے مسئلے کے بارے میں کم و بیش متفقہ یا مشترکہ دستور العمل تیار ہونا چاہیئے تا کہ عام لوگوں کو اس کے قبول کرنے یا اختیار کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

علمائے کرام اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس وقت اسلام کے سامنے دو عظیم خطرے ہیں ایک تو مغرب کے افکار اور طرز معاشرت کا خطرہ اور دوسرا خطرہ ہے اشتراکیت، کمیونزم، سوشلزم وغیرہ، یہ دونوں فتنے تباہ کاری میں ایک دوسرے سے کچھ کم خطرناک نہیں۔

اب جبکہ علماء ان کی قوت سے باخبر ہو چکے ہیں اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان کی اصل طاقت کتنی ہے۔ ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا دو فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔

ہمارے ملک کے بہت سے علماء ان مغربی فتنوں کی مضرت کو اس لیے کم اور معمولی سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچیدہ نظام عقائد سے باخبر نہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان مغربی عقیدوں کے ہم پر کتنے کتنے خطرناک اثرات آباد ہیں تو انہیں خوب احساس ہو کہ ان کا مقابلہ کرنا صرف ضروری ہی نہیں بلکہ فرض عین ہے۔

لہٰذا علماء کرام پر واجب ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں اور پھر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ بے خبری کی صورت میں ان خطرناک فلسفوں اور عقیدوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

قادیانی فیصلے کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں میں تین چار قسم کے مغالطے بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں۔ ایک خیال یہ پھیل رہا ہے کہ قادیانیوں کے بعد اب شیعہ اور دوسرے چھوٹے فرقوں کی باری آئے گی دینی طور سے بھی اور سیاسی طور سے بھی۔ ایک مغالطہ یہ بھی پھیل رہا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں تھوڑا بہت اسلام کا کام قادیانیوں کے ذریعے اور ان کے توسط سے چل رہا تھا۔

اس فیصلے کے بعد جب تک ان ملکوں میں کوئی متبادل نظام ہمارا تبلیغ کے لیے موجود نہ ہوں گے اس وقت تک اس قسم کا خلا باقی رہے گا —— اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء اپنے موجودہ اکتسابات کے ساتھ ان ممالک میں تبلیغ کی اہلیت نہیں رکھتے —— اور غیر قادیانی تعلیم یافتہ طبقہ اتنا بے حس ہے کہ اسے دین کے معاملات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں —— لہٰذا خیال یہ پھیلایا جا رہا ہے کہ اس سے آخرکار اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

میری رائے میں یہ مغالطہ ہے لیکن علماء کے لیے بہرحال یہ پہلو بھی قابل غور ہے اور فوری توجہ کے قابل ہے۔

ایک خیال یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا حقیقی طرز معاشرت قادیانی گھرانوں میں ہے ورنہ عام تعلیم یافتہ مسلمان تو اس معاشرت سے بیزار ہی نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ غیر قادیانی نوجوانوں میں پردہ داری، دینداری، جمعہ اور جماعت کی پابندی بلکہ نماز کا التزام، قرآن مجید

تعلق رکھنے والی دینی ذخیرہ کی حد تک بھی اب بالکل مفقود ہے۔

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرتی طریقوں کا پابند تاجر یا تاجر غیر ملکی دینی تعلیم یافتہ لوگوں پر غیر ممالک میں وہ بلکہ خود اپنے ملک میں بھی کیا زیادہ یا اثر پڑے گا۔ اسلام سے بنیادی طور پر متعلق ہے۔ یہ سب مقصد اسلام ہے تو پھر اسلام ہی کا نام کیوں نہ لیا جائے۔ اسلام کے لئے ہے اور اس کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی تبلیغ کے لیے بڑی تنظیم درکار ہے۔

دوسرا مسئلہ معاشی و معاشرتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ علماء کرام محض عقیدے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ معاشی و معاشرتی عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشی ذہن کو مد نظر رکھ کر معاشی عدل و انصاف کے حق میں اور معاشی بدحالی کے خلاف واضح پروگرام بنا کر پیش کرنا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ یہ غلط فہمی پیدا کر دیتے ہیں کہ علماء معاشی انصاف اور مساوات کے مخالف ہیں۔

معاشرتی طور پر فحاشی و عریانی اور بے حیائی کے خلاف منظم تحریک کی ضرورت ہے۔ معاشرہ کی ... نظام یا مذہب کے خلاف نفرت پیدا ہوتا ہے جس کو ان اشتعالات سے ابھارا جا سکتا ہے۔

دینی تعلیم کے نصابات اور نصب العین پر دوبارہ غور ہونا چاہیے۔ فی الحال وہ جن لحاظ سے مشکل ہیں تبلیغی لحاظ سے غیر مسلم ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے علماء کو ذہنی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کام کرنا چاہیے۔

نظام تعلیم و تزکیہ قلوب کے پرانے نظام کو از سر نو زندہ کرنا چاہیے تاکہ افراد جسم و جاں پاک ہو سکیں۔

الیکشن کے فیصلے کے بعد اس بات پر نظر رکھی جائے کہ کوئی فرقہ حکومت کی رواداری کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ علماء خود کو اس طرح آمادہ کریں کہ کسی سیاسی مفاد کے آلۂ کار نہ بن سکیں۔ والسلام

## حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری

ناظم مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت (ملتان)

اسلام دین فطرت ہے جس کی تکمیل فخر موجودات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پوری ہو گئی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت مسلمہ کے لیے اندرونی و بیرونی فتنوں کی نشاندہی فرمائی

دار جھوٹے مدعیان نبوت کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

"عشق جانتا ہے کتنے ہی جھوٹے پیر ختم ہونے والی چیزیں ہیں اور باقی رہنے والا دین فطرت ہی ہے۔ طوفان جانتا ہے کتنے ہی عظیم ہوں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔"

اما الزبد فیذھب جفاءً و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔

فتنہ مرزائیت امت مسلمہ کے لیے فتنۂ سوداء تھا اور ہے۔ مرزائیت نے دشمن اسلام قوتوں کا آلۂ کار بن کر عالم اسلام کے لیے مشکلات پیدا کیں اور ان کے قیام کے لیے قوتوں کا رابطہ اور سامان پیدا کیا۔ ۷ ستمبر کے فیصلہ نے اس فتنہ کی کمر توڑ دی۔ لیکن ابھی بہت کام باقی ہے جو تمام مسلمان فرقوں کے اتحاد و اتفاق سے ہی انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ مجلس عمل کا قائم رہنا اور اس کی تنظیم کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا نہ صرف مرزائیت کے سیاہ فتنہ کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے بلکہ وطن عزیز میں اسلامی اقدار کے نفاذ کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ اگر خدانخواستہ اراکین مجلس عمل اپنے اپنے فرقوں کی [illegible] میں چلے گئے، درخت کی جڑوں کو سیراب کرنے کی بجائے اس کے پتوں پر پانی کے چھڑکاؤ میں مصروف ہو گئے تو نہ صرف ۷ ستمبر کا فیصلہ محض کاغذی فیصلہ ہو گا بلکہ دشمن ملک و ملت قوتیں اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیں گی۔ ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام ہی مسلمان فرقوں کے اتحاد و تردید مرزائیت کے لیے ہے۔ مجلس تمام مسلمان فرقوں کے راہنماؤں سے اپیل کرتی ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ کے [illegible] کلیدی مناصب سے مرزائیوں کی علیحدگی، ربوہ میں علماء اہل اسلام کی سکونت کے لیے مرکز [illegible] اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو ایک فعال جماعت کی حیثیت سے زندہ رکھیں۔ — ۲۸ شوال ۱۳۹۴ھ

## حضرت مولانا احمد عبد العلیم کانپوری (کراچی)

"عام طور پر سب مسلمان اس سے واقف ہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے اعلان نبوت یا بالفاظ دیگر اپنے غلو و ارتداد کے بعد ہی انگریزی حکومت سے اپنے اظہار عقیدت کے لیے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ جہاد منسوخ ہو گیا اور حرام ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرتد اعظم نے یہ بھی اعلان کیا کہ [illegible] اس مردود نے "قرآنی" کا لفظ کہہ کر خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر انتہائی رکیک اور گھٹیا تعریض و تنقید کی ہے اور معاذ اللہ آپ کے دین مبارک کو قاتل و سفاک ٹھہرایا ہے، حالانکہ جہاد اسلام کا

پانچواں بنیادی اور ضروری رکن ہے جس کے بغیر اسلام کی حفاظت ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے اس کے بارہ میں ارشاد عالی ہے "الجهاد ماض الی یوم القیامة" یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور کبھی منسوخ یا معطل نہ ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ انگریز ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شدید زک اور جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد اس سے بے حد لرزاں و ترساں ہے۔ اور اسی لیے اس نے تمام اسلامی ممالک بڑھ جاتا تو وہ فوجی تک سے ہتھیار بندی لگا دی گئی کہ یہ آلات جہاد ہیں۔ اسی لیے مرزا نے مرتے دم تک انگریز سے اپنی وفاداری اور محکومیت کو جتلانے کی خاطر جہاد کا فریضہ نفی سے ختم کیا۔ اس لیے ہر مرزائی قادیانی جو اس کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی بھی برضا و رغبت جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا اور اگر ریاکاری و فریب دہی کے لیے شریک ہوگا بھی تو اس کے فرائض ادا نہ کرے گا۔ چونکہ ہماری فوج محض مجاہدین کی جماعت ہے اس لیے اس میں سے جلد از جلد انہیں خارج کر دینا چاہیئے۔

(۴) مرزا صاحب نے قرآن مجید میں بطور دیگر تحریفات کے یہ تحریف بھی کی تھی کہ میری نبوت کی پیشگوئی مسیح ابن مریم علیہما السلام سے نقل کر دی گئی ہے جس کا ذکر بحوالہ انجیل قرآن مجید میں اس طرح وارد ہے: "مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" یعنی مسیح ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احمد نام کے ایک رسول کے آنے کی بشارت دینے والا بنایا۔ مرزا کہتا تھا کہ وہ احمد میں ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب تصریح قرآن محمد ہیں۔ حالانکہ کوئی پوچھتا کہ تم احمد کب ہو تم تو غلام احمد ہو اور غلام بھی عیار و بے وفا۔ اسی مرزائی خرافات کی بنا پر اس کے متبعین اپنے کو احمدی کہتے ہیں مرزائی یا قادیانی نہیں کہتے۔ اس بنا پر ان کی مشابہت اور ان کے کفر کی تائید سے بچنے کے لیے انہیں ہرگز احمدی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ مرزائی یا قادیانی ہی کہنا چاہیئے۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں بھی ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا" یعنی اے ایمان والو! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کے لیے منافقین کی طرح "راعنا" نہ کہا کرو گو بظاہر یہ کلمہ مراعاۃ سے مشتق ہونے کی وجہ سے ادب و تعظیم کا کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بھی رعایت فرمائیے اور اس ضرورت کے لیے تم "انظرنا" کہا کرو جس کے معنی ہیں ہم پر بھی نظر فرمائیے۔ منافقین و یہود "راعنا" کے کسرہ کو اتنا کھینچتے تھے کہ وہ "راعینا" ہو جاتا تھا یعنی اے ہمارے غریب کے چرواہے۔ نیز اگر وہ کسرہ کو کھینچتے نہ تھے تو اس کو رعونت کا منادی بناتے تھے جو رعونت سے مشتق ہے اور اس کے معنی تکبر و غرور اور اس کے روحانی مرض میں مبتلا کے ہیں تو

اے متکبر و مغرور۔ اور مومنین جب خطاب کے لیے ان کی تعلیم میں وعظ کہتے تھے تو وہ یہ کہہ کر بہت
خوش ہوتے تھے کہ ہم نے آپ کے جاں نثاروں سے بھی آپ کو وہی گالی دلوا دی جو ہم دیتے ہیں۔

(۳) اسلام میں دنیاوی کاموں کی سرکاری ملازمت کفار اہل ذمہ کو دینا منع نہیں ہاں وہ خدمات
ان کو نہیں دی جائیں گی جن کا کسی نہ کسی طرح دین سے تعلق ہوگا چونکہ صدر کی بھی جبار کی نوکری ہے
اس لیے کوئی غیر مسلم اس کا اہل نہیں۔

(۴) ربوہ جو اس وقت خالص کفرستان ہے اسے بھی عام پاکستانی شہروں کی طرح ہر پاکستانی کے
سکونت کے لیے عام ہونا چاہیے بلکہ اسے ان کے دو مرزائیوں کی ملک سے نکال لینا چاہیے پہلی حکومت
نے سر ظفر اللہ کے اثر سے یہ پورا علاقہ انہی کوڑیوں کے مول ان کے ہاتھ فروخت کر کے پاکستان میں
ایک کفرستان بنوا دیا تھا۔ اس لیے یا تو اس خطہ کی سابقہ قیمت ان کو واپس کر کے اس پر قبضہ کر کے
اسے پھر پاکستان میں شامل کر لینا چاہیے یا اسی طرح بلا قیمت لے لینا چاہیے جس طرح زمینداروں اور
جاگیرداروں کی زائد زمینیں اور کارخانے مفت لے لیے گئے حالانکہ اسلام میں کسی کے سرمایہ یا
جائیداد کی کوئی پابندی نہیں۔ چنانچہ خود خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں
حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کروڑ پتی تھے اور بعض صحابہؓ
اتنے مفلس تھے کہ انہیں جو کی روٹی کی بھی وسعت نہ تھی اور وہ کھجور کے باغوں کی گری ہوئی کچی
کھجوروں پہ گذر بسر کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک مفلس و فقیر صحابیؓ کی ایک صاحب وسعت صحابیؓ نے
کچھ خدمت کرنا چاہی تو انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ تم میری جنت کی نعمتیں کم کرانا چاہتے ہو۔
جب کسی کے متعدد سرمایہ و جائیداد پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی بشرطیکہ وہ شرعی اور جائز
طریقے سے حاصل کی جائے تو اسلام کی ٹھیکیدار حکومت کو بھی اس پر پابندی نہیں لگانی چاہیے چنانچہ
قرآن مجید میں ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ۔ اے ایمان والو
ان چیزوں کو حرام نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ واللہ المستعان۔

## جناب محترم زبیدہ اے سلہری صاحب (لاہور)

مکرمی و محترمی جناب مولانا سمیع الحق صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معاف فرمائیے، جواب میں تاخیر ہو گئی۔ آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اسے
علم کا خزینہ سمجھتا ہوں۔ میری شعوری زندگی اسی تمنا میں گذری کہ قادیانی مسئلے کے بارے میں مسلمان

# مطالبۂ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضا کے بسیط میں پھیل گئی، پاکستان کی سرزمین اس آواز حق سے گونج اٹھی، باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعل نبوت کے ظلمت کدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارت ایمانی اور غیرت ناموس رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیان پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ———— اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراج تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموس رسالت پر مر مٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمن دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ———— آزاد کشمیر کی حکومت اس "جرم" کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر غیرت مسلم کا جذبہ ثابت اور ناموس رسالت پر مر مٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آ جاتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ "دراصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔"

بہرحال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں صرف برصغیر کا نہیں نہ صرف عالم اسلام کا ہے بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربیؐ کے ہر نام لیوا امتی اور دربار رسالت کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے۔ "قادیانی مسئلہ" جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصور ایمان اور تصور رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریم سے عشق و محبت، رسول عربیؐ سے نسبت غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس "نبوت کاذبہ" کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن میں ایسے معاملات میں وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے ۔

بلا بھی نہیں جس نے نبی کریمؐ کی دلآزاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

—— تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں اقلیت قرار دینے کا کمتر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آئیے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں۔ —— جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

## قادیانیوں کا بحیثیت ایک | دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان

ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اقوال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت، دین و دنیا ہر شعبہ زندگی میں اس علیحدہ وجداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آ رہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ گرداننے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے" —— (تشحیذ الاذہان جلد ۶ ص ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی ص ۱۱)

کہ ـــــ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص ۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔

**عبادات**

کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (فتاویٰ قول و فعل ص ۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز جائز نہیں (ص ۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص ۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص ۲۲) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص ۲۱)

**معاشرتی معاملات**

یہ تو عبادات کا حکم تھا معاشرتی معاملات کو دیکھئے: مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص ۲۶) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص ۲۴) خود خلیفہ مرزا کے الفاظ میں ـــ دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ سب کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ تعلق رکھنا جائز ہو سلام کہنا بھی جائز نہیں (ص ۲۳) [illegible] مرزا ساری عمر غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو عہدہ دیا (ص ۲۸) مرزائیوں سے اختلافات کو فروعی اور جزوی قرار دینے والے بے حمیت مسلمانوں کے منہ پر

خود مرزا محمود نے اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں، "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" (خطبہ مرزا بشیر الدین۔ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

## اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال

مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔ (ایضاً ۳۰ دسمبر ۱۹۳۱ء)

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنا جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کیا گیا اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو "دوسری امت" سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں کو امہات المومنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سن ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی۔ اپنے مقابل امت محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں ضائع کرنے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں۔ کبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہنے والوں کی رگ اسلامیت"

پھر ترکِ الفت پہ زور دیا جاتا ہے کہ اس طرح وہ سماجی بائیکاٹ میں مبتلا ہو کر مستقبل
بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات
سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس ہتھکنڈے کی بنا پر وہ امت کو انگریز کی
کی ذہنی ذریت کی شکل میں بہ صورت بھی مل جاتے ہیں۔

## مسلمان اور کافر ہونے کی حقیقت

اب کہ مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام
اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ مگر عام لوگ بے خبر اور جاہل پھنس جاتے ہیں کہ
ہم مسلمان ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضور کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز
روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو
فریب دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ لینا ضروری
سمجھتے ہیں۔

۱۔ وہ حضور کو ہر جا خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم
آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے۔ مرزا محمود احمد
دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری
نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ (عدالت گورداسپور میں بیان۔ شائع کردہ الحکم [illegible])

۲۔ مرزا کی اکثر الہامی عبارتیں ان کتابچوں سے چرائی گئی ہیں جو اس کے دعویٰ نبوت
۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو
کاذب، کافر، بدبخت، دشمن قرآن، بے شرم اور کیا کیا قرار دیتے تھے۔
(ملاحظہ ہو حمامۃ البشریٰ صفحہ ۴۵ تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۲۳ وغیرہ) مگر جب نبوت
کا دور شروع ہو گیا (۱۹۰۱ء) تو صرف نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۰۲) رسول، افضل الانبیاء

مہدی اور محمد (الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل و برتر بن گئے۔

۳۔ مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ "محمد رسول اللہ" سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے (الفضل ۵ جولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔ (الفضل ۱۹ اگست ۱۹۱۶ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے ——
اب رہا کلمہ پڑھنا، محمد رسول اللہ کہہ کر بھی مرزا کے ماننے کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (ضمیمہ جلد ۲ ص ۱۱۳) اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۱۸) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہمیں نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے الگ کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد رسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت ہوتی۔
(کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۴ ص ۱۵۸)

۴۔ وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے آپ کو اس کے خلاف معلوم ہو چکا تو لیجئے اس تلبیس اور دجل و تلبیس کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کر دی ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا کہ

خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔

(مرزا بشیر احمد ص ۱۲)

ف:۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں ان کا مسلمانوں کا اسلام

اور ہے اور ہمارا اور۔

۱۴۔ اُمتیں انبیاء سے منکر ہیں | اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ کو کہلائے کو قیامت تک شب و روز ورد بنالے مگر دین کے کسی

قطعی یقینی یا ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت

کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی فریضہ مرزا محمود احمد نے غیر قادیانی

یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ

آپ انہیں کافر کہتے ہیں مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں مگر مسلم

کے لئے توحید تمام انبیاء، تمام کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور

جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی

مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کافر ہیں شامل ہوتے (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۲ء)

خود مرزا نے ایک سوال کے جواب دیا کہ سو سو صلوٰۃ کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم

کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر زنا یا چوری کو جائز سمجھے تو کافر ہو جاتا

ہے۔ (البدر ۲۰ جون ۱۹۰۳ء)

اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام

قرآن حدیث اور ارکان اسلام شعائر اسلام نبی کریمؐ کی مدح و توصیف سے دفتر کے دفتر

بھر دے مگر وہ حضور خاتم النبیینؐ کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے یا اسے

کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے قطعی فیصلہ کی رو سے کافر اور بے دین ہوگا۔ اس لئے کہ

انہیں انبیاء سے فتنی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰ کی نبوت تورات اور نظامِ احکام کو تسلیم کرتے ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت تسلیم کرلی۔ مسلمان حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی تعلیمات کی ہزار دل و جان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدی اسلئے کہلاتے ہیں کہ وہ حضور کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں جسے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے۔ اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے وفاداری اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

"یہیں اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ وجود اور اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں، مسلمانوں اور مرزائیوں کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردہ میں وہ ملتِ مسلمہ کے اتحاد پر ضرب کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے"

مگر حالات جوں جوں ابھر رہے ہیں آستان اور بیرون سے عالمِ اسلام سے ندا یا محمد عربی اور پوری امتِ اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جیسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکرِ اسلام علامہ اقبال نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:-

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جب قادیانی مذہبی اور

معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔؟ ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں ـــــــــ"

(اسٹیٹسمین کے نام خط ۱۰ جون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومت وقت کے طرز عمل کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے مزید فرمایا:۔

"اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے ـــ"

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیانی کے جملہ متبعین کو ہندو اور عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعوئے نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ج ۸ ش ۹ جمادی الاول ۱۳۹۲ھ جون ۱۹۷۲ء)

دنیا کے اسلام کی غیرت کو للکارتے رہیں گے۔

اس تاریخی قرارداد کا عربی متن گذشتہ شمارے میں آ چکا ہے جس میں قادیانیت کو عالم اسلام کے لئے سب سے خطرناک اور بدترین خطرہ قرار دیا گیا ہے اور جسے کانفرنس کے ایجنڈا نمبر چار میں سرفہرست جگہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

# قرارداد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اغراض خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے۔ اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضح ہے۔

الف۔ اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب۔ قرآنی آیات میں تحریف

ج۔ جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے ڈالی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں، اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف و تبدیلی اور بیخ کنی کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں مثلاً:

الف۔ دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ادارے قائم کرنا۔

ب۔ مدارس، شفاخانے، یتیم خانے اور امدادی کیمپوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج :- دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔

ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ :-

(۱) دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام درپردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(۲) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور اسی وجہ سے انہیں مقامات مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکے گی۔

(۳) مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، ثقافتی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناطے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا۔ الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(۴) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں، ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا کوئی اہم و ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(۵) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشاندہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا انسداد کیا جائے۔

ہم ان تمام قرار دادوں پر ایک بار پھر جلالۃ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور

کانفرنس کے تمام شرکاء اور مندوبین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد کو یہاں کے چند علاقوں کی برقرار رہنے کی بجائے اس کی اہمیت اور دینی اور شرعی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (روزنامہ ج بحوالہ — ۶ مئی ۱۹۷۴ء ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ)

# ''رابطۂ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن''

## ''نداء من مكة المكرمة تنادي المسلمين''

نحلة هدامة تتخذ من اسم الإسلام شعاراً لستر أغراضها الخبيثة وأبرز مخالفاتها للإسلام ما يلي:

(أ) ادعاء زعيمها النبوة۔
(ب) تحريف النصوص القرآنية۔
(ج) إبطالهم للجهاد۔

القاديانية ربيبة الاستعمار البريطاني ولا تظهر إلا في ظل حمايته...

تخون القاديانية قضايا الأمة الإسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية

تتعاون القاديانية مع القوى المناهضة للإسلام وتتخذ هذه القوى واجهة لتحطيم العقيدة الإسلامية وتحريفها وذلك بما يأتي۔

أ۔ إنشاء معابد تمولها القوى المعادية ويتم فيها التبشير بالفكر القادياني المنحرف۔

ب۔ فتح مدارس ومعاهد وملاجئ للأيتام وفي جميعها تمارس القاديانية نشاطها التخريبي لحساب القوى المعادية للإسلام۔

ج۔ تقوم القاديانية بنشر ترجمات محرفة لمعاني القرآن الكريم بمختلف اللغات

# بہائیت

> دنیا میں جو بھی فتنہ تخریب دین کے لیے پیدا ہوا ہے اس نے اپنے ساتھ کئی دوسرے فتنوں کو بھی جنم دیا ہے۔ فتنۂ رفض (شیعیت) نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اس کی کوکھ سے مزید کئی فتنے پیدا ہوئے جن میں ایک فتنہ بہائیت کا بھی ہے، اس سازشی گروہ نے مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے اور ان کو نقصانات پہنچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ذیل کی اس تحریر میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس فتنے کی اصلیت اور اس کے عزائم پر نہایت دلچسپ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ ”باب الفرق“ کے ساتھ مناسبت کی بنا پر [illegible] میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کے ادارہ ـــــ مكتب المقاطعة العربية لاسرائيل ـــــ کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔

**غیر اسلامی صیہونی فرقہ**

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلۂ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی امداد بھی کرتے ہیں قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالم اسلامی نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور [illegible] کو مبارکباد

دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی جو تجویز قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب پریس بہائیت کے بارہ میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہا ہے۔

**مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت**

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے ہی نہیں بلکہ اصلاً اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پیروڈ کرامات اور سامراجی یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن، لائنز کلب، روٹری کلب، غیر مسلم مشنری اداروں فحش جنسی لٹریچر اور استشراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلافات، سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں سے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

**بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد**

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۵۰ء) نے شیعی غلو، محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے زیربار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی در حقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی

عبادت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار، شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس طغوبیہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باغی یا اباحیت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیا، شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ اور اوہام، عقل اور جہالت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحیت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور یہودیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اہل مغرب و تہذیب کے یہود و نصاریٰ، مشرق کے مجوسی اور بعض ذہنیتوں کا مرکز نظر بن گیا۔

اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر کا اعتراف ہے کہ:

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ وا بہائی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ دراصل بہائی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے وطن امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدہ والشریعۃ ص۲۴۲)

**استعماری مقاصد کا آلہ کار** پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صہیونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمۂ قضا نے بہائیوں کو کافر، پارلیمنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پر امن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

**اسلامی حکومتوں کا فرض** اب جبکہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نصاب کتابوں کی تفصیل میں جاتے)

تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرت ملی، حمیت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام مذہبی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

**فری میسن، روٹری اور لائنز کلب**

عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قادیانیت کی پیشرو داعیوں کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی و قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۵ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قرارداد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظر ثانی کرنی چاہیے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

◆

# فتنۂ رفض و انکارِ صحابہؓ

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جاں نثار جماعت (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا انتخاب کیا جو اپنی جان و مال کو اسلام کی خاطر لٹانے کے لیے ہر وقت ہر دم تیار رہتی تھی۔ اس مقدس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر کو کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو دوسروں کے لیے نمونہ اور معیار قرار دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "آمنوا کما آمن الناس (الآیۃ)" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشہور یہودی عبداللہ بن سبا نے اور اس کے بعد اس کی روحانی ذریت نے صحابہ کرامؓ کے تقدس اور تعدیل کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ علماء امت نے ہر زمانہ میں سبائی ٹولے کے ان ناپاک عزائم کا بھرپور تعاقب کر کے [illegible] حضرات صحابہ کرامؓ کے ناموس کی جنگ لڑی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک [illegible] حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ذیل کا یہ مضمون بھی ہے جو دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان "ماہنامہ الحق" میں شائع ہوا۔ "فتاویٰ حقانیہ" کے باب الفرق کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے بطور افادۂ عام شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

**تعدیلِ صحابہ دین ہے** قدسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات، ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے جو دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ غیر تو غیر اپنوں میں سے بھی اگر کوئی ان مقدس ہستیوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیر خواہی، اخلاص اور ہمدردی

کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ ہی میں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور
ظلم و ضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

**علم و تحقیق کے نام پر**

ذہنی بے حسی بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہمیں سے ہی
بعض نا عاقبت اندیش اور دولت خلافت سے محروم ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ
چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو "اقامت دین" اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے
لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوت گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں
صرف کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی قیمتی متاع دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات
اور رسالوں میں سر بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے
دولت مستوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو درد مندان اسلام اور علمائے حق کا اولین فریضہ
ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادہ پوش جماعت کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور
ایسے ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جن کی دست درازیوں سے عثمانؓ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم
کی تیغ کے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شان عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر قسم
شہید عثمانؓ کے اس خون سے رنگا ہوا ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے
وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکہم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ
کی حفاظت اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟
حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمانؓ کی مظلومیت اور شہید دار کی بے بسی
تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی محافظ بن کر زبان حال سے ان نام نہاد ارباب تحقیق پر خندہ زن ہے
اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکہم اللہ وھو السمیع العلیم۔

**[illegible]** عظمت صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں خلافت و ملوکیت کے
نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی۔ افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین دماغ بھی اس کی لپیٹ میں آ

الہام سے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے ۔

**نبوت کاذبہ کا پرچار** | جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز اول سے کافر، مرتد اور خارج از اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالمیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی ذرائع ابلاغ سے تبلیغ کے نام پر دلیس ولیس ہیں اس کی مخالف اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر یورپ سے عراق اور شمالی یورپ سے اسلام کا نمائندہ مسلمانوں کا خلیفہ اور پاکستان کا مذہبی راہنما بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے لٹریچر میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یکجہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے جذباتی اور روایتی لگاؤ ہے۔

**شیعہ معتقدات کا فروغ** | اہل سنت والجماعت (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی فراخ حوصلگی سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے

۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔

۲۔ تبرا بازی (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب و شتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں یا ان مطالبات کی خاطر میدان کربلا کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی و فطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا کر ملکی استحکام اور بقا کو خطرہ لاحق کرنے والی ان تفرقہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جس میں پاکستان کی اقلیت کا شیعہ علاقوں سے تعلق ہو اور سنیہ دو طبقوں کو یہ احساس ہو گا کہ انکی تقسیم مرتب کیا جا رہا ہے اور علیحدگی کی یہ تجاویز اگر ایک طرف سنت کی صالحیت پر ایک کاری ضرب ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے رد عمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا رد عمل صرف تعصب اور اختلافات تک محدود نہ رہے گا بلکہ کسی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے۔ جس کا تصور بھی ملک و ملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔

**سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج**

ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو دیوانوں کی بڑ سمجھتے رہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسے اقدام ہونے لگے جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ افسوسناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے معماران اسلام کے احوال و سوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت ملک اور معاشرہ کی تشکیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے بجا طور پر اہل سنت کو چونکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے لمحۂ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک و ملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے خیرخواہ صرف نظر کر سکیں۔

**سنی کنونشن**

اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور مرکزی لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے

مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے کے
بعد چند قراردادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی منافرت و
فساد اور فرقہ وارانہ کشمکش اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب
فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلآزار مسائل
جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین
کی سیرت نکال دینے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر
تفصیل ہونے کی گنجائش نہیں ——— یہ قراردادیں ملک کی خیرخواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت
کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق ——— ظاہر ہے کہ یہ تو ایک مخلص محب جماعت کی خاطر
ملک و ملت اس کشمکش اور باہمی تصادم کی متحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس
اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب و شتم اور تبرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں
خلفاء راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

## سنی سواد اعظم پر صریح زیادتی

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پرفریب نعروں
اور آئینی بندشوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے
دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سرعام توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں،
مگر کسی قسم کا حرف شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔
مگر دوسری طرف فراخدلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق
ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں۔ انبیاء اور صلحائے امت کے
بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کنجریوں اور
جنگلی سؤروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کر کے مٹائیں

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی ملت اور ریاست کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی
ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث سے انکار کی برملا دعوت دیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا انکار کر
دیں، مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا و رسول کو من مانے معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وہ ختم نبوت
جبریل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسیح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، جوا، سود کو
حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی غلط تعبیریں پیش کریں اور جو چاہیں تو
ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلا خوف احتساب یہ حق
حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مقدس بزرگوں صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین پر ہر قسم کی دست درازی
کریں مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک و ملت کو انتشار و
افتراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی
عظیم اکثریت کے یا تو کوئی مقدسین نہیں اور اگر ہیں تو یہ تقدس سے محروم ہو چکے ہیں اور نہ
ان پر مخالفین کی دست درازیوں کی کوئی ذمہ داری ہے۔ پھر اگر اب نہیں تو کیا اس ملک کے
سواد اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کی حفاظت اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات و
واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم
ہوگا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و ترویج اور
باطل کی سرکوبی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے
دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رحم و کرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون
کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی! دین اور دینی اقدار کے غرق ہونے کا یہ ہولناک
نظارہ وہ کسی سیکولر اسٹیٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے ــــ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے
اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں
کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے۔ لیکن کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ
کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں

کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا اہتمام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبر کی غربت، ناعاقبت اندیشی کا بیّن ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیر خواہی، دینی ذمہ داری اور ہمارے اساسی نظریہ سے وفاداری کی بنا پر ان المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

# اختلافی معتقدات پر مبنی کلمۂ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلے کے قومی و ملی خطرناک عواقب پر اداریات اختیار کر کے تنبیہ کیا۔ سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا اور شیعہ کیلئے علیحدہ نصابوں کے ذریعہ ملک میں تفریق و انتشار کی جو بنیاد ڈالی گئی اس کا اب وہی نتیجہ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا۔ دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا مجموعہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سواد اعظم کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب پڑھانے سے اساتذہ و اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آئی تو سنی مسلمانوں اور علماء کو بجا طور پر یہ سخت تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو شیعہ انداز میں پایا۔ شیعہ عقائد سے متعلق اس باب میں علیؓ ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفۃ بلافصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمہ اسلام کا جزو بنا دیا گیا۔ اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے اور ان الجھنوں کو ذریعہ ایمان و اسلام (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۳)۔ مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیار اسلام کلمہ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافت بلافصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی

مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ ان کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت الشعور اور اشارات و کنایات میں کافر قرار دینا ملک و ملت کی خیر خواہی ہے —— ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلۂ اسلام کی علامت صرف کلمۂ طیبہ رہا ہے۔ اور عہد صحابہؓ خیر القرون میں کلمۂ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امت مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابل تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طلبہ کے سامنے بھی پڑھایا اور رکھا جا رہا ہے۔ نہایت ناعاقبت اندیشی ہے۔ ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریک التوا پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصاب دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اٹھی ہے خدا را ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۷۷ء)

⌘

انفاذ میں اسے نشانۂ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کرنے کی شکل میں ہمارے ہاں کے تجدد زدہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی ڈگریوں کو اور نہ مالی کی مراعات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ ورنہ مجبوری اور تنگ نظری کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مسائل کا تعلق بھی زیادہ تر سنتِ رسول کی تشریعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے یہودی و غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و ریسرچ ہے، ہمیشہ سنتِ نبوی کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیثِ رسول سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

**سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار** | اور کچھ لوگ علانیہ انکار کیے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی علمی اغراض کی بنا پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس طرزِ تحقیق کا سہرا رسوائے عالم یہودی مستشرق پروفیسر جوزف شاخت کے سر ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے ترویج و اشاعت کا فریضہ ان کے وفا شعار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کی جملہ جماعت بجا لا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنتِ رسول کو سنگِ گراں سمجھ کر راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

**نظریۂ سنت جاریہ و غیر جاریہ** | ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نظریہ "سنتِ جاریہ و غیر جاریہ" وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ تجدد کی رندی اور عیاری پر تقویٰ اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمٰن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے، "سنت درحقیقت ایک "تعامل اصطلاح" ہے جس کی تشکیل "آزادانہ رائے" سے ہوتی ہے اور "عوام الناس" یا "رائے عامہ" کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز "سنت"

بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی "اجماع" ہے۔ جس کو وہ "آزاد اجماع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنت نبوی کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے[1] اور "اس تعامل یا اصطلاح" کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام "سنت جاریہ (زندہ سنت)" رکھتے ہیں اور حضور کی اصل سنت کو "سنت غیر جاریہ (مردہ سنت)" معاذ اللہ قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیمات شریعت میں اتنی "توسیع" کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسب خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جا سکیں۔

پرویزی نظریہ حدیث بلحاظ | تحریف و تلبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے جدید مجوزین ہندی کی یہ تحقیق منکرین حدیث کے پچھلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں ناسمجھی یا ذہنی بے حسی کی وجہ سے فضل الرحمٰن کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ "انکار حدیث" سے دوسری جماعت کی برأت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمٰن یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر "پرویزی نظریہ" کے تعاقب میں کوئی مضمون لکھا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی انداز فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم مفید معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ تصور اسلام کو خاکم بدہن جلد از جلد تباہ و برباد دیکھنا چاہتے ہیں (ولا نعلم ما بعد ذلک)۔ یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور دروازہ اور منافقین کے پردہ حیلوں سے اس تحریف نقب زنی کو زیادہ موثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویزیت جیسا جارحانہ اور دو ٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلا

[1] مذکورہ بالا نظریہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر جولائی اگست ۱۹۶۳ء مقالہ تعیین سنت و دیگر مضامین

خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پامالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستگی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانۂ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت یا پاپائیت نہیں | حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں "علماء اور ملا" کسی خاص رنگ و نسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم و نسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، لہٰذا اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و پیشہ کتاب و سنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم و فہم حاصل کر کے عالم دین کے منصب وراثت نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصب جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اس معاملہ "ملا" کی اجارہ داری کا کیا رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم "ملا" کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعبیر و ترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب و سنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے | بیشک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب و سنت اور خدا و رسول ﷺ کی مرضی اور دین کے بنیادی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہمیت ضرور ہے | جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام

عبقری شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب، عناد و جہل، خود غرضی اور خواہشات نفسانی
پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ و رسولؐ اور صحابہؓ و تابعین سے کوئی
قوی سند بھی موجود ہو۔۔۔ ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے
ہی تمام بزرگوں کا "اتفاق" "اجماع" قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط و قابلیتوں
کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ مگر افسوس کہ اس وقت تمام دنیا میں صدیاں ہوئیں
وہ بھی گم ہو چکی ہے جیسے کہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ احمد بن حنبل اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے
جیسے اساطین علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

**خلاصۂ بحث** | بہر تقدیر اسلام کی نظر میں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور
اصل مقام کتاب و سنت اور ان سے مستنبط احکام و اصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت
یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے
تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس "اجماع ضلالت"
کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان و اشاعت کرتی رہے گی۔ مجموعی امت گمراہی پر حسب
بشارت نبوی (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں کثرت رائے
یا قوت حاکمہ کو اطاعت رسولؐ سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ اہل یورپ کے اسلام دشمن یہود و
نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنت جاریہ کہہ سکتے ہیں اور زنا بالرضا جیسے
صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو "اجماع"
قرار دیا جا سکتا ہے۔ جبکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ کا
ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ توڑا جا سکتا ہے نہ ان میں "توسیع" اور ترمیم ہو سکتی ہے
اور جس طرح "کتاب" سے مراد ہی قرآن ہو گا جسے امت رب کے متواتر آسمانی صحیفہ

ناقابلِ قبول ہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابلِ قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آ رہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور ان میں تحریف و تبدیل اور معنوی پیوندکاری کی تفریق الحاد و کفر اور زندقہ ہے۔ اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصل معانی سے الگ کرنا اور ان سے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے کھلا عناد اور زندقہ ہی کہا جائے گا۔ جسے امت کا شعورِ دینی تا قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔

کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحاب علم و تقویٰ اور ارباب تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیے کہ وہ مودودی کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی موقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جرأت و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مومنانہ جہاد اور جرأت مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اسی جذبہ محبت کی وجہ سے ان "سیئات" سے درگزر کرتے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ ہمارے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اکابر علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے۔ اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اجمالی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی بابت ہمہ دجل و تلبیس قرآن و سنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کلاں تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور خاتم النبیین کا وفادار قرار دے جس میں عشق رسول اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے تو کیا شورش صاحب اس کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث

کیا اس مقدر شورت سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کرسکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جسارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں ۔ اس تبدیلی اور خوشگوار انقلاب میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا متاع دین و ایمان ہے ۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبہ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ۔ ـــــ اور عقیدے کی دنیا میں عقل کی زنبیل میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے ۔ کالتی نقضت غزلها من بعد قوۃ انکاثا

دین و عقیدہ کی راہ میں سرگشتگی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی عادت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسول کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دوائر میں مسلکی رنگ سے رنگے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہوگی کہ وہ بھی ایک

والشعراء یتبعهم الغاوون الم تر انهم فی کل واد یهیمون و یقولون ما لا یفعلون ـــــ

کا مصداق بن جائیں ۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے جیتی جاگتی جنگ ہے اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی و علمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو نالاں کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتت اعداء کا بھی ذریعہ تھا ۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسر پیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہوگئی اور آج وہ آغا بھی بدقسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جیسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے ۔ وہ الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب و شتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے ۔

**فتنۂ انکارِ حدیث** | لیکن اس تمام فتنہ کی اور اس کی بہرحال ان تمام دینی و علمی اثرات کا دینی
تقاضا ہے جو انکار حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے ختم ہی
ناموس رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جیسا کہ یہ لوگ جو شورش صاحب ایک
دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ ... جو نبوت کے
مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکار حدیث کی تاریخ تحریکات زوال اور عوامل پر نظر ڈالتے
اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار مسٹر پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اور
اسلام اور منصب نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفہ فکر کو پرکھا ہوتا تو
یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے
ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں باطل افکار، زنادقہ اور جھوٹے
مدعیانِ نبوت نے منصب نبوت میں دجل و تلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام بیرونی سازشوں سے بڑھ کر نہیں بلکہ بدترین سازش ہے جس کو اسلام کے
حریف دنیا سے بھارت کا ایجنٹ آغا شورش صاحب پرویز کو مسند دیتے ہیں۔ بلکہ مسند
نام نہاد تحقیق کا نورِ نظر ہیں۔ سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر
صفحہ ہر سطر میں وہی پرویز والے انکار حدیث کی کار فرمائیاں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج، معتزلہ، جہمیہ،
ملاحدہ، محرفین قرآن، منکرین صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے
خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی۔ پھر اس زمین پر
عقلیت اور حجیت کو بدل کر تشکیک اور زندقہ کا بیج بو دیا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور
حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

**فتنۂ استشراق** | اسلام کے بد ترین دشمن یہود و نصاریٰ نے جب صلیبی جنگوں میں شکست کے
بعد اپنے دینی تعصب اور مذہبی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی اغراض نے مجبور
کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکے کے لئے اپنی تمام ذرائع اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے

مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا
جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور
ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام
کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضورؐ کی ذات اور ان کی سیرت طیبہ یا ان کی
تعلیمات احادیث، آثار و اخبار اور مسلمانوں کے علمی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین
تھا خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح
کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طعن و تنقید سے ماورا ہیں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع
کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا چنانچہ مستشرقین
کے سب سے بڑے گرو گولڈزیہر نے مستقل طور پر ابوہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول
امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی۔ اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ
کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام، داعی اسلام اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر داغدار
اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و ماخذ قانون و شریعت سنت
اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں
اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنان اسلام کے ہاں —
گولڈزیہر، مارگولیتھ، شاخت اور اس جیسے کئی ائمہ ضلال و الحاد کے نام جلی حروف میں لکھے گئے ہیں۔

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعدائے اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی
منصوبوں اور اس کے محرکات اور افکار و اذکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح
ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنہ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں
ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ان متجددین، روشن خیالی، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث
کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے

خلافت وہی تھے جو چاٹ چاٹ کر بھیجتے ہیں جو سامراجی اور اشتراکی کتے علمی تحقیق اور مستشرقین کی
کے لبادہ میں پھیل رہے ہیں دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں
کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جن کی ہر تر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

# انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوّت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکارِ ختمِ نبوت ہو یا انکارِ حدیث، دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقامِ نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزا غلام احمد قادیانی) ایک دوسرے کے مثنیٰ اور بروز معلوم ہوں گے ؎

وعدۂ وصل بچھا لیست میان من و تو    کہ رقیب آمد و پیوستہ نشان من و تو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے دیہاتوں میں بھٹکتی ہوئی اپنے جیسا ایک ہم نام و ہم وطن غلام احمد پرویز کے قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی ہے ـــ آئیے دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور اکرم کی نبوت اور اس کی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھول لیا تو:

غلام احمد پرویز نے حضور کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر مرکز ملت اور مرکزی حکومت کے القاب کے نام سے ہر زمانہ کی مرکزی حکومت کو آپ کا جانشین بنا دیا اور کہا کہ اللہ و رسول کی اطاعت، اتباع، اقتدار اور تاسی یہ تمام چیزیں اللہ و رسول یعنی مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسرانِ بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب و غریب معانی پہنا کر ان کو ظلی اور

بروزی کو مرکب حصوں میں ایک قطعی واضح اور سیدھی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعوے کیا مگر حقیقت تھا کس ید میں صرف ایک قانون کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گا۔ — دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط نمبر ۱۵ ج ۱ ص ۲۸۵ گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت سے کی تعبیر بن جائے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو ۔۔

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسولؐ کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو ان سامنے میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد قادیانی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے امت کا شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنایا تو ۔۔

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفق علیہ اجماعی مسئلہ میں رخنہ اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن و تشنیع سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے بھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ

تلاوتِ قرآن عبادت و شریعت کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۴۹) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خط ۱۸ ج ۳ ص ۱۵۰ تا ص ۱۵۹) موجودہ مسلمان تو بس نام ہی کے مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۸۵)

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی لیکن یہ حق اسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں۔ (طلوع اسلام فروری ۱۹۵۰ء ص ۴۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام — "میں ہوں میں" قسم کے ہذیانات سے بھرا ہوا ہے تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ویسٹ ونڈ عن الجمعہ — کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا جذبۂ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو صرف ان کی مظلومیت اور فضلائے امت کی مجبوریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا آئمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا لاکھوں احادیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع و تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء

امت کے ذریعہ منتج ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں
شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے اور اگر بزعم خود شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا
نہایت بسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈالیں کہ اس میں اتریں
اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور مہدی نژاد پرویز تو کیا
یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے
بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

**رسول کا تشریعی منصب** | قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام
حیثیتوں کو متعین کر رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (البقرہ آیت ۱۲۹، ۱۵۱۔ آل عمران ۱۶۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے ہمیشہ مقتدا و نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۳۱)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (الاعراف آیت ۱۵۷، حشر آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵۱، النساء ۶۵)
- رسول اکرم نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۶۴، ۵۹، الفتح ۱۰، محمد ۳۳)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے ماخذ و
مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جس کی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریم کے کھلے
ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ

حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتبِ فکر جماعتی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظرثانی فرمادیں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔ (جمادی الاولیٰ ۹۳ھ)

# فتنۂ تجدد و الحاد

## تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

ملوکیت کے ہر دور میں جب بھی اسلامی تعلیمات میں دین کے خواہشات سے رد و بدل کرنے کی کوشش کی گئی تو دین کا درد رکھنے والے اہل علم حضرات نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا اور اس کی اصلیت لوگوں پر واضح کی۔ ملک عزیز پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ایوب خان کی سرپرستی میں تجدد اور الحاد کا فتنہ تحقیق و ریسرچ کے نام پر بڑے زور و شور سے شروع ہوا اور اسلام میں تحریف کر کے ایک نیا اسلام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس موقع پر دیگر علماء حق کی طرح حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی اس فتنے کے خلاف قلم اٹھایا اور اس کی حقیقت کو واضح کیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مغل فرمانرواؤں میں سے اکبر بادشاہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے صدر ایوب خان کی کوششوں سے جنم لینے والے اس فتنے کے تعاقب کے ساتھ ساتھ اکبر کے دین الٰہی کو بھی اپنے ایک مضمون میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے جو ماہنامہ الحق نے "اکبر دی گریٹ" کے عنوان سے شائع بھی کیا۔ اب اس مضمون کو افادہ عام کے لیے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

# اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

## اکبریت کا نیا روپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

آج سے چودہ سو سال قبل اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہد رسالت نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان بڑی عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جرأت و عزیمت اور جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے۔ اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص و وفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر و سموم کی تند و تیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رسی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی کی حفاظت دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے جیسا کہ اولین عہد سعادت میں رہا۔ المحجۃ البیضاء لیلہا کنہارہا۔

**دین کی غربت کا خطرناک زمانہ**

اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی (دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار

سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ اکبری عہد دین کی عزت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہد اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو اہل دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک پہنچنے میں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جاسکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و تفنگ، ہمہ گیر تحریکات، منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہین منت ہے۔ —— آج کی فرصت میں ہم اکبر کے "دین الٰہی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدوخال پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے سے دین ترجمان اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم و ظن کا بھی اندازہ لگایا جا سکے جو اس وقت مغل امپائر کے اس "طاغوت اکبر" کا نام بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں لکھا جا رہا ہے کہ

> "اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا تھا جو مذہب کی آڑ لے کر ہر جاتے ہیں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے، حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس ہوس اقتدار کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہو جائیں) —— (نگار، [illegible] ۱۹۶۳ء ج ۴ [illegible])

گویا کہنے والوں اکبر کو حق بجانب قرار دے رہے ہیں کہ اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے

کمتو ز علماء حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا جائزہ بھی ہو جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفےٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزومند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علماء حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ ؟ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جان نثاری اللہ تعالیٰ کی سنت ماضیہ اور عادت جاریہ کا ظہور تھا یا انتشار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم بے باک اور مستند مورخ ملا عبدالقادر بدایوانی (م ۱۰۰۴ھ) کی ان چند ہی صفحات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے "طبقہ جہات" کے بعد اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں جمع کر دیئے ہیں جسے ہمارے دور کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحوم کے مضمون پر ہے منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش دبستان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے مستند ثقہ دینی امام جلیل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقا تک پہنچایا گیا اور اجتہاد و امامت و تشریح اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت و نبوت تو کیا معاذ اللہ ربوبیت تک رسائی ہو جاتی ہے۔

منصب اجتہاد: سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو

منکر ہوا اور بادشاہ نے دین کے بطلان ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں تمسخر۔ رسالتمآب علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جن، فرشتے، معجزات، تواتر قرآنی اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عقاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ ص ۲۱۲ ——

معجزات سے استہزاء | معجزات نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ اکبر دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراج رسول کی ہنسی اڑاتے تھے اور کہا کہ جب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا —— ہنسی مذاق کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا ص ۲۱۲

شان رسالت میں بے ادبی | اس گستاخ نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جن میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص ۲۱۶ ج ۲ —— یہاں تک کہ غیرت و حمیت سے عاری اس مغل اعظم کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سرعام شانِ رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر پتھر بھی شق ہو جاتے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز و اکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے انجیل پڑھ لو ص ۲۴۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) | اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کے اضمحلال اور رسالت و عہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھالے اور دین کے اس ملبہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا ایک نئے دین، دین الٰہی اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک

(معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو سکتی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مورخین اس خیال سے
اس نے اپنے دین کو "الٰہی مذہب" کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت
تشریع و تبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا — اب پورے طور پر "دین الٰہی"
کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام و شعائر کی بربادی و بیخ کنی میں لگ
گیا۔ اعمال (فروع) تو کیا عقائد (اصول) تک منسوخ کر دیئے اور اس طرح باقاعدہ ایک جدید فقہ اور سائنٹفک
مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی تدوین و تنقیح کا کام اکیلے اکبر کے بس کا نہ تھا کیونکہ وہ بیچارہ
تھا۔ بہرحال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال "محققین"
نے اسے بام پر چڑھا دیا اور اقتدار و نخوت کے میدان میں اکبر اس مقام "انا ولا غیری" پر براجمان ہوئے

اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے! عقائد و احکام فروع و اصول اور دین کے

ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم
کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح "اسلامی تحقیق"، "اسلام کا آزادانہ مطالعہ"، سائنٹفک ریسرچ کے لئے
قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب
کے لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے نامور آفاق بیٹے ابو الفضل اور
فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود اکبر "دین الٰہی" کی ذات اس تشریع و تجدید کی آخری اتھارٹی
اور قوت نافذہ تھی — اکبری دربار کے ایک شاعر اور مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے تو اکبر کی اس
"اسلامک ایڈوائزری کونسل" کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

| | |
|---|---|
| پادشاہ با حکم کرد کہ از معتبران چہل کس | بادشاہ نے حکم دیا کہ معتبرین میں سے |
| بعد چہل تن بہ نشستند و ہر کس ہر چہ | چالیس آدمی بیٹھا کریں اور ہر شخص جو کچھ جانتا ہو |
| داند بگوید و ہر چہ خواہد بپرسد ۲ | اس کا اظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے |

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل اور سائنس کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح
کے شبہات، بلکہ مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی غیر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے الگ کیا جاتا ۳

کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے تو سعادت ارباب اور آزادی رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی
عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور نصرانیت کو دلائل
بیان کریں اور ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے صفحہ ۲۹۴

**فرنگی ثقافت اور کلچر** | فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے
ان سے حاصل کئے صفحہ ۲۹۴ اور یہی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ
لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا ـ یہی دانش افرنگ ہے
جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور خطرناک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے ——— جشن نوروز
میں فرنگی بھی شریک ہوتے تھے پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور
اکبری دادودہش کے مستحق ہوتے ۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجددؒ)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے ـــ آتش پرستوں
نے زرتشتی دین کی حقیقت بیان کی صفحہ ۲۹۳ -- پھر کیا تھا اس وسیع نظر روشن خیال بادشاہ
نے ان کی دلجوئی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ صفحہ ۲۹۳

**سیاست یا الحاد** | ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر
نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں، آخر
گردن سے اسلام کا "قلادہ" اتار دینے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تھا تو ظاہر
ہے کہ وہ ہندو مت کے ساتھ اکبر کی فراخ حوصلگیوں کا کیا عالم ہوگا !

ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تبرکاً راکھی بندھوانا، گائے پوجنا اور
پوجوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم کر دیا۔ مونڈا گیا سر داڑھی
مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوتے
(شاہنواز ماسی ص۳۹۳ بحوالہ تزک جہانگیری۔ از مولانا محمد میاںؒ) انگریزوں سے پہلے یہ دریادلی اکبر کے لئے ایک
عام بات تھی خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا

خوشنما نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام | غرض اکبر کی یہ دعوا ایمان اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹیفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے لگام اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور "ملت جدیدہ" کا ظہور ہوا جس نے عقائد، تعلق، سیاست و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض قدیم اسلام کے ایک ایک شعبہ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان والحفیظ۔ ہندوستان کے اس "فتنہ کبریٰ" نے بزعم خود ملت مطہرہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری | اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ "لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اسی ایمان بد شہادۃ" کا مکلف ٹھہرایا جاتا۔" ص۲۷۲۔ پیرو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے: "میں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں۔" ص۱۱

تحفے | اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت فرسودہ روایات کے خول کو توڑ آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے دربار ہمایوں سے "شجرہ" کے نام سے ایک "تحفہ" حاصل کر لیتے تھے۔

دینے فروختند و چہ ارزاں فروختند

یہ تحفہ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانی "ماسیان جیو کیلئے باعث رشک ہے۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفاشعاروں کو دے دی جاتی جسے وہ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے۔" ص۱۱۸ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور فانوسوں تک محدود ہے)۔

بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکے سے درشن کراتے تھے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس
"معبود" اور "اللہ اکبر" کے سامنے سربسجود ہو جاتے تھے ص۲۴۳ ۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت
"السلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا ص۲۹۵

اکبر کی افتاد طبیعت اور اکبر کے دین الٰہی کے پس منظر اور اصول تلاش کرنے کے بعد ہم
مناسب سمجھتے ہیں کہ دین اکبری کے بعض معتقدات و معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں میں اس کی روشن خیالیوں
اور جدت پسند احکام و فروعات میں اس کی وسعت اندوزیوں کی ایک مکمل سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید ہم کے
اضمحلال و انحطاط کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت پسند لوگ کچھ عبرت حاصل کر سکیں
ان [illegible] کی تفصیل کا بیان [illegible] واقعی [illegible] کہ جو [illegible] بھی ایک عبرت
ہے۔ دیکھنے اور سمجھنے والوں کے لئے ۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اکبری عقائد و عبادات: اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو اس
حقیقت سے ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا تھا۔ اپنی عبادات کروانے
کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا
ص۱۴۳ ۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں
کا وظیفہ پڑھتا ص۲۳۶ طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا ص۲۱ اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب
کا ذکر آنے پر جلت قدرتہ اس کی قدرت بہت بڑی ہے کہا جائے۔ حتیٰ کہ آفتاب کی
عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص۲۶۱ کواکب پرستی بھی
کی جانے لگی اور یہاں تک کہ معاذ اللہ سورج کو خدا کا مظہر قرار دیا گیا اور وہ اس میں حلول ہو چکا ہے
ص۲۲ [illegible] حشر نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا ص۲۸۶
اپنے متوسلین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجا لایا کریں۔
ص۲۶۳ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تیار رہتا۔ آگ کو خدا کی تجلی اور نور قرار دیا ص۲۱۱

کو ایک ایک کرکے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے اکبر نے دین اور رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معابد اور اسلامی مدارس پر دست تعدی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کردی۔
عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی سے مصطفیٰ کمال کا رہا ——— اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی تحقیر اور بے کسی، دینی معابد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈال لینی چاہیے ——— قرآنی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا[۳۴]

**عربی زبان سے دشمنی** | دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ، ان کو حتی الامکان بول چال سے بادشاہ نے باہر کردیا صفحہ ۳۴ عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی
(تذکرہ مجدد مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

**اسلامی علوم کی کسمپرسی** | اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھالی گئی۔ فقہ و تفسیر اور حدیث پڑھنے والے مردود و ملعون ٹھہرائے گئے صفحہ ۳۴ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کار فرمائی کے لیے بے کار عضو تھے اور اکبری اصلاحات اور تجدد پسندی کی بیعت کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور آجکل کی زبان میں ان کا نام مخالف ترقی و قدامت پسند رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ اکبر کے ترقیاتی پروگرام میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کرکے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے ——— اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت، حساب، شعر و تاریخ افسانہ رائج و معروف کئے گئے۔

ایک شاہی حکم جاری کیا گیا کہ عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ عربیہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھنا
کرنے صفحہ ۳۰۶ نصاب تعلیم کے۔ ان تعلیم و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اہم کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی
تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے
ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ صفحہ ۳۴۲

**دینی اداروں پر پابندیاں** | علم دین اور اہل علم کو سرکاری ملازمتوں سے نکال پھینکنے کے
بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ
ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

**محکمۂ قضا کا خاتمہ** | بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اسلامی شعائر میں سے اسلامی
آبادیوں کو قاضی مقرر کرنا ہے جو دور اکبری میں مٹا دیا گیا (مکتوبات ص ۹۵ ج ۱)۔ قضا اور حکومت تو
بڑی بات ہے جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا نظام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

**رویت ہلال کمیٹی** | عید کے چاند میں اختلافات ہوتا تھا شرعی ثبوت سے پہلے ہی عید کا
اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (زندہ و جاوید حصہ دوم ص ۹۲)۔ ایسے ہی ایک موقع پر
ابوالفضل حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزہ سے تھے
ابوالفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی نے فرمایا:
"بادشاہ بے دین ہست اعتبار ندارد"

**اوقاف سرکاری تحویل میں** | علماء و مشائخ، ائمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے
وقف چلی آرہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (ص ۲۸) اسلامی علوم اور اہل علم کے
اس قتل کا نتیجہ ملا بدایونی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلاوطن
کر دیئے گئے۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۲)

**حضرت مجدد کی شکل میں رحمت حق کا ظہور** | دین اور شعائر دین کی بے عزتی اور بے توقیری کو دیکھ کر رحمت
حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قامع

بدعت آمیز حرکات نے مجدد دین، اللہ کا روشن چراغ، اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول امام عارف ربانی ابوالبرکات مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ اور حساس روح کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت و اصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر قریب تھا کہ اقلیم دعوت و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کر چلا

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اہل حق اور علماء ربانی کے مرید سر خفی دین ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر تڑپ اٹھتے تھے۔ روتے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمین لرز اٹھی، آسمان تھرا گئے خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے۔

دین کی بیکسی کا ماتم

مجدد کی جہاد و دعوت کے دردناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں ـــــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی سردی نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب [illegible] دفتر اول [illegible]) اکبری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا عبرتناک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

غربت اسلام تا یک بیک قرن پیشتر
قرار یافته است که اہل کفر بمجرد اجرائے احکام
کفر بر ملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند
خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردد و
اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود کار تا بجائے
رسیدہ است کہ اگر مسلمانے از شعائر
اسلام اظہار نماید بہ قتل می رسد۔

ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ اہل کفر
صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ شعائر کفر کے احکام کا اعلانیہ
اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ
اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام و مسلمان
کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچ گئی
ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا
ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

**شاہ ولی اللہ کا تبصرہ** | ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں
"اکبر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پیچھے بھاگنے لگے، ہر طرف سے مختلف فتنوں اور باطل مذاہب کے لوگ وارد ہوئے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے (ترجمہ، سعد الفقہ، تذکرہ حقیقت)

یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل، وسیع المشرب، "رند با صفا" اور ملت جدیدہ کے بانی دولت مغلیہ کے تاجدار "اکبر دی گریٹ" کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں مدتوں سے پیٹے گئے کہ
آسمانش مظہر تمامی خلق در آں بود۔

**اکبر کا آئیڈیل پیش کرنے والے** | اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیل پیش کر کے الحاد اور تخریب دین کی تحسین کر رہے ہیں ——

یہ ہے مغل امپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز ہیرو کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلے میں اس کے سنہرے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، حریص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے لیکن اس کے کرتوتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی۔ تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو بٹھا دیا اور بہت جلد اکبری الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھریرا لہرانے لگا۔ آج اکبر کے الٰہی مذہب کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے ——

(۱) [illegible]

# تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

● راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس  ● ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن

✧ ✧

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماء حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالم اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلۂ خیال اور عالم اسلام کو درپیش مسائل پر غور و فکر، مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابل تحسین قرار پاتا ہے مگر تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جسے ادارۂ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور "تحقیقی شاہکاروں" کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آ گئی جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جاتا ہے۔

عالم اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ | اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جس کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و اقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ ہر طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی ان تمام تگ و تاز اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو

بچاتے ہوئے قرآن و سنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم، اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصر حاضر کے درپیش مسائل کی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

**مغرب کے بارہ میں معتدل راہ و راستہ** اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعت اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بالکل یکسر رد کر دیا جائے۔ تو اس مقصد کی تعمیل میں کسی عالم اور متصلب مسلمان کی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ اسلام نے ہر دور اور عصر حاضر کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور بر و بحر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیات زمانہ سے استفادہ اور حصول علوم و فنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے کہ اسلام کے اور نظریہ یا علمائے حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

**تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم** الغرض تجدد و اصلاح مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلافات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت تعلیم و تربیت، ذاتی و سیاسی مصالح مغربی تہذیب و تمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی

ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مسلمہ کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ در اصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب و تمدن اور لادینی افکار و نظریات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار و روایات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کی جائے یا انہیں کھینچ تان کر اسلام کے دائرے میں لایا جائے۔

آوازۂ تجدید یا تقلید فرنگ: اور مختصراً یہ کہ اس طرح تحقیقی فکر و خیال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ رہے۔ یہی وہ المناک صورت حال ہے جس سے تجدد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبالؒ رو چکے ہیں ؎

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید ۔۔۔ مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

علماء اور مسلمانوں کی تشویش: اور یہی وہ تشویشناک صورت حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مرمٹنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھ جانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر معترضین کے سواد اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہل تجدد اور مغرب زدہ طبقے کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا ساتھ دینے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا

جائے تو کیا حالات اور مادہ کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام | جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کی بجائے ایئر کنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھاری مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، گوشت اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کوکا کولا مشروب پینے اور دورِ جدید کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لفٹ سے چڑھنے لگا۔ انسان تیر و سنان کی بجائے توپ و تفنگ اور بندوق و دیگر اسلحہ کی بجائے ایٹم و ہیڈروجن بم بنانے لگا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے میل نہیں کھاتا؟ بلکہ کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال و جان کی حفاظت کی شکل میں انسان کی جو بنیادی ضروریات تھیں عصرِ حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو احترامِ زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل و تکمیل کی اجازت دی اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رہ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی رجحانات کو عصرِ حاضر کا تقاضا نہیں کہا جا سکتا | ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے مراد سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم و فنون مراد نہیں بلکہ وہ یورپی تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک زہریلے سرطان اور مہلک جرثوم کی شکل میں پوری انسانیت

کا جسم کھانے جیسا ہی ہے۔ اور آپ اسلام کا نفاذ اس مغربی طرز معاشرت سے کرانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، مرد و عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، جوا، ناچ گانے، سینما، لو میرج، گرلز اور بوائے فرینڈز، الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود و اصول سے بغاوت ہے۔

**اسلام کا جمود و تعصب** | آپ یقین جانیے کہ اسلام اس بارہ میں قطعی جامد اور متعصب ہے اس میں ہرگز عصر حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے "ترقی یافتہ" اور "مہذب" لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تعصب خود تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کا مردہ جسم اپنے ساتھ موجودہ حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے جرأت مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیرباد کہہ دیجئے۔ آپ جیسے شخص ان نئے تقاضوں کو اپنانے کے لئے اسلام سے بیگانہ ہو جانے کی کوشش مستحسن ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ آخری لمحہ ہے۔ رہی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح و بہبود کا اسی نسخۂ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصر حاضر کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مرض اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخۂ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور تمسخر، اور یہ تعصب و عناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہوگی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

**تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف** | اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے، اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں ہر زمانہ کے حوادث و نوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اسلام ان سب کا تسلی بخش حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف

یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرنے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں۔ مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیر بحث لائیے۔ انہیں آزمائیے۔ شراب بے پردگی اور مخلوط معاشرت کو کھینچ تان کر اسلام میں داخل کرنے کی بجائے معاشرہ کو صنعتی ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچیئے، معاشرتی حقوق کی پامالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدد ازدواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، حضانت وغیرہ میں توڑ موڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیم دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظام اقتصاد و اعتدال کو سامنے لاکر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ ادھر جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ اور نصوص سلف کی روشنی میں منصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے گھوڑے کو کھلی چھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوصات شریعت کو بھی "ریویو" کر سکے۔ عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں، مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیر کائنات بالفاظ دیگر شکم پروری کی تدبیروں کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبر کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیق انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوت تفکر و تدبر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور

تعلیمات قرآنی کے حقیقی مقصد عبدیت خداوندی حصول مرضیات الٰہی اور فلاح آخرت کو
ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام
اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف
جسم اور مادیت کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدریں پامال ہو جائیں جس کا
نتیجہ یہ ہو گا کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی مٹا سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے
بھی بچ جائیں گے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیارانہ تمسخر اور استہزاء
کی مثال بمشکل مل سکے گی۔

**ہمارے خدشات کی تائید** | ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے
بارہ میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہل تجدد و تعقل اسے سوء ظن، ہماری تنگ نظری اور رجعت پسندی
قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارۂ تحقیقات اور اس کے سربراہ
ڈاکٹر فضل الرحمان کی حمایت پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارۂ تحقیقات
اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریک تجدد اور
مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے
تحقیقی شاہکار بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے ہیں کہ ہم ان
خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچے
میں ڈھال کر کس اسلام کو تصنیف کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام "جواہر پارے" ادارۂ تحقیقات
کے ترجمان مجلہ "فکر و نظر" میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین تصنیف "اسلام"
(مطبوعہ ویڈنفیلڈ اینڈ نکلسن لندن ۱۹۶۶) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ:

# ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعض ملحدانہ خیالات

۱۔ قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں یعنی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ کسی شکل میں بھی ظاہر ہوں، اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے نماز روزہ حج میں بھی اسی اصول سے ترمیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔

الف۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ اور اگر موجودہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہوسکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کرسکتی ہے۔

ب۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی اس وقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔

۲۔ شریعت اسلامیہ غیر متبدل، مستقل اور ابدی نہیں۔

۳۔ وہی چیز مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔

۴۔ وحی الٰہی اور رسول دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۵۔ قرآن کریم کے فیصلے اور حضورؐ کی احادیث قطعی قوانین نہیں زیادہ سے زیادہ ایک اسوۂ نمونہ اور مثال ہیں۔

۶۔ قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ جن میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ وحی ایک واردات قلبی اور نبیؐ کے شعور کی آواز ہے۔

۹۔ جبرئیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔

۱۰۔ حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔

۱۱۔ پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔

۱۲۔ معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفع مسیح سے مستعار لیا گیا۔

۱۳۔ قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

۱۴۔ حدیث کا بیشتر ذخیرہ محض ساختہ اور موضوع ہے۔

۱۵۔ اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

۱۶۔ حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی، پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، وہ بعد کی اختراع ہے۔

۱۷۔ سنتِ نبویؐ کا اکثر حصہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات لے کر سنت میں داخل کر دی ہیں۔

(ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے نزدیک مذکورہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں)

۱۸۔ عہد جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلق سود حرام نہیں۔

۱۹۔ صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اس کے علاوہ بیئر وغیرہ تمام اقسام

حلال ہیں۔

۲۰- نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔

۲۱- یہی حال شفاعت اور خروج مہدی کے عقیدہ کا ہے۔

۲۲- اسلام کا علاوہ مغرب کی رہنمائی ہی سے پھر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقین یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس کا ہیولیٰ سرسید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طٰہٰ حسین کے اظہارِ معذرت، جرأت شناعت اور گولڈ زیہر کی تشکیک و تلبیس (اور وضعِ یا مسخ وحدیثی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی تصویر جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدید اصلاح کے دعووں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہلِ حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون فیا للاسلام وللخیبۃ المسلمین۔ اللّٰھم انا نسئلک الثبات والاستقامۃ والتوفیق والسداد والعافیۃ۔

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

# ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیا روپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارع ؑ نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصر نبوت سے لے کر امت مسلمہ میں تواتر اور تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ ان قطعی اور بدیہی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ دین، نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد، اجماع و قیاس، صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے، اور ان میں اتنی توسیع (EXTENTION) کردی جائے کہ یورپ کی دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی، رقص و سرود، ثقافت و کلچر، زناکاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم، اور مساوات مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جاسکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصر حاضر کے نام نہاد متجددین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کی صرف علل و غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلتے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا نمونہ حاصل کرنا اچھا ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے مخصوص مقادیر اور مصارف میں رد و بدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربٰو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر و نظر")

**قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت** | ابھی حضرات کے یاران تیز گام منکرین حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے سے اقامتِ سلف کا منسوخ شدہ قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے وہ بیشتر عجمی تراشی ہے[1] عجمی سازش کا شاہکار ہے کہ قرآن کے بہترین معانی و مفاہیم چند تصورات اور روایات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے[2] مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام انقلابین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ "قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہوتا رہتا یا بڑھتا جائے گا[3]

ان کی بدبختی کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا کھوج بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں ڈبے ان اساتذہ یہودی مستشرقین شاخت وغیرہ کے دریوزہ گر ہیں۔

**باطنیت کی تجدید** | جن کی اسلام دشمنی کو قرآن کریم بار بار صحیح الفاظ میں واضح کر چکا ہے اور دین و تلبیس جن کا پیشہ ہے و طیور رہا ہے و من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۲۶ [2] اسباب زوال امت ص ۱۷ [3] قرآنی فیصلے ص ۲۴۶

ملحدین اور مستشرقین کا یہی نقطہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت فاطمین ۲۹۷ھ تا ۵۶۷ھ کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اس اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمال، شریعت و سنت سے مذاق ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانون میراث میں ترمیم کی گئی۔ نماز روزہ و صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اس سلطنت کے ایک فرمانروا الحاکم بامر اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہل حق مقہور و مظلوم اور اہل باطل غالب و حاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظت دین کے لئے شمشیر غیرت دینی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنہ کی سرکوبی کی۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققین اسلامیہ کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورث اعلیٰ عبید مجوسی یا یہودی تھا۔

---

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کی ایک اور پیشکش

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

# انوارِ حق

جلد اوّل

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم، استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب
کے خطبات اور مواعظ حسنہ کا حسین گلدستہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات
کی ایک جھلک، اہل مدارس کا بیش بہا سرمایہ، علوم و معارف کا خزینہ، مختلف موضوعات
پر علمی و دینی اور اصلاحی پرمغز تقاریر کا دلچسپ مرقع، از دل خیزد بر دل ریزد کا
صحیح مصداق، سلاست اور جاذبیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ خطباء، واعظین، مبلغین
...... اور اصلاحی محفل میں یکساں مفید ہے

مرتب

○ حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

# فہرست مطبوعات

## مؤتمر المصنفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)

**حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی** (جلد اول) افادات: شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی کی مبسوط اور مدلل شرح، حضرت شیخ الحدیث کی جامع ترمذی سے متعلق تقاریر و افادات درس کا مجموعہ۔

**دعوات حق** (دو جلد) ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ — شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے خطبات و ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ، دین و شریعت، اخلاق و معاشرہ، علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت، شریعت و طریقت کے ہر پہلو پر حاوی کتاب۔

**قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ** ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق مدظلہ — قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی دینی و ملی مسائل پر قرار دادیں، بحثیں، تقاریر، آئین کو اسلامی و جمہوری بنانے کی جد و جہد کی مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی و تاریخی دستاویز۔

**عبادات و عبدیت** شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، جس میں ابواب عبادات کی حکمتیں، برکات، تعلق مع اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر مفید کتاب۔

**مسئلہ خلافت و شہادت** مسئلہ خلافت و شہادت حسینؓ، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر، مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ۔

**اسلام اور عصر حاضر** از مولانا سمیع الحق مدظلہ — عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سیاسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرقِ باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک اور مغربی تہذیب کا تجزیہ — پیش لفظ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔

**قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق** از مولانا سمیع الحق مدظلہ — تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ اور تزکیۂ نفس میں قرآن کریم کا معتدلانہ انداز و حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا پہلو۔